طائفہ منصورہ کی صفات

ضروری ہے کہ آپ اس جماعت کی تعداد بڑھائیں

مؤلف: عبدالمنعم مصطفیٰ حلیمہ ابوبصیر الطرطوسی حفظہ اللہ

ترجمہ: عبداللہ مہاجر السلفی حفظہ اللہ (الکراتشی)

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

فہرست

اھداء

- ہر اس شخص کے نام جس کی معلومات نے اسے دھوکا دیا...... وہ راہ راست سے بھٹک گیا...... وہ اپنے آپ کو درست راستے پر گامزن سمجھتا ہے...... یا وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اچھے کام کر رہا ہے۔

- ان لوگوں کے نام...... جماعتوں، گروہوں اور مختلف جھنڈوں نے جن کی محبت و یگانگت کو تار تار کر دیا ...... حالانکہ اللہ تعالی نے اس بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔

- ان لوگوں کے نام جو ہر معاملے میں باطل کو کثرت سے دیکھنا چاہتے ہیں۔

- ان لوگوں کے نام جو اختلافات کا حل چاہتے ہیں اور ایسی جماعت کی صفات کے بارے میں پوچھتے رہتے ہیں جسے کثرت سے ہونا چاہیئے اور وہ خود بھی اس جماعت میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔

- ان لوگوں کے نام جو اپنے آپ میں بڑے پاک باز بنے پھرتے ہیں، اور اپنی طرف سے ایسی صفات ظاہر کرتے ہیں جو ان میں حقیقی طور پر موجود نہیں۔ اپنے تئیں وہ اس خیال باطل میں مبتلا ہیں کہ وہ طائفہ منصورہ ہیں یا ان کا تعلق طائفہ منصورہ سے ہے۔

- طائفہ منصورہ کے ایسے خلوت گزیں، پاک باز اور تقوی شعار افراد کے نام جو ہر کہیں اور ہر حال میں حق پر قائم رہیں گے۔

- اس کتاب کو میں ان تمام لوگوں کے نام معنون کرتا ہوں، اللہ تعالی سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اسے تمام لوگوں کے لئے نفع مند بنائے...... راہ حق سے بھٹکے ہوؤں کے لئے رشد و ہدایت کا سبب بنائے...... بے شک وہ دعاؤں کا سننے والا قریب ہے۔

المؤلف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ

إن الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره، و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلل فلا هادى له۔أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، و أشهد أن محمداً عبده و رسوله۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلاَ تَمُوتُنَّ إِلاَّ وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ﴾آل عمران: ١٠٢

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَنِسَاء وَاتَّقُواْ اللّهَ الَّذِي تَسَاءلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً﴾النساء: ١

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلاً سَدِيداً ☆ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَن يُطِعْ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيماً﴾الأحزاب: ٧٠-٧١

أما بعد: فإن أصدق الحديث كتاب الله، و خير الهدي هدي محمد ﷺ، و شر الأمور محدثاتها، و كل محدثة بدعة، و كل بدعة ضلالة، و كل ضلالة فى النار۔

اللهم رب جبريل و ميكائيل و إسرافيل، فاطر السموات و الأرض، عالم الغيب و الشهادة، أنت تحكم بين عبادك فيما كانوا فيه يختلفون، اهدنا لما اختلف فيه من الحق بإذنك، إنك تهدي من تشاء إلى صراط مستقيم۔

حمد وثناء کے بعد: عالم اسلام بہت کثرت کے ساتھ فرقہ بندی، گروہ بندی اور جماعتی انتشار کا شکار ہے۔ ہر فرقہ و گروہ دوسرے سے ہٹ کر اپنے آپ کو بلا شک وشبہ حق پر سمجھتا ہے۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ اسلام کی

فتح ونصرت کا فریضہ دوسروں سے ہٹ کرصرف اسی کے ہاتھوں سرانجام پانے والا ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس جماعت کا حق کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ نبوی منہج اور سلف صالحین کے طریقے کو اختیار کرنے والی ہوتی ہے۔

اس صورت حال نے لوگوں کی زندگی اوران کے افکار ونظریات پر بڑے منفی اثرات مرتب کئے ہیں۔ ان کے ہاں ہر چیز کے پیمانے بدل گئے۔ان کی محبت و یگانگت باہم متحارب گروہوں کی شکل میں پارہ پارہ ہوگئی،اور یہ ایسی صورت ہے کہ اس کے بارے میں اللہ تعالی نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالی کے لئے سچی محبت کرنے والے دو بھائیوں کے درمیان اختلاف،جھگڑا اور جدائی پیدا ہوگئی۔اس اختلاف نے ان کے دلوں میں حسد،بغض اور عداوت ڈال دی۔ ہر کسی کے دل میں دوسرے کے خلاف بغض پیدا ہوگیا حتی کہ اگر دو شخص بھی ہوں تو ان میں بھی اختلاف رونما ہوجاتا ہے۔ یہ سب کا سب ان گروہ بندیوں اور فرقہ بندیوں کا کیا دھرا ہے۔ کیونکہ تمام جماعتیں اپنے ماننے والوں پر باطل قسم کے نظریات ٹھونستی ہیں جن کا دوسری جماعتوں کے نظریات سے ٹکراؤ ہوتا ہے اور یہ باہمی تناقض کا باعث بنتا ہے۔

ان مختلف جماعتوں کے وجود نے عام لوگوں کے ذہن میں تمام جماعتوں کے بارے میں شک وشبہہ کا بیج بودیا۔حالانکہ جھوٹی جماعتوں کے ساتھ ساتھ سچی جماعتیں اور گروہ بھی موجود ہیں۔نتیجہ یہ نکلا کہ عام سوچ اور فکر رکھنے والے لوگ جماعتوں اور گروہوں سے اس فرق کے بغیر ہی جدا ہوگئے کہ کون سی جماعت سچی ہونے کی وجہ سے ان کی طرف سے دوستی کی مستحق ہے اور کونسی جماعت جھوٹی ہونے کی وجہ سے ان کی طرف سے براءت کے اظہار کی مستحق ہے۔ یہ لوگ عالم اسلام میں قائم تمام جماعتوں کی نیک نیتی اور خلوص پر شک کرتے ہیں۔اور اس طرح اہل حق سے بھی لوگوں کا اعتبار اور اعتماد اٹھتا جارہا ہے۔

زیر نظر کتاب ''صفة الطائفة المنصورة التی یجب ان تکثر سوادها''میں ہم طائفہ منصورہ کی صفات پر اسی طرح روشنی ڈالیں گے جیسا کہ ان کی صفات قرآن وسنت میں بیان ہوئی ہیں۔ ہر مسلمان

کے لئے ضروری ہے کہ اس کا تعلق اسی جماعت سے ہو، وہ اس جماعت کی تعداد کو بڑھائے اور خلوص کے ساتھ اس کا دفاع کرتا رہے۔ان شاء اللہ یہ کتاب ہر مسلمان کے لئے ایک ایسی مشعل کا کام دے گی جو کہ راستے کے اندھیرے منور کر دے گی۔ یہ کتاب ایک ایسا پیمانہ ہوگا کہ جس کے ذریعہ سے پہچانا جا سکے گا کہ کونسی جماعت حق پر ہے یا حق سے کتنی قریب یا کتنی دور ہے۔اس کتاب کے ذریعے یہ بھی پتہ چل سکے گا کہ کس جماعت کے ساتھ تعلق نفع بخش اور کس کے ساتھ تعلق نقصان کا باعث ہو سکتا ہے۔

یہ کتاب ایک عام مسلمان کے لئے حق اور اہل حق کو پہچاننے میں مددگار ثابت ہوگی اس طرح وہ اہل حق کا مددگار بننے،ان کی تعداد کو بڑھانے اور ان کی صفوں میں شامل ہونے کے لئے جلدی کر سکے گا۔اسی طرح یہ کتاب باطل اور اہل باطل کی پہچان کے لئے بھی مددگار ثابت ہوگی اس طرح مسلمان ایسے لوگوں سے بچ سکیں گے اور ان سے دشمنی کا اظہار کر سکیں گے۔اور ان سے اسی قدر نفرت کا اظہار کر سکیں گے جس قدر وہ طائفہ منصورہ کی صفات سے دور یا قریب ہونگے۔

یہ کتاب ہر اس مسلمان کے لئے انتباہ ہے جو کہ شخصی ،قولی یا فعلی اعتبار سے مسلمانوں کے خلاف باطل اور اہل باطل کا مددگار ہے......اور ان کی تعداد بڑھاتا ہے۔ایسا شخص گناہ اور ظلم وزیادتی میں باطل اور اہل باطل کا ساجھی ہے،خواہ وہ ایسا جان بوجھ کر کر رہا ہو یا بے خبری میں کر رہا ہو۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث میں مذکور ہے: جس نے کسی قوم کی تعداد کو بڑھایا وہ انہیں میں سے ہے، جو کسی قوم کے کسی عمل کو اچھا سمجھے وہ بھی عمل کرنے والوں کے ساتھ برابر کا شریک ہے۔(مسند ابی یعلی، فتح الباری:۱۳۰/۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کریم کا ارشاد ہے:

بندہ جس قوم سے محبت کرتا ہے اللہ تعالی اسے دنیا اور آخرت میں انہیں کا ساتھی بنا دیتے ہیں۔

(أحمد،نسائی،حاکم،صحیح الجامع الصغیر:۳۰۲۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

کسی قوم کا حلیف بھی انہیں میں سے ہوتا ہے۔(طبرانی،صحیح الجامع الصغیر:۳۱۵۶)

نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کی تصدیق کتاب اللہ میں اللہ عزوجل کے اس فرمان سے ہوتی ہے :
﴿وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ ''جوتم میں سے ان سے دوستی رکھے گا وہ انہیں میں سے ہے'' یعنی کفر میں وہ انہیں جیسا ہے اور گناہ اور ظلم میں وہ ان کا شریک کار ہے۔ (اگر وہ کافر ہوں گے تو وہ ان کی دوستی اور مدد کی وجہ سے انہیں جیسا کافر ہوگا، اگر وہ کافر کی بجائے فاسق وفاجر اور گناہ گار ہوں گے تو وہ بھی ان کی طرح گناہ گار ہوگا اور اس پر انہیں کا حکم لاگو کیا جائے گا۔)

اس مقالے کو اپنے موضوع کے اعتبار سے حجت قاطعہ بنانے کے لئے میں نے اس بات میں سخت محنت کی ہے کہ کامیاب جماعت کی صفات ویسے ہی بیان کروں جیسے یہ کتاب وسنت میں بیان ہوئی ہیں اور نصوص شریعت اس پر دلالت کرتی ہیں۔ اس بارے میں میں نے آثار صحابہ اور سلف صالحین کے فہم کا بھی خاص خیال رکھا ہے۔ اللہ تعالی سے توفیق اور قبولیت کا طلبگار ہوں۔ اللہ تعالی میری طرف صحیح اور سچ بات القاء فرمائے اور مجھے خواہشات کی پیروی کرنے اور ظاہر پوشیدہ غلطیوں سے محفوظ فرمائے۔ اور اللہ تعالی اپنے احسان اور فضل ورحمت کے ساتھ ہمیں بھی طائفہ ناجیہ منصورہ میں شامل فرمائے۔ وہ دعاؤں کا سننے والا قریب ہے۔

وصلی اللہ علی محمد النبی الامی ، وعلی آلہ وصحبہ وسلم

أبوبصیر
عبدالمنعم مصطفیٰ حلیمہ حفظہ اللہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

طائفہ منصورہ کا وجود

قبل اس کے کہ ہم طائفہ منصورہ کی صفات، اور دوسری جماعتوں کی نسبت اس کی تعداد بڑھانے کی ضرورت کے بارے میں بات شروع کریں، ضروری ہے کہ طائفہ منصورہ کا وجود اور اس کے وجود کی مشروعیت ثابت کردی جائے۔

تواتر کے ساتھ بہت سے صحیح دلائل اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ طائفہ منصورہ کا وجود برحق ہے اور اس کا وجود قیامت تک قائم رہے گا۔ یہ جماعت کامیاب ہونے والی اور حق پر قائم رہنے والی ہے۔ قیامت قائم ہونے تک ان کا کوئی مخالف یا فتنہ پرداز انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ ان دلائل میں سے کچھ احادیث صحیح مسلم میں موجود ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی، اسے کوئی فتنہ پرداز نقصان نہیں پہنچا سکے گا، اللہ تعالیٰ کا حکم آنے تک وہ اسی حالت میں قائم رہیں گے۔

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ لوگوں پر غالب رہے گی، اللہ تعالیٰ کا حکم آنے تک ان کا غلبہ اسی طرح قائم رہے گا۔

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا، اس دین پر مسلمانوں کی ایک جماعت قیامت قائم ہونے تک قتال کرتی رہے گی۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئی سنا: میری امت کی ایک جماعت قیامت قائم ہونے تک حق پر قتال کرتی رہے گی اور غالب رہے گی۔

سیدنا عمران بن ہانی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے سنا معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھے ہوئے فرمارہے تھے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی۔ کوئی فتنہ پرداز اور مخالف اسے نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔اللہ تعالی کا حکم آنے تک اسے لوگوں پر فوقیت و برتری حاصل رہے گی۔(مذکورہ تمام احادیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے،اور طائفہ منصورہ والی روایات بخاری ومسلم اور سنن وغیرہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔)

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

میری امت کی ایک جماعت حق پر قتال کرتی رہے گی۔اپنے مخالفین پر غالب رہے گی۔یہاں تک کہ اس جماعت کا آخری فرد دجال کے خلاف لڑائی کرے گا۔ (صحیح سنن ابوداؤد:۲۱۷۰)

سیدنا سلمہ بن نفیل الکندی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اچانک ایک آدمی نبی کریم ﷺ سے مخاطب ہوا: اے اللہ کے رسول ﷺ بعض لوگوں نے گھوڑوں کو بے وقعت کردیا ہے اور ہتھیار رکھ دیئے ہیں اور کہنے لگے ہیں کہ جنگ ختم ہوچکی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اپنا چہرہ مبارک اس شخص کی طرف کیا اور فرمانے لگے:

یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ابھی تو لڑائی شروع ہوئی ہے۔میری امت میں ایک ایسا گروہ ہمیشہ موجود رہے گا جو اللہ تعالی کا وعدہ یعنی قیامت قائم ہونے تک قتال کرتا رہے گا۔اللہ تعالی لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کردے گا اور انہیں ان لوگوں کے ذریعے سے رزق عطا فرمائے گا۔اور قیامت تک کے لئے گھوڑے کی پیشانی کے ساتھ خیر و برکت باندھ دی گئی ہے۔(صحیح سنن النسائی:۳۳۳۳)

سیدنا معاویہ بن قرۃ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

میری امت میں ایک ایسی جماعت ہمیشہ موجود رہے گی جو کامیاب ہونے والی ہوگی۔قیامت قائم ہونے تک کوئی فتنہ پرداز انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ (صحیح سنن ابن ماجہ:٦)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی۔کوئی مخالف اسے نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔(صحیح سنن ابن ماجہ:۷)

سیدنا عمرو بن شعیب اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں:

ایک دفعہ معاویہ رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: تمہارے علماء کدھر ہیں؟ تمہارے علماء کدھر ہیں؟ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں ایک جماعت قیامت قائم ہونے تک لوگوں پر غالب رہے گی۔انہیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی کہ کون ان کی مخالفت کرتا ہے اور کون ان کا حمایتی ہے۔(صحیح سنن ابن ماجہ:۹)

سیدنا ابوعنبہ الخولانی رضی اللہ عنہ جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تھی بیان کرتے ہیں:

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالی ہمیشہ اس دین میں ایک پودا پروان چڑھاتا رہے گا جس سے وہ اپنی اطاعت کا کام لے گا۔ (صحیح سنن ابن ماجہ:۸)

اس کے علاوہ قرآن وحدیث کے اور بھی بہت سے دلائل ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ طائفہ منصورہ کا وجود اس امت میں قیامت تک پایا جائے گا۔یہ جماعت حق پر قائم رہے گی، یہ ہمیشہ غالب رہے گی،اس کا کوئی مخالف یا فتنہ پرداز اسے نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور یہ قیامت تک موجود رہے گی۔

یہ ایک ایسی خوشخبری ہے جس نے زمین میں کمزور سمجھے جانے والے اہل ایمان کے دلوں پر بلا شبہ بڑے خوشگوار اثرات مرتب کئے ہیں۔کیونکہ اس نے ان کے دلوں میں اللہ تعالی کی طرف سے فتح ونصرت کی امید کے دیئے جلائے ہیں۔انہیں یہ یقین بھی دلایا ہے کہ باطل خواہ کتنا ہی پھیل کیوں نہ جائے بالآخر نیک انجام سچے مومنوں کے لئے ہی ہے۔اگر چہ یہ کچھ عرصہ بعد ہی کیوں نہ ظاہر ہو۔

اسی طرح اس میں زمین کے ان تمام جھوٹے طاغوتوں کے لئے جو اسلام اور اہل اسلام کے خلاف جنگ اور دشمنی کھڑی کرتے ہیں بری خبر بھی ہے کہ ان کی جنگ اور ان کی بری تدبیریں ان کے لئے سود

مند ثابت ہونے والی نہیں۔ اور یہ جنگ وجدل انہیں کے خلاف استعمال ہونے والی ہے اور انہیں کے گلے پڑنے والی ہے۔ وہ اسلام کے خلاف کتنی ہی سازشیں کیوں نہ کرلیں بالآخر فتح ونصرت اللہ تعالی کے کلمہ اور لشکر حقہ کے مقدر میں ہے اگر چہ کچھ عرصہ بعد ہی کیوں نہ ہو۔

مختلف ادوار میں ہزاروں سرکشوں اور طاغوتوں نے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف جنگ وجدل مسلط کی۔ اسلام کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے ہزاروں لشکر سامنے آئے۔ یہ سب لوگ کہاں ہیں......اللہ تعالی کے راستے سے لوگوں کو روکنے کے لئے یہ جو بے شمار مال خرچ کرتے آئے ہیں اس کا کیا نتیجہ نکلا ......اور یہ بھی دیکھو کہ اللہ تعالی کا دین کہاں جا پہنچا ہے......کاش لوگوں کو اس بات کا ادراک ہوتا۔

اسلام کے مخالف تمام لشکر ختم ہوگئے اور تباہ و برباد ہوگئے۔ یہ سب نار جہنم کا ایندھن ہیں اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ دوسری طرف اہل کفر کے نہ چاہنے کے باوجود بھی اللہ تعالی کا دین تمام ممالک اور اقوام میں پھل پھول رہا ہے اور پھیلتا ہی چلا جارہا ہے۔ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ دست قدرت نے اس دین کی حفاظت ونگہبانی کا ذمہ لیا ہوا ہے؟

اس کا جواب یقیناً ہاں میں ہے۔ کاش ان لوگوں کو اس بات کا علم ہوتا۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿يُرِيدُونَ أَن يُطْفِؤُواْ نُورَ اللّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللّهُ إِلاَّ أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ (التوبۃ:32)

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالی کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ تعالی انکاری مگر اسی بات کا کہ اپنا نور پورا کردے گو کافر ناخوش رہیں۔

دوسرے مقام پر اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُواْ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّواْ عَن سَبِيلِ اللّهِ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُواْ إِلَى جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ﴾ (الأنفال:36)

بلاشک یہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اس لئے خرچ رہے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں سو یہ لوگ تو

اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہی رہیں گے، پھر وہ مال ان کے لئے باعث حسرت ہو جائیں گے۔
پھر مغلوب ہو جائیں گے اور کافر لوگوں کو دوزخ کی طرف جمع کیا جائے گا۔

ایک شبہہ اور اس کا جواب:

یہاں یہ شبہہ پیدا ہو سکتا ہے کہ دو مختلف قسم کی احادیث کے درمیان کس طرح تطبیق دی جائے گی جن میں ایک قسم کی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قیامت قائم ہونے تک ایک ایسی جماعت باقی رہے گی جو کہ کامیاب ہونے والی ہوگی۔ جبکہ دوسری قسم کی احادیث دلالت کرتی ہیں کہ قیامت قائم ہونے کے وقت جو لوگ موجود ہونگے وہ بدترین لوگ ہونگے۔ حتی کہ زمین میں کوئی ایک بھی اللہ تعالی کا نام لیوا باقی نہیں رہے گا۔ (جیسا کہ صحیح مسلم میں مروی حدیث میں ہے: بدترین لوگوں پر قیامت قائم ہوگی، اور فرمایا: اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب کوئی ایک بھی اللہ کا نام لیوا اس زمین پر موجود ہے۔)

اس کا جواب یہ ہے کہ جب قیامت کی بڑی بڑی نشانیاں پوری ہو جائیں گی اور اس کے ظہور پذیر ہونے کا وقت بالکل قریب آ جائے گا تو اللہ تعالی ایک ایسی ہوا چلائے گا جو کہ ریشم کی طرح نرم و ملائم ہوگی اس میں کستوری کی خوشبو رچی بسی ہوگی۔ اس ہوا سے ہر اس انسان کی اجل آ جائے گی جس کے دل میں رائی کے ذرہ کے برابر بھی ایمان موجود ہوگا۔ پھر دنیا میں بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے اور انہیں پر قیامت قائم ہوگی۔ نبی کریم ﷺ نے طائفہ منصورہ والی حدیث میں ''حتى يأتي أمر الله'' یعنی اللہ تعالی کا حکم آنے تک، کے الفاظ ذکر فرمائے ہیں شاید اس سے آپ ﷺ کی یہی مراد ہے کہ اللہ تعالی کے حکم سے مراد وہ ہوا ہے جو کہ مومنوں کی روحیں قبض کرے گی۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

> نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی یمن کی طرف سے ایک ایسی ہوا چلائے گا جو کہ ریشم سے زیادہ نرم و ملائم ہوگی ہر وہ شخص جس کے دل میں رائی کے ذرہ کے برابر ایمان ہوگا اسے فوت کر دے گی۔ (مسلم)

عبدالرحمٰن بن شماسۃ المھری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ان

کے پاس عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے ۔ اچانک عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے : بدترین لوگوں پر قیامت قائم ہوگی ۔ وہ اہل جاہلیت سے بھی بدتر ہونگے ۔ وہ اللہ تعالی سے دعائیں مانگیں گے لیکن اللہ تعالی ان کی دعائیں ردفرما دے گا ۔ یہ سبھی اسی حالت میں موجود تھے کہ اچانک عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بھی اس مجلس میں تشریف لے آئے ۔ مسلمہ رضی اللہ عنہ ان سے کہنے لگے کہ سنئے عبداللہ رضی اللہ عنہ کیا فرما رہے ہیں؟ تو عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ زیادہ جانتے ہیں ۔ لیکن میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوفرماتے سنا ہے کہ: میری امت میں ایک ایسی جماعت ہمیشہ موجود رہے گی جو کہ اللہ تعالی کے حکم پر قتال کرتی رہے گی ، اپنے دشمن پر غالب رہے گی ، اس کا کوئی مخالف اسے نقصان نہیں پہنچا سکے گا ۔ قیامت آنے تک وہ اس حالت میں موجود رہیں گے ۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے : یہ درست ہے ، پھر اللہ تعالی ایک ایسی ہوا چلائے گا جس میں کستوری کی خوشبو بسی ہوگی ، وہ ریشم کی طرح نرم وملائم ہوگی ۔ ہر وہ انسان جس کے دل میں رائی کے ذرہ کے برابر ایمان ہوگا اسے یہ ہوا فوت کردے گی ۔ پھر بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے اور انہیں پر قیامت قائم ہوگی ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ''إلی یوم القیامة' ' سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ حق پر قائم رہیں گے یہاں تک کہ قیامت کے قریب بڑی بڑی نشانیوں کے ظہور کے بعد انہیں یہ نرم وملائم ہوا فوت کردے گی ۔ (مسلم)

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ قیامت کی بڑی بڑی نشانیاں قائم ہونے تک اور قیامت قائم ہونے کے قریب ترین وقت تک یہ جماعت قائم رہے گی ۔ واللہ أعلم (امام نووی شرح مسلم: ۱۳۲/۲)

طائفہ منصورہ کی صفات:

طائفہ منصورہ ہونا کسی فرد واحد یا کسی مخصوص جماعت کے ساتھ خاص نہیں ہے کہ یہ جماعتوں کے ارباب حل وعقد کی خواہشات اور عہدوں کی بندر بانٹ سے متاثر ہوجائے ، بلکہ یہ ایک ایسی اللہ والی جماعت ہے جو کہ کتاب وسنت کے دلائل سے ثابت شدہ خصوصیات کے ذریعہ پہچانی جائے گی ۔ جو بھی ان صفات کے ساتھ متصف ہوگا ، اس کا تعلق اس طائفہ منصورہ سے ہے جس کے بارے میں غلبہ اور

اللہ تعالیٰ کی نصرت کی بشارت دی گئی ہے۔اور جوان صفات سے متصف نہیں ہوگا اس کا طائفہ منصورہ سے کوئی تعلق نہیں۔اگر چہ وہ اپنی زبان سے ہزار بار اقرار کرتا رہے کہ میرا تعلق اس طائفہ منصورہ سے ہے۔

طائفہ منصورہ کے ساتھ کسی کے تعلق کے ہونے یا نہ ہونے کا اندازہ صرف نسبت کے دعوی سے نہیں لگایا جائے گا۔ بلکہ اس بات سے لگایا جائے گا کہ کون ان صفات سے متصف ہے جو حقیقت میں طائفہ منصورہ کی صفات ہیں۔

طائفہ منصورہ کی طرف فقط نسبت سے اپنے آپ کو اس کا اہل سمجھنے والا ایسا ہے جیسے کوئی کسی دوسرے کے کھانے سے اپنا پیٹ بھر رہا ہو یا کسی دوسرے کے کارنامے اپنے نام لگا رہا ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ☆ كَبُرَ مَقْتاً عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾(الصّف:3-2)

اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔تم جو کرتے نہیں اس کا کہنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔

ممکن ہے کہ کوئی شخص طائفہ منصورہ کی صفات میں سے کچھ صفات کے ساتھ متصف ہو یا کسی میں ایک صفت دوسری صفات کی نسبت زیادہ واضح ہو تو اس کے بارے میں اسی قدر کہا جائے گا کہ فلاں شخص میں طائفہ منصورہ کی بعض صفات موجود ہیں۔اس حوالے سے طائفہ منصورہ سے تعلق رکھنے والے افراد مختلف درجات کے حامل ہیں۔ جو جس قدر مکمل صفات سے متصف ہے وہ اتنا ہی اس جماعت کے قریب ہے۔اور جو جتنا مکمل صفات سے دور ہے وہ اتنا ہی اس جماعت سے دور ہے۔طائفہ منصورہ سے دوری یا نزدیکی کا ایمان کے قوی یا ضعیف ہونے کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

قرآن وسنت میں طائفہ منصورہ کی جو اہم ترین اور نمایاں صفات وارد ہوئی ہیں ان کا ہم مندرجہ ذیل نقاط میں بالاختصار تذکرہ کریں گے۔

پہلی صفت: بدعات کے بجائے اتباع سنت کا راستہ اختیار کرنا اور کتاب وسنت کے نصوص پر عمل کرنے کے لئے سلف صالحین (سلف صالحین سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے طریق اور منہج پر چلنے والے تابعین عظام ہیں جو کہ پہلے تین قرون میں گذر چکے ہیں۔ جن کے خیر ہونے کی گواہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی دی جا چکی ہے۔) کے فہم سے راہنمائی حاصل کرنا:

طائفہ منصورہ کی سب سے نمایاں صفت یہ ہے کہ وہ نبوی منہج یعنی صراط مستقیم پر گامزن ہوگی۔ نفسانی خواہشات کی اتباع اور مشرکین اور اہل بدعت کی طرف سے وضع کردہ گمراہی کے راستے اس جماعت کے لوگوں کی نگاہیں ہدایت سے نہیں پھیر سکتے۔ یہ اپنے دینی اور دنیاوی تمام معاملات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ کی اتباع کرتے ہیں۔ ان کا طریقہ ہمیشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنا اور بھلائی کے کاموں میں سلف صالحین کی اقتداء کرنا رہا ہے۔ نہ کہ بدعات اور دین میں نئے کاموں کی ترویج۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائفہ منصورہ کی جو خصوصیات ذکر کی ہیں ان میں نمایاں ترین یہ ہے کہ وہ ''حق پر رہیں گے'' اور ''اللہ تعالی کے حکم پر قائم رہنے والے ہونگے''۔ حق اور اللہ تعالی کا حکم صرف اور صرف سلف صالحین سے منقول کتاب وسنت کی فہم میں مقید ہے۔ یہی صحیح دین ہے جس کی اتباع کرنا فرض ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہے اور غیر سبیل المؤمنین کی اتباع ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ اللّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (الأنفال ۱۳)

اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے سو بے شک اللہ تعالی سخت سزا دینے والا ہے۔

یعنی اللہ تعالی اور اس کی رسول کی مخالفت کرنے والا ایک کنارے پر ہوگا اور اللہ تعالی کی شریعت دوسرے کنارے پر ہوگی۔ ایسا شخص کبھی بھی اللہ تعالی کے عذاب سے بچ نہیں سکے گا۔ اسے دنیا اور آخرت میں اللہ تعالی کا عذاب پہنچ کر رہے گا۔

اسی طرح ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيراً﴾ (النساء:۱۱۵)

جوشخص باوجود راہ ہدایت کے واضح ہوجانے کے بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خلاف اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کردیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دیں گے، وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔

اس آیت کریمہ میں بیان ہونے والی صفت ''المؤمنین'' کے سب سے زیادہ مستحق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں کیونکہ اللہ تعالی نے ان پاک باز ہستیوں کو اپنے نبی کی صحبت، اپنے دین کی نصرت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کے لئے پسند فرمالیا تھا۔ بعد میں آنے والے لوگوں تک انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے دین منتقل ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سپرد کی گئی امانت کے امین تھے۔ وہ اس امانت سے سبکدوش ہوئے، صحیح معنوں میں اللہ تعالی کے پیغام کو لوگوں تک پہنچایا اور اللہ تعالی کی راہ میں ایسا جہاد کیا جیسا جہاد کرنے کا حق تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ تشریح وتوضیح کو تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سمجھنے والے ہیں۔ کیونکہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب حاصل رہا ہے۔ اور یہ قرآن حکیم کی آیات کے اسباب نزول سے باخبر ہیں۔ اس لئے جو بھی ان کی مخالفت کرے گا اور ان کے راستے کو چھوڑ کر کسی دوسرے راستے کو اختیار کرے گا وہ اللہ تعالی کی طرف سے اس سخت وعید کا مستحق ہے کہ وہ اسے نار جہنم میں داخل کرے گا اور یہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ دونوں باتیں آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ جس نے صحیح راستہ واضح ہونے کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے مومنین کے راستے سے انحراف کیا، اور جس نے مومنین کے راستے سے انحراف کیا اس نے صحیح راستہ واضح ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ مذکورہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مومنین کا اجماع ایک طرح سے حجت ہے کیونکہ اس کی مخالفت سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت لازم آتی ہے۔ یوں تو ہر اجماع کے ثبوت کے لئے نص صریح کی

ضرورت ہے لیکن ہر وہ مسئلہ جس میں مومنین کا آپس کا اختلاف ختم ہو کر اجماع قطعی حاصل ہو جائے وہ بھی قابل حجت ہے۔ کیونکہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کی نشاندہی موجود ہے۔ اس قسم کے اجماع کا مخالف بھی اسی طرح کفر کا مرتکب ہوگا جس طرح نص صریح کا مخالف کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔ (فتاوی ابن تیمیہ: ۷/ ۳۸)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هَـٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (یوسف: ۱۰۸)

آپ کہہ دیجئے میری راہ یہی ہے۔ میں اور میرے متبعین اللہ کی طرف بلا رہے ہیں، پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ۔ اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی صفت عام لوگوں کی نسبت زیادہ پائی جاتی ہے۔ اس لئے وہ تمام لوگوں کی نسبت اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي﴾ میں داخل ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے میں بصیرت، علم اور فقہ میں سب سے بڑھ کر ہیں اس قسم کی صفات کی حامل ہستیاں اس بات کی زیادہ مستحق ہیں کہ بعد میں آنے والے ان کے طریقے، منہج اور مسائل میں ان کی فہم کو اختیار کریں۔ اور متأخرین میں سے جو ان کے فہم اور ان کے طریقے سے روگردانی کرے اس کی طرف التفات نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي﴾ کے بارے میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے: اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو کہ سب سے اچھے طریقے اور ہدایت کے بہترین راستے پر گامزن تھے۔ وہ علم کے چشمے، ایمان کے خزانے اور رحمٰن کے لشکر تھے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو کوئی طریقہ اختیار کرنا چاہتا ہے اسے چاہئیے کہ وہ فوت شدگان کا طریقہ اختیار کرے۔ کیونکہ زندہ انسان کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ یہ فوت

شدگان اصحاب محمد ﷺ ہی ہو سکتے ہیں جو کہ اس امت میں سب سے بہترین لوگ تھے۔ دل کے سب سے زیادہ صاف، علم میں گہرے اور تکلفات میں پڑنے کے حوالے سے سب سے کم تھے۔ اللہ تعالی نے ان کو اپنے نبی ﷺ کی صحبت اور اپنے دین کی اقامت کے لئے چن لیا تھا۔ اس لئے تم ان کی قدر پہچانو، ان کے آثار و اقوال کی اتباع کرو اور حتی الوسع ان کے اخلاق و عادات کو لازم پکڑو۔ کیونکہ یہ سب سیدھے راستے پر تھے۔ (تفسیر البغوی: ۲/۴۵۳)

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿فَإِنْ آمَنُواْ بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَواْ وَّإِن تَوَلَّوْاْ فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ﴾ (البقرہ ۱۳۷)

اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پائیں، اور اگر منہ موڑیں تو وہ صریح اختلاف میں ہیں۔

مذکورہ آیت مبارکہ دو چیزوں پر دلالت کرتی ہے۔ پہلی یہ کہ جو ہدایت نجات اور دنیا و آخرت کی بھلائی کی ضامن ہو سکتی ہے وہ صرف اور صرف نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ و عمل میں مضمر ہے۔ (ایمان اسلام کے اوامر و نواہی کے مجموعے کا نام ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: ایمان کی ستر سے کچھ زائد شاخیں ہیں۔ سلف کے ہاں ایمان اعتقاد، قول اور عمل کا نام ہے۔ اور کم زیادہ ہوتا رہتا ہے۔)

ایمان نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ کے ساتھ مقید ہے۔ ایمان وہی ہے جیسا ان کا ایمان تھا اور حق وہی ہے جس پر وہ گامزن تھے۔ اگر کوئی ہدایت کا طلبگار ہے اور حق کے ذریعے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسا ایمان تلاش کرے جو نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان تھا۔

اس آیت کریمہ کی دوسری دلالت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کی اقتداء فرض ہے اگر ایسا نہ کیا گیا تو یہ مخالفت اور عداوت ہوگی اور دنیا اور آخرت میں عذاب کا باعث ہوگی۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یہودی اکہتر فرقوں میں بٹ گئے۔ایک جنتی ہوگا اور ستر جہنمی ہونگے۔عیسائی بہتر فرقوں میں بٹ گئے اکہتر جہنمی ہونگے اور ایک جنتی ہوگا۔اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے ایک کے علاوہ سبھی جہنمی ہونگے۔پوچھا گیا کہ وہ کون لوگ ہونگے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا:''جماعت کو لازم پکڑنے والے''۔(صحیح سنن ابن ماجہ ۳۲۲۶)

ترمذی میں سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک روایت موجود ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

بنی اسرائیل والے بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ایک کے سوا سب کے سب جہنمی ہونگے۔راوی نے پوچھا اے اللہ کے رسول وہ کون لوگ ہونگے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر چلنے والے ہونگے۔(صحیح سنن الترمذی ۲۱۲۹)

یہ حدیث مبارکہ گذشتہ حدیث مبارکہ کی وضاحت کرتی ہے۔کیونکہ پچھلی حدیث مبارکہ میں فرقہ ناجیہ کے لئے''الجماعۃ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔جبکہ اس حدیث مبارکہ میں یہ وضاحت موجود ہے کہ ''الجماعۃ''یعنی وہ جماعت جسے بکثرت ہونا چاہئیے سے مراد ایسے لوگ ہیں جو دین اور ایمان میں نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ کو اپنانے والے ہیں۔اگرچہ ان کی تعداد تھوڑی ہی کیوں نہ ہو۔کیونکہ حق کا اندازہ کمیت سے نہیں لگایا جاتا بلکہ اس کے لئے مقیاس نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کی موافقت اور مطابقت ہے۔

نعیم بن حماد کا قول ہے: اگر جماعت کی حالت بگڑ جائے تو اس طریقے کو اختیار کرو جس پر بگاڑ سے پہلے جماعت گامزن تھی۔اگر چہ تم اکیلے ہی کیوں نہ رہ جاؤ تو تم اس وقت اکیلے ہی جماعت ہوگے۔

أعلام الموقعین میں ابن القیم رحمہ اللہ کا قول ہے: اجماع، حجت اور سواد اعظم سے مراد ایسا عالم دین ہے جو حق پر قائم ہو اگرچہ وہ اکیلا ہی کیوں نہ رہ جائے اور تمام اہل زمین اس کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کی پہچان حق کی بنا پر ہوتی ہے نہ کہ اس کے اعوان وانصار کی کثرت کی

بنا پر۔احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حق جب شروع ہوا تھا تو اجنبی تھا۔اور عنقریب اسی طرح اجنبی ہو جائے گا جس طرح شروع ہوا تھا اس وقت دین پر عمل کرنا آگ کا انگارہ پکڑنے کے مترادف ہوگا۔غرباء جن کی نبی کریم ﷺ نے تعریف فرمائی ہے سے مراد وہ لوگ ہیں جو برے لوگوں کی کثرت میں تھوڑے سے اچھے لوگ ہونگے۔اوران کی بات ماننے والوں کی نسبت ان کی بات نہ ماننے والے زیادہ ہونگے۔(أحمد،السلسلة الصحیحة:١٦١٩)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

کسی نبی کی اسقدر تصدیق نہیں کی گئی جسقدر میری تصدیق کی گئی۔بعض انبیاء ایسے بھی تھے جن کی تصدیق ان کی امت میں سے صرف ایک آدمی نے ہی کی (مسلم)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: اللہ تعالی ارشاد فرمائیں گے: اے آدم! ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے آگ کے حصہ کے طور پر نکالو۔یہ سن کر مارے خوف کے بچے بوڑھوں کی طرح لگیں گے اور اگر کسی عورت کے حمل (ہوتا تو وہ) گر جاتا،لوگ مارے خوف کے وحشت زدہ نظر آئیں گے جیسے کوئی نشہ پی کر وحشت زدہ ہو جاتا ہے۔وہ نشہ میں نہیں ہونگے لیکن اللہ تعالی کا عذاب ہی اسقدر شدید ہوگا۔

اس کی تصدیق کتاب اللہ میں اللہ تعالی کے اس فرمان سے ہوتی ہے:

﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ﴾(یوسف:١٠٦)

ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہی ہیں۔

اور ارشاد ربانی ہے:

﴿وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللّهِ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ﴾(الأنعام:١١٦)

اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں۔

حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے: گذشتہ ادوار میں بھی اہل سنت کم ہی تھے اور موجودہ دور میں بھی کم ہی ہیں

۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نہ تو دنیادار لوگوں کا راستہ اپنایا اور نہ اہل بدعت کے راستہ پر چلے بلکہ اپنے رب سے ملاقات تک سنت پر ہی جمے رہے۔ لہذا تم بھی ان کی طرح ہو جاؤ۔

ان تمام اقوال و آثار سے اس اصول کی نفی ہوتی ہے جس پر جمہوریت کی بنیاد ہے اور تمام اقوام اور حکومتیں جس کے نفاذ کے لئے آواز بلند کرتی رہتی ہیں ۔ اور وہ اصول ہے ''اکثریت کی رائے کا احترام''۔ یعنی جس طرف اکثر لوگوں کی رائے ہوا سے اختیار کیا جائے اس بات سے قطع نظر کہ جس بات پر اکثر لوگ متفق ہیں وہ حق ہے یا باطل؟ اور آیا وہ کتاب وسنت کے موافق ہے یا مخالف؟

سلف صالحین کی فہم کی اقتداء کے وجوب پر بھی بہت سی احادیث دال ہیں ۔ اور یہ کہ عام لوگوں کی بجائے سلف صالحین کے راستہ وطریقہ کو اختیار کیا جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر چلنا، پھر ان کے بعد آنے والے یعنی تابعین کے طریقہ پر اور پھر ان کے بعد آنے والے یعنی تبع تابعین کے طریقہ پر چلتے رہنا ۔ پھر اس کے بعد جھوٹ عام ہو جائے گا۔ حتی کہ لوگ بغیر مطالبے کے ہی جھوٹی قسمیں اٹھاتے پھریں گے۔ اور بغیر مطالبے کے جھوٹی گواہیاں دیں گے۔ جماعت کو لازم پکڑو اور فرقہ بندی سے اپنے آپ کو بچا کر رکھو۔ کیونکہ شیطان اکیلے آدمی پر قبضہ جمالیتا ہے اور دو سے دور بھاگتا ہے ۔ جو جنت کی خوشبو پانا چاہتا ہے اسے چاہئیے کہ جماعت سے چمٹ جائے ۔ (ابن ماجہ، ترمذی، صحیح سنن الترمذی: ۱۷۵۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

تم میرے بعد شدید اختلاف دیکھو گے۔ اس وقت تم میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑ لینا، اس پر مضبوطی سے جمے رہنا، دین میں نئے پیدا ہونے والے امور سے اپنے آپ کو بچا کر رکھنا کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ (صحیح سنن ابن ماجہ: ۴۰)

اس حدیث مبارکہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب فرقہ بندی اور اختلافات بہت شدید ہونگے اور فتنوں کا ظہور ہورہا ہوگا، تو اس وقت ان سے بچاؤ اور تحفظ صرف اور صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے خلفاء راشدین کی سنت کو اختیار کرنے اور اس کے مخالف ہر طریقے کو چھوڑنے کے ذریعے ہی ممکن ہو سکے گا۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

میں تمہیں ایک روشن راستے پر چھوڑ کر جا رہا ہوں اس راستے کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے۔ میرے بعد جو اس راستے سے منہ موڑے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ تم میں سے جو زندہ رہا وہ عنقریب شدید اختلافات دیکھے گا۔ (اس وقت) میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت میں سے جس کا تمہیں پتہ چلے اس کو لازم پکڑ لینا اور اس پر مضبوطی سے جمے رہنا۔ (صحیح سنن ابن ماجہ: ۴۱)

اور فرمایا:

میرے بعد آنے والے یعنی ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہم کی اقتداء کرتے رہنا۔ (صحیح سنن ابن ماجہ: ۹۷)

اور فرمایا:

بہترین لوگ میرے زمانے کے ہونگے۔ پھر ان کے بعد آنے والے، پھر ان کے بعد آنے والے۔

اور فرمایا:

میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر عمل کر کے میری سنت کی حفاظت کرو۔ پھر تابعین اور پھر تبع تابعین کے طریقہ پر چلو۔ پھر اس کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا۔ (ابن ماجہ، السلسلۃ الصحیحۃ: ۱۱۱۶)

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت میں بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے۔ پھر اس کے بعد والا زمانہ۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم آپ ﷺ نے تیسرے کا تذکرہ بھی کیا یا نہیں کیا۔ پھر ایسی قومیں پیدا ہونگی جو بغیر مطالبے کے جھوٹی گواہیاں دیں گی۔ اور خیانت کریں گی اس لئے انہیں امین نہیں بنایا جائے گا۔ اور ان میں موٹاپا عام ہو جائے گا۔ (مسلم، صحیح سنن الترمذی:

۱۸۱۰)

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں: پھر ان کے بعد ایسی قوم آئے گی جو موٹے ہونا چاہیں گے اور موٹاپے کو پسند کریں گے۔(یعنی مختلف انواع اور ذائقوں کے کھانے کھانا پسند کریں گے جو ان میں موٹاپے کا سبب بن جائے گا۔)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور قیامت تک احسان کے ساتھ اتباع کرنے والے تابعین کے بارے میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَالسَّابِقُونَ الأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّهُ عَنْهُمْ وَرَضُواْ عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَداً ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾(التوبہ:۱۰۰)

اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ تعالی ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اور اللہ تعالی نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کرر کھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے۔

اور فرمایا:

﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاء عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاء بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَاناً سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيماً﴾(الفتح:۲۹)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں رحمدل ہیں، تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں اللہ تعالی کے فضل اور رضامندی کی

جستجو میں ہیں، ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے، ان کی یہی مثال تورات میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ہے، مثل اس کھیتی کے جس نے اپنا انکھوا نکالا پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہو گیا پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور کسانوں کو خوش کرنے لگا تا کہ اس کی وجہ سے کافروں کو چڑائے، ان ایمان والوں اور نیک اعمال کرنے والوں سے اللہ نے بخشش اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ﴿وَالَّذِينَ مَعَهُ﴾ سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُوْلَئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ﴾ (الأنفال:۷۲)

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان کو پناہ دی اور مدد کی، یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔

''هَاجَرُوا'' سے مراد مہاجر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور ''نَصَرُوا'' سے مراد انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جنہوں نے اپنی طرف ہجرت کرنے والے انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نصرت و مدد کی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَد تَّابَ الله عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالأَنصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِن بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (التوبہ:۱۱۷)

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی جنہوں نے ایسی تنگی کے وقت پیغمبر کا ساتھ دیا، اس کے بعد کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا۔ پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان سب پر بہت ہی شفیق مہربان ہے۔

اور فرمایا:

﴿لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُوْلَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ (الحدید۱۰)

تم میں نے جن لوگوں فتح سے پہلے فی سبیل اللہ دیا ہے اور قتال کیا ہے وہ (دوسروں کے) برابر نہیں، بلکہ ان سے بہت بڑے درجے کے ہیں جنہوں نے فتح کے بعد خیراتیں دیں اور جہاد کئے۔ ہاں بھلائی کا وعدہ تو اللہ تعالی کا ان سب سے ہے جو کچھ تم کررہے ہو اس سے اللہ خبردار ہے۔

اور فرمایا:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُوْلَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ☆ وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ☆ وَالَّذِينَ جَاؤُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (الحشر۸-۱۰)

(فیء کا مال) ان مہاجر مسکینوں کے لئے ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دیئے گئے ہیں وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلبگار ہیں اور اللہ تعالی کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی مدد کرتے ہیں یہی راست باز لوگ ہیں۔ اور (ان کے لئے) جنہوں نے اس گھر میں (یعنی مدینہ) اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے اور اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں ور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو

(بات یہ ہے) کہ جو بھی اپنے نفس کے بخل سے بچایا گیا وہی کامیاب (اور بامراد) ہے۔ اور (ان کے لئے) جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال، اے ہمارے رب بیشک تو شفقت و مہربانی کرنے والا ہے۔

اور فرمایا:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيباً﴾ الفتح:١٨

یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہو گیا جبکہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے دلوں میں جو تھا اسے اس نے معلوم کر لیا اور ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی۔

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حدیبیہ کے دن درخت کے نیچے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ان کی تعداد چودہ سو سے زیادہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ان میں سے کوئی بھی جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔ (مسلم)

اور فرمایا:

مجھے امید ہے -اِن شاء اللہ- بدر اور حدیبیہ میں حاضر ہونے والوں میں سے کوئی بھی آگ میں داخل نہیں ہوگا۔ (مسلم)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

کہ خالد بن ولید اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کے درمیان کسی بات پر ناراضگی تھی۔ ایک دفعہ عبدالرحمٰن بن عوف کو خالد بن ولید رضی اللہ عنہم نے برا بھلا کہا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے کسی صحابی

کو برا بھلا مت کہا کرو۔ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کردے تو ان کے خرچ کئے ہوئے ایک مد (مد: ایک مشہور پیمانہ ہے جس سے اشیاء ماپی جاتی ہیں، اگر درمیانے سائز کی ہتھیلیوں والے آدمی کی ہتھیلیوں سے اس کا اندازہ لگایا جائے تو اس کی مقدار تقریباً دو مٹھی کے برابر ہوتی ہے ۔) بلکہ نصف مد تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔ (متفق علیہ)

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جو کہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں صرف اسلام قبول کرنے کے حوالے سے متاخر ہیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے سے منع کر رہے ہیں جو کہ فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے تھے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرتے رہے اور جہاد کرتے رہے، اس حوالے سے وہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے بلند درجے کے حامل ہیں، اگر کوئی صحابی اپنے سے پہلے ایمان لانے والے صحابی کے لئے نازیبا الفاظ استعمال کرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پسند نہیں فرماتے اب اگر کوئی امتی صحابہ میں سے کسی کو گالی دے تو اس کے بارے میں آپ تصور کر سکتے ہیں کتنی وعید ہوگی۔ (جیسا کہ روافض ایسا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ویسا ہی عذاب نازل ہو جس کے وہ مستحق ہیں۔ ان کے دین کی بنیاد ہی صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بغض، انہیں گالی گلوچ دینے اور برا بھلا کہنے پر ہے۔ صحیح مسلم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے بارے میں ارشاد فرمایا: ان سے صرف مومن ہی محبت کریں گے اور صرف منافق ہی ان سے بغض رکھیں گے، جو ان سے محبت کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا اللہ تعالیٰ اس سے بغض رکھے گا۔ ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں: جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ انصار سے بغض نہیں رکھ سکتا۔

غور کیجئے! جو صرف انصار سے بغض رکھتا ہے اگر اس کا ایمان محفوظ نہیں تو تمام صحابہ بشمول انصار و مہاجرین اور تمام تابعین سے بغض رکھنے والا، انہیں گالیاں دینے والا، ان کی تکفیر کرنے والا اور انہیں پسند کرنے والوں کی تکفیر کرنے والے کا ایمان کیسے محفوظ رہ سکتا ہے۔ جیسا کہ دین اسلام کی مخالف اور منافق جماعت روافض اثنا عشریہ کا طریقہ ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اپنی ان غلط صفات کی وجہ سے یہ روافض کفر، نفاق اور نفی ایمان کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی دی اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ (السلسلۃ الصحیحۃ ۲۳۴۰))

اس لئے ہر خاص و عام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں طعن و تشنیع کرنے سے بچنا چاہیئے ڈ

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جب میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ ہو رہا ہو تو رکے رہو۔ (طبرانی، صحیح الجامع: ۵۴۵)

یعنی ان کے بارے میں برے طریقے سے جھگڑا کرنے سے رکے رہو اور ان کے بارے میں ایسی کھلی باتیں مت کرو جو ان کی فضیلت اور بلند مرتبے کے لائق نہ ہوں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے: اصحاب محمد ﷺ کو گالی مت دو۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ان میں سے کسی کی ایک گھڑی کے لئے صحبت تمہارے چالیس سال کے عمل سے بہتر ہے۔ (اسے احمد وغیرہ نے ذکر کیا ہے، شرح العقیدۃ الطحاویہ کی احادیث کی تخریج میں ناصر الدین اُلبانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ میرے (مصنف) نزدیک عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ خطاب ان کے زمانے کے ان مسلمانوں کے لئے ہے جنہیں نبی کریم ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے حرمتی کے بارے میں اگر تابعین کو اسقدر سخت الفاظ سے مخاطب کیا جا سکتا ہے تو متاخرین خاص طور پر ہمارے اس زمانے کے لوگوں کی کیا کیفیت ہوگی۔)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وہ صحابی جلیل ہیں جن کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا "تم عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علم کو لازم پکڑو"۔ اسے ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ (السلسلۃ الصحیحۃ ۱۲۳۳)) کا قول ہے: اللہ تعالی نے تمام بندوں کے دلوں کو دیکھا تو محمد ﷺ کے قلب اطہر کو تمام انسانیت کے دلوں سے بہتر پایا تو انہیں اپنے تقرب کے لئے چن لیا اور اپنے پیغام کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ پھر اللہ تعالی نے محمد ﷺ کے قلب اطہر کے بعد باقی بندوں کے دلوں کو دیکھا تو آپ ﷺ کے صحابہ کے دلوں کو باقی بندوں کے دلوں سے بہتر پایا۔ اور انہیں اپنے نبی ﷺ کا نائب بنایا۔ وہ اللہ تعالی کے دین پر قتال کرنے والے ہیں۔ جسے مسلمانوں نے اچھا سمجھا ہے وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے اور جسے مسلمانوں نے برا سمجھا ہے وہ اللہ کے ہاں بھی برا ہے۔ (ناصر الدین اُلبانی نے شرح العقیدۃ الطحاویہ کی تخریج میں اس حدیث کو "حسن"، "موقوف" کہا ہے۔ اس حدیث کو طیالسی اور احمد وغیرہ نے حسن سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ میرے (مصنف) نزدیک اس کی تصدیق انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے بھی ملتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ کا گذر ہوا۔ کسی نے اس کی تعریف کر دی تو تمام لوگ اس کی تعریف کرنے لگے۔ سب لوگ کہنے لگے کہ ہمارے علم کے مطابق یہ آدمی اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا تھا۔ تو نبی کریم

ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: واجب ہوگئی۔ اور ایک دوسرے جنازہ کا آپ ﷺ کے پاس سے گذر ہوا تو کسی نے اس کی برائی بیان کردی۔ تمام لوگ اس کی برائیاں بیان کرنے لگے، لوگ کہنے لگے کہ یہ شخص اللہ تعالی کے دین میں بدترین آدمی تھا۔ نبی کریم ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: واجب ہوگئی۔ عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے کہنے لگے: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں؛ آپ ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گذرا اور اس کی تعریف گئی تو آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا واجب ہوگئی۔ اور دوسرے جنازے کا گذر ہوا اور اس کی برائی بیان کی گئی تو اس کے لئے بھی آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہی الفاظ دہرائے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس کی تم نے تعریف بیان کی ہے اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور جس کی تم نے برائی بیان کی ہے اس کے لئے جہنم واجب ہوگئی۔ فرشتے آسمان میں اللہ تعالی کے گواہ ہیں اور تم زمین پر اللہ تعالی کے گواہ ہو۔ (متفق علیہ) استفادہ من أحکام الجنائز از شیخ ناصر الدین ألبانی)

گذشتہ عبارت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ایسا شخص غلطی پر ہے جو بعد میں آنے والے لوگوں کی فہم کو سلف کی فہم پر مقدم کرے اور یہ کہے کہ اگر چہ سلف کا عقیدہ ہر قسم کی غلطیوں سے پاک ہے لیکن بعد میں آنے والے لوگوں کا عقیدہ زیادہ درست ہے۔ اور اس کے لئے وہ اسماء وصفات کے متعلق خلف اور سلف کے باہم متضاد اور جدا جدا عقائد کی طرف اشارہ کرے۔ (کہ اس بارے سلف کی نسبت خلف کا عقیدہ زیادہ درست ہے۔) جبکہ اسماء وصفات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کا اسی طرح ایمان ہے جیسا کہ قرآن وسنت میں اس کا ذکر آیا ہے۔ تاویل، تعطیل، تشبیہ اور تمثیل میں سے کسی چیز کے وہ مرتکب نہیں ہوتے۔ دوسری طرف خلف میں سے اکثر لوگوں کو آپ دیکھیں گے کہ تاتار کی دلیلوں اور علم الکلام کے راستے کو اختیار کرنے کی وجہ سے اسماء وصفات میں تعطیل کرتے ہیں اور ان کے ظاہری مفہوم اور شریعت کے مقصد سے ہٹ کر ان کی تاویل کرتے ہیں۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ﴿اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ﴾ کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالی نے عرش پر غلبہ اور دسترس حاصل کرلی۔ کتاب وسنت سے ثابت اس صفت سے انہوں نے فرار حاصل کیا اور اس بارے میں ایسی تاویل کی جو کہ ان کی اپنی عقلوں اور نفسانی خواہشات کی پیداوار ہے۔

یہاں اس عبارت کے ذکر کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ قاری کو اس بات کا ادراک ہوجائے کہ سلف کی نسبت خلف کا عقیدہ زیادہ درست نہیں ہے۔ یہاں ہمارا مقصد خلف کے عقیدہ کی جانچ پرکھ نہیں ہے۔

اسے ہم کسی اور مقام پر کریں گے۔(دیکھیئے ہماری کتاب ''تہذیب شرح العقیدۃ الطحاویۃ''۔)

خلف کے عقیدے کو سلف کے عقیدے پر مقدم ماننے والوں کے نظریہ کو ہم یہاں مختلف طریقوں سے غلط اور جھوٹا ثابت کریں گے۔(کیوں کہ اس بات کا امکان ہے کہ متاخرین کے ہاں ان کا یہ نظریہ ان کا ایک اصولی قاعدہ بن جائے۔اور وہ اس کی بنیاد پر خلف کی فہم کو سلف کی فہم پر مقدم کرنا اور سلف کے اقوال وآثار کو رد کرنا شروع کردیں۔لہذا اس نظریہ کے بطلان سے ہر وہ نظریہ جھوٹا ہو جائے گا جس کی بنیاد اس نظریے پر ہے۔کیونکہ جس چیز کی بنیاد جھوٹ پر ہو وہ خود بھی جھوٹ ہوتی ہے۔)

پہلی وجہ: اس نظریہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کی فضیلت میں وارد ہونے والی نصوص شرعیہ کی تکذیب ہوتی ہے۔اسی طرح بعد کے زمانہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر چلنے والوں کو اہل بدعت کے مقابلہ میں جو فضیلت اور برتری حاصل ہے اس نظریہ سے اس کی بھی تردید و تکذیب ہوتی ہے۔

دوسری وجہ: اس نظریہ سے صریحاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے مقام و مرتبہ میں کمی واقع ہوتی ہے۔اور ضمناً یہ نظریہ ان کے لئے طعن و تشنیع کا باعث ہے۔جبکہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینے سے اور ان کے بارے میں ایسا جھگڑا کرنے سے منع فرمایا ہے جو ان کی فضیلت اور شان و مرتبے کے لائق نہیں ہے۔

تیسری وجہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمارے سلف صالحین ہیں۔اللہ تعالی ان سے راضی ہو گیا اور اس نے اپنی کتاب عزیز میں ان کی تعریف بیان کی ہے۔ان میں سے اکثر کو ظاہری طور پر جنت کی بشارت دی گئی ہے۔(عام لوگوں کے ہاں یہ بات مشہور ہے کہ صحابہ میں جنت کی بشارت پانے والے صرف دس لوگ ہیں۔جبکہ یہ ایک غلط خیال ہے۔کیونکہ یہ ان صحیح نصوص کے خلاف ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جنت کی بشارت پانے والے دس کے علاوہ بھی بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔دلیل کے طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی فرمان کافی ہے۔) یہ خاص اور یکتا فضیلت خلف کے پاس کہاں ہے؟

اللہ تعالی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کے دین و عقیدہ کی درستگی اور سیدھے اور درست راستے پر ان کی استقامت کی وجہ سے راضی ہوا ہے۔نہ کہ ان کی ذاتوں اور حسب و نسب کی وجہ سے۔جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (الحجرات ۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد وعورت سے پیدا کیا ہے، اور اس لئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کنبے اور قبیلے بنا دیئے ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

میرے خاندان کے یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ دوسرے لوگوں کی نسبت میرے زیادہ قریب ہیں۔ جبکہ ہرگز ایسا نہیں۔ تم میں سے میرے سب سے زیادہ قریب وہ ہیں جو متقی ہیں۔ وہ کوئی بھی ہوں اور جہاں کہیں بھی ہوں۔ (ابن ابی عاصم نے اسے السنۃ میں ذکر کیا ہے اور شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔) الحمد للہ! اللہ تعالی کے دین میں ان نصوص کا تواتر سے یہی مفہوم چلا آ رہا ہے۔

اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اللہ تعالی کی رضا مندی کا سبب وہ دین تھا جس پر وہ قائم تھے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے دین، فہم اور عقائد کی مخالفت اللہ تعالی کی ناراضگی کا باعث ہوگی نہ یہ کہ اللہ تعالی اس سے خوش ہوگا۔ عقلمند مسلمان وہی ہے جو اس کام کا خواہشمند ہوتا ہے جو اللہ تعالی کی خوشنودی کا باعث ہوتا ہے، اور ایسا کام نہیں کرنا چاہتا جو اللہ تعالی کی ناراضگی اور غصے کو دعوت دینے والا ہو۔

چوتھی وجہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلف صالحین کی اقتداء کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

میری سنت اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا۔ اسے مضبوطی سے تھامے رکھنا۔

اور فرمایا:

میں تمہیں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد تابعین کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔

اور فرمایا:

میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے طریقہ کو اختیار کر کے میری سنت کی حفاظت کرنا۔ خلف کے پاس یہ

مقام ومرتبہ کہاں؟ خاص طور پر وہ خلف جو سلف صالحین کی فہم اور انکے طریقہ کی مخالفت کرنے والے ہیں۔

پانچویں وجہ: جو لوگ نزول وحی اور اسباب نزول کے ہمعصر تھے اور سفر وحضر میں نبی کریم ﷺ کے ساتھی تھے۔ اور جنہوں نے آپ ﷺ کے پاس بیٹھ کر آپ ﷺ سے بلا واسطہ علم حاصل کیا۔ بلا شک وشبہ یہ لوگ عام لوگوں کی نسبت جنہیں یہ فضیلت وشرف حاصل نہیں ہوا شریعت کے مفہوم کی زیادہ سمجھ بوجھ رکھنے والے ہیں۔

چھٹی وجہ: جیسا کہ پہلے بہت سے دلائل کے ذریعہ یہ بات ثابت کی جا چکی ہے کہ صحابہ کرامؓ سے محبت دین وایمان کا حصہ ہے اور ان سے عداوت کفر ونفاق کا باعث ہے۔ خلف کے پاس یہ فضیلت ومقام کہاں؟ خاص طور پر وہ لوگ جو سلف کے طریقہ ومنہج کی مخالفت کرنے والے ہیں۔

ان تمام وجوہات کی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ خلف کے عقیدے کو سلف سے زیادہ درست کہنا سراسر ظلم ہے اور ان لوگوں کے حق میں زیادتی ہے جنہیں اللہ تعالی نے اپنے دین اور اپنے نبی ﷺ کی مدد ونصرت کے لئے خاص فرما لیا۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ایسا کہنا کسی مسلمان کے لئے جائز اور درست نہیں۔

اس بارے میں ہمارا جو عقیدہ ہے اور ہم اسی پر زندہ رہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ سلف صالحین کا طریقہ ہی سب سے زیادہ درست ہے کیونکہ وہ دین کو سب سے زیادہ سمجھنے والے اور اللہ تعالی سے سب سے زیادہ ڈرنے والے ہیں۔ خلف کی قدر وقیمت صرف اور صرف سلف کی اقتداء اور ان کے طریقہ اور فہم کو اختیار کرنے کی وجہ سے ہے۔ جس قدر زیادہ مضبوطی سے وہ اس راستے کو اختیار کریں گے ان کی قدر وقیمت اسی قدر زیادہ ہوگی۔ خلف میں سے اگر کوئی سلف صالحین کے عقیدہ اور ایمان پر اعتراض کرنے یا ان کا رد یا تعاقب کرنے کے ذریعے ان پر زیادتی کرے گا تو ایسا شخص ان کی قدر وقیمت میں اس قدر کمی کرنے کا مرتکب ہوگا جس قدر اس نے ان پر زیادتی کی ہوگی۔ یہ وہ نمایاں ترین عقیدہ وتصور ہے جس کے ذریعہ سے طائفہ منصورہ دوسری تمام جماعتوں اور گروہوں سے متمیز ہے۔

بغیر کسی تعصب کے کتاب وسنت کی اتباع کرنا یہ طائفہ منصورہ کی نمایاں ترین صفت ہے۔ یہ صفت دو طریقوں سے ظاہر ہوتی ہے:

پہلا یہ کہ نبی کریم ﷺ نے طائفہ منصورہ کے جو مختلف اوصاف ذکر کئے ہیں: مثلاً یہ کہ ''وہ اللہ تعالی کے حکم پر قتال کرنے والے ہونگے''، ''حق پر قائم رہیں گے''، ''دین انہیں کی وجہ سے قائم رہے گا کیونکہ وہ اس دین پر لوگوں سے قتال کرتے رہیں گے''، ''وہ حق پر قتال کرنے والے ہونگے''، ''یہ جماعت حق پر قائم رہے گی''، غرض یہ اوصاف اور اس قسم کے دوسرے اوصاف مجموعی طور پر اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ یہ جماعت درست دین پر ہوگی جسے اللہ اور اس کا رسول ﷺ پسند کرنے والے ہونگے۔ یہ وہی دین ہے جو کتاب وسنت یعنی ارشاد ربانی اور فرمان رسول ﷺ کی شکل میں آیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ کتاب وسنت کی نصوص کے متعلق سلف صالحین کی فہم کا بھی خیال رکھنے والے ہیں۔ جیسا کہ اس بارے میں پہلے بھی تذکرہ ہو چکا ہے۔

دوسرا یہ کہ کتاب وسنت کی مخالفت کبیرہ گناہ ہے، اس کا مرتکب کفر تک بھی پہنچ سکتا ہے اور ملت اسلام سے خارج بھی ہوسکتا ہے۔ (کتاب وسنت کی مخالفت: ایک مخالفت ایسی ہے جو اجتہاد کی بنا پر ہوتی ہے۔ ایسا کرنے والا اگر مجتہد ہو تو وہ اجر کا مستحق ہوگا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: اگر حاکم اجتہاد کرے اور درست فیصلہ کردے تو اس کے لئے دوہرا اجر ہے۔ اور اگر اجتہاد کرے اور غلطی کر جائے تو پھر بھی اس کے لئے بہرحال ایک اجر موجود ہے۔

ایک مخالفت ایسی ہے جو گناہ کا باعث ہوتی ہے اگرچہ یہ کفر تک نہیں پہنچاتی۔ مثلاً آدمی اپنی ذاتی کمزوری کی وجہ سے کتاب وسنت کی مخالفت کا مرتکب ہوتا ہے، وہ اسے اچھا نہیں سمجھتا اور نہ ہی حلال جانتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ شرک اکبر سے بچتا رہتا ہے اور ساتھ ہی یہ اعتراف بھی کرتا رہتا ہے کہ وہ غلطی اور کوتاہی کا مرتکب ہو رہا ہے۔

اگر وہ شرک اکبر یا علانیہ طور پر کفر کا مرتکب ہو جائے تو خواہ وہ اسے اچھا اور حلال نہ بھی سمجھتا ہو پھر بھی وہ کفر کا مرتکب ہو رہا ہے۔ کیونکہ کفر تو کفر ہی ہوتا ہے خواہ اسے دل سے حلال سمجھا جائے یا حلال نہ سمجھا جائے۔

ایک مخالف ایسی ہے جو کفر ہے اور دین سے خارج کرنے کا باعث ہے۔ وہ یہ کہ کوئی شخص جانتے بوجھتے ہوئے اور ارادۃً شریعت کی مخالفت کرے اور اسے حلال بھی سمجھتا ہو۔ اسی طرح اگر اس کی مخالفت کا نتیجہ کسی شرعی حکم کے انکار یا تکبر وعناد کی وجہ سے اس سے اعراض کی صورت میں نکلتا ہو، یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کا مذاق اور اس میں تخفیف واقع ہوتی ہو، یا اللہ تعالی کی شریعت سے ناپسندیدگی کا اظہار ہوتا ہو۔ اگر مخالفت ان تمام اسباب کے ساتھ ہو یا

ان میں سے کسی ایک سبب سے ہوتو ایسا کرنے والا صریح کفر کا مرتکب ہوگا اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا اگر چہ وہ اس سے پہلے مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ یہ مسئلہ ہم نے مکمل شرعی دلائل کے ساتھ اپنی کتاب ''قواعد التکفیر'' میں ذکر کیا ہے اگر کوئی چاہے تو اس طرف رجوع کر سکتا ہے۔) طائفہ منصورہ اس برائی سے سب سے زیادہ بچنے والی ہے۔ان کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ جانتے بوجھتے ہوئے اس برائی کا ارتکاب کریں۔ اگر وہ خدا نخواستہ اس مخالفت کا ارتکاب کر بھی لیں تو یہ مخالفت ان کا منہج نہیں بن جاتی جس کی وہ اتباع کرتے ہوں یا اس کی طرف دوسرے لوگوں کو دعوت دیتے ہوں۔ انہوں نے اپنے لئے اللہ تعالی کی مدد و نصرت کا حصول اسی طرح ممکن بنایا ہے کہ وہ اللہ تعالی کے دین پر قائم رہنے والے اور اسکی مدد کرنے والے ہیں۔ اگر وہ اللہ تعالی کے دین پر قائم رہنے اور اس کی مدد کرنے کی نفی کر دیں تو لازمی بات ہے کہ اللہ تعالی کی مدد ان سے دور ہٹ جائے گی۔ اور ان کا نام بھی پھر طائفہ منصورہ نہیں رہ سکے گا۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ﴾ (سورۃ محمد ۷)

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تم اللہ کے دین کو اختیار کر کے اور اس پر عمل کر کے اس کے دین کی مدد نہیں کرو گے تو اللہ تعالی بھی تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا ہی فرمان ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالی کے اوامر و نواہی کا خیال رکھو اللہ تعالی تمہارا خیال رکھے گا۔'' یعنی جب تم اللہ تعالی کے احکامات پر عمل کر کے اور اس کے منع کردہ امور سے رک کر اس کا خیال نہیں رکھو گے تو اللہ تعالی کو بھی تمہارا کوئی خیال نہیں رہے گا کہ وہ تم سے ان آزمائشوں، مشکلات اور مصیبتوں کو ٹال دے جنہیں تم نہیں چاہتے کہ وہ تم پر نازل ہوں۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلاً﴾ (النساء:۵۹)

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالی کی اور فرمانبرداری کرو رسول (ﷺ) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالی کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالی پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔

امام ابن القیم الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالی کے فرمان ﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ﴾ میں شرط کے بعد نکرہ استعمال کیا گیا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے دین کے وہ تمام مسائل مراد ہیں جن میں مومنین کا آپس میں اختلاف ہوسکتا ہے۔ خواہ وہ چھوٹے مسائل ہوں یا بڑے، ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔ اگر کتاب اللہ اور سنت نبی کریم ﷺ میں ان مسائل کا حل موجود نہ ہوتا تو اللہ تعالی کبھی بھی مومنوں کو ان کی طرف رجوع کرنے کا حکم نہ فرماتے۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ اللہ تعالی جھگڑے کے وقت اس چیز کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیں جس کے پاس جھگڑے کا حل موجود نہ ہو۔

تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالی کی طرف لوٹانے سے مراد اللہ تعالی کی کتاب کی طرف رجوع کرنا ہے اور نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹانے سے مراد آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ ﷺ کی ذات سے رجوع کرنا ہے اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی سنت سے رجوع کرنا ہے۔

اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی طرف فیصلہ لوٹا دینا ایمان کا لازمی جز ہے۔ اگر کوئی اس کا انکار کرے گا تو اس کے ایمان کی نفی لازم آئے گی۔ کیونکہ یہ دونوں آپس میں لازم وملزوم چیزیں ہیں اور قاعدے کے مطابق لازم کے انکار سے ملزوم کا انکار خود بخود ہوجاتا ہے۔ (أعلام الموقعین: ۱/ ۴۹-۵۰)

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّىَ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُواْ فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيماً﴾ (النساء ۶۵)

سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہوسکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلہ آپ ان میں کردیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی

تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں۔

ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں یوں رقمطراز ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس اور کریم نفس کی قسم اٹھائی ہے کہ کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک تمام امور میں وہ نبی کریم ﷺ کو حکم تسلیم نہ کرلے۔ اور پھر بغیر کسی روک ٹوک کے کھلے دل کے ساتھ اس فیصلے کو قبول کرے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/۵۵۳)

امام ابن القیم الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس مقدسہ کی قسم اٹھائی ہے اور قسم سے پہلے مخلوق کے ایمان کی قطعی طور پر اس وقت تک کے لئے نفی کی ہے جب تک وہ اس کے رسول ﷺ کو اپنے تمام معاملات خواہ وہ اصولی ہوں یا فروعی، تمام احکام شریعت، آخرت کے تمام احکام اور اپنی تمام عادات میں فیصل تسلیم نہ کرلیں۔ مزید یہ کہ صرف فیصل مان لینے سے ہی ایمان مکمل نہیں ہوجاتا بلکہ سینے کی تنگی کا دور ہونا یعنی اس فیصلے کو کھلے دل کے ساتھ قبول کرنا بھی لازمی شرط ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس فیصلے پر مکمل طور پر رضامندی کا اظہار بھی ہو اور اس کی مخالفت یا اس پر اعتراض کرنے والا نہ ہو۔ (التبیان فی أقسام القرآن: ۲۷۰)

ارشاد ربانی: ﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ کی تفسیر میں ابن کثیر رحمہ اللہ یوں رقمطراز ہیں: جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویدار ہے اور وہ محمد ﷺ کے طریقہ پر گامزن نہیں ہے مذکورہ آیت کریمہ اس کے بارے میں یہ فیصلہ کرتی ہے کہ وہ اس وقت تک اپنے اس دعوی میں جھوٹا ہے جب تک وہ تمام اقوال وافعال میں نبی کریم ﷺ کے طریقہ اور شریعت کی پیروی نہیں کرلیتا۔ (تفسیر القرآن العظیم: ۱/۳۶۶)

ارشاد ربانی ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

(النور: ۶۳)

سنو جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہیئے کہ کہیں ان پر کوئی

زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں زبردست عذاب نہ پہنچے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے: میں نے سارے قرآن میں نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا تذکرہ تینتیس مرتبہ پایا ہے۔ پھر انہوں نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی۔﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾(النور:٦٣) پھر انہوں نے دوبارہ یہی بات دہرائی اور کہنے لگے فتنہ کیا ہے؟ اس سے مراد شرک ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کے ایک بھی فرمان کی تردید دل کے ٹیڑھا ہو جانے کا باعث ہے اور دل کا ٹیڑھا ہو جانا ہلاکت کا باعث ہے۔ انہوں نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی:﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾(النساء٦٥) انہیں بتایا گیا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں اور سفیان رحمہ اللہ کی رائے کو اختیار کر لیتے ہیں۔ تو امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: مجھے ایسے لوگوں پر تعجب ہے جنہوں نے حدیث کو سن لیا اور اس کی اسناد اور صحت کو پرکھ لیا پھر بھی وہ اسے چھوڑ کر سفیان رحمہ اللہ وغیرہ کی رائے اختیار کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾(النور٦٣) پھر انہوں نے فرمایا: تمہیں معلوم ہے کہ فتنہ کیا ہے؟ اس سے مراد کفر ہے۔ ارشاد ربانی ہے:﴿وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ فتنہ قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔ تعجب ہے یہ لوگ حدیث چھوڑ دیتے ہیں اور خواہشات کے غلبہ کی وجہ سے رائے پر عمل کرتے ہیں۔ (الصارم المسلول لابن تیمیہ:٥٦)

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾(الحشر:٧)

''اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حلال وہی ہے جسے اللہ تعالی نے حلال قرار دیا ہے اور حرام وہی ہے جسے اللہ تعالی نے حرام قرار دیا ہے۔ اور دین وہی ہے جسے اللہ تعالی نے واجب قرار دیا ہے۔ مشائخ، بادشاہوں، علماء، امراء، اساتذہ اور تمام مخلوق کے لئے اس دین سے خروج کرنا درست

نہیں۔جس کسی نے بھی کسی بات کا حکم دیا وہ خواہ کوئی بھی ہو اس کے اس حکم کو کتاب وسنت پر پیش کیا جائے گا۔اگر وہ حکم کتاب وسنت کے موافق ہو تو اسے مان لیا جائے گا ورنہ رد کر دیا جائے گا۔جیسا کہ صحیحین میں حدیث موجود ہے: نبی کریم ﷺ نے فرمایا:''جس کسی نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا حکم موجود نہیں تھا وہ کام رد کر دیا جائے گا''۔(فتاوی ابن تیمیہ:۲۸/۲۴)

یعنی اس کے مطابق عمل نہیں کیا جائے گا۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ﴾(الحجرات:۲)

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے اوپر نہ کرو اور ان سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں (ایسا نہ ہو کہ) تمہارے اعمال اکارت جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

امام ابن القیم الجوزی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کے بارے میں فرماتے ہیں: اگر نبی کریم ﷺ کی فقط آواز سے اپنی آواز کو بلند کرنے سے اعمال کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے تو آپ ﷺ کے طریقہ وشریعت سے اپنی آراء، عقلوں اور سیاست وغیرہ کو مقدم کرنے کا کیا انجام ہوگا۔کیا ان چیزوں کے ذریعہ سے اعمال کا ضائع ہونا زیادہ ممکن نہیں؟(أعلام الموقعین:۱/۵۱)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک تم انہیں تھامے رکھو گے میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ایک اللہ تعالی کی کتاب اور دوسری میری سنت۔''

اور فرمایا:

''خوش ہو جاؤ کیونکہ اس قرآن کا ایک سرا اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا تمہارے ہاتھوں میں ہے۔اسے مضبوطی سے تھامے رکھو تم کبھی ہلاک نہیں ہو گے اور میرے بعد کبھی گمراہ نہیں

ہو گے۔''(طبرانی،صحیح الجامع الصغیر:۳۴)

اورفرمایا:

''قرآن قیامت کے دن سفارش کرے گا اوراس کی سفارش قبول کی جائے گی۔اسی طرح گمراہوں کے خلاف جھگڑا کرے گا اوراس کی تصدیق کی جائے گی۔جس نے اسے اپنا راہنما بنالیا یہ جنت کی طرف اس کی راہنمائی کرے گا۔اور جس نے اسے اپنی پیٹھ کے پیچھے ڈالا یہ اسے جہنم کی طرف ہانکے گا۔''(السلسلۃ الصحیحۃ:۲۰۱۹)

اورفرمایا:

''کتاب اللہ،آسمان سے زمین تک دراز کی گئی اللہ تعالی کی رسی ہے۔''(السلسلۃ الصحیحۃ:۲۰۲۴)

اورفرمایا:

''ایسا وقت آنے والا ہے کہ کوئی شخص تکیئے پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو اور اس کے سامنے میری حدیث بیان کی جائے تو وہ (حقارت سے) کہے: ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ تعالی کی کتاب موجود ہے(وہی ہمیں کافی ہے) جو چیز ہم نے اس میں حلال پائی اسے حلال کردیا اور جو چیز اس میں حرام پائی اسے حرام کردیا۔آگاہ رہو اللہ کے رسول ﷺ کی حرام کردہ اشیاء بھی اللہ تعالی کی حرام کردہ اشیاء کی مانند ہیں۔''(صحیح سنن ابن ماجہ:۱۲)

(نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان بالکل درست ہے،کیونکہ ہم موجودہ زمانے میں ایک ایسے گروہ کا مشاہدہ کررہے ہیں جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں۔یہ لوگ سنت کو رد کرتے ہیں اور صرف قرآن کو بطور حجت تسلیم کرتے ہیں۔اور یہ بات کہتے ہیں کہ ہمارے اور تمہارے لئے حجت صرف اور صرف قرآن ہی ہے،جسے قرآن نے حلال قرار دیا ہم صرف اسے ہی حلال قرار دیں گے اور جسے قرآن نے حرام قرار دیا ہم صرف اسے ہی حرام سمجھیں گے۔قرآن نے جس چیز کو ثابت کیا ہم صرف اسے ہی مانیں گے،اور جس کی قرآن نے نفی کی ہم اس کی نفی کریں گے۔ان تمام باتوں کے ذریعے وہ سنت کا رد کردیتے ہیں۔

ایک دوسرا گروہ گناہ گار اور نافرمان لوگوں کا ہے،جو کہ شریعت کی حدود وقیود کو اپنے لئے بوجھ سمجھتے ہیں۔وہ اس بات کا آوازہ بلند کرتے ہیں کہ: ہم صرف قرآن کے حرام کردہ امور کو ہی حرام تصور کریں گے،ایسا درحقیقت وہ فسق وفجور میں

اپنی رغبت کی وجہ سے کہہ رہے ہوتے ہیں۔)

اور فرمایا:

''جس نے میری اطاعت کی دراصل اس نے اللہ تعالی کی اطاعت کی۔ اور جس نے میری نافرمانی کی دراصل اس نے اللہ تعالی کی نافرمانی کی'' (متفق علیہ)

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی نصوص ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ کتاب وسنت کی اتباع کرنا اور ان سے بغیر کسی حیل و حجت یا نصوص کو باہم متعارض کرنے کی بجائے سیدھے طریقے سے کتاب وسنت سے فیصلہ کروانا واجب ہے۔ اور یہ کہ کتاب وسنت کی اتباع ایمان کے لوازمات اور ایمان کی صحت کی شروط میں سے ہے۔

مذکورہ تمام دلائل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ کتاب وسنت کی اتباع اور سلف صالحین کے منہج کے مطابق ان کی فہم یہ طائفہ منصورہ کی نمایاں ترین صفت ہے۔ اسی صفت کی بنا پر یہ جماعت دوسری تمام جماعتوں سے متمیز ہے۔ طائفہ منصورہ کی دوسری تمام صفات اسی صفت (اتباع کتاب وسنت) سے ماخوذ ہیں اور اس کے تابع ہیں اور دوسری تمام صفات میں اس صفت کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔

② دوسری صفت: جہاد فی سبیل اللہ:

یہ طائفہ منصورہ کی دوسری صفت ہے۔ اس صفت کی پہچان طائفہ منصورہ کے ساتھ ہے اور طائفہ منصورہ کی پہچان اس صفت کے ساتھ ہے۔ یہ دونوں آپس میں اس طرح لازم وملزوم ہیں جس طرح سایہ اور درخت ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں۔ کسی حال میں بھی انہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ اگر ناموافق حالات کی وجہ سے طائفہ منصورہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے درمیان جدائی ڈال دی جائے تو اس دوران طائفہ منصورہ کی تمام تر سرگرمیاں اور کوششیں صرف اور صرف ان ناموافق حالات اور مشکلات کو دور کرنے کے لئے صرف ہوتی ہیں جو ان کے اور جہاد فی سبیل اللہ کے درمیان حائل ہوتی ہیں۔ تاکہ وہ اللہ تعالی کے راستے میں جہاد وقتال کا نئے سرے سے آغاز کرسکیں۔

اس جماعت کی پہچان یہ ہے کہ وہ جہاد کے راستے اور میدان ڈھونڈھتے رہتے ہیں۔ اگر ایک راستہ بند

کر دیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں فریضہء جہاد کے احیاء کے لئے نیا راستہ کھول لیتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے طائفہ منصورہ کی جو صفات بیان فرمائی ہیں ان میں جہاد فی سبیل اللہ کی صفت بڑے واضح اور ظاہر انداز میں موجود ہے۔آپ ﷺ کا فرمان ہے:

''میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ کامیاب رہے گی ، قیامت قائم ہونے تک انہیں کوئی فتنہ پرداز نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''

اور فرمایا: ''یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا۔قیامت قائم ہونے تک مسلمانوں کی ایک جماعت اس دین کی سر بلندی کے لئے قتال کرتی رہے گی ۔''اور فرمایا: ''میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت موجود رہے گی جو حق پر قتال کرتی رہے گی۔''اور فرمایا: ''میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ قائم رہے گی، قیامت قائم ہونے تک انہیں کوئی فتنہ پرداز نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''اس کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

(ان تمام احادیث کی تخریج پیچھے گذر چکی ہے۔)

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں طائفہ منصورہ کی یہ صفت بدرجہ اتم موجود ہے:

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُواْ مَن یَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِینِهِ فَسَوْفَ یَأْتِی اللّهُ بِقَوْمٍ یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِینَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِینَ یُجَاهِدُونَ فِی سَبِیلِ اللّهِ وَلاَ یَخَافُونَ لَوْمَةَ لآئِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللّهِ یُؤْتِیهِ مَن یَشَاءُ وَاللّهُ وَاسِعٌ عَلِیمٌ﴾ **(المائدہ:۵۴)**

اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہوگی وہ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت اور تیز ہوں گے کفار پر، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ بھی نہ کریں گے ، یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فضل جسے چاہے دے ، اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور زبردست علم والا ہے۔

یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے ہونگے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت گر کی

ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ابھی بیان کی گئی احادیث میں طائفہ منصورہ کی جو صفت بیان کی گئی ہے یہ اس کا ظاہری ثبوت ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ﴾ آل عمران:۱۴۶

بہت سے نبیوں کے ہم رکاب ہوکر، بہت سے اللہ والے جہاد کر چکے ہیں، انہیں بھی اللہ کی راہ میں تکلیفیں پہنچیں لیکن نہ تو انہوں نے ہمت ہاری نہ سست رہے اور نہ دبے، اور اللہ تعالی صبر کرنے والوں کو(ہی) چاہتا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں "رِبِّيُّونَ" سے مراد طائفہ منصورہ کے لوگ ہیں جو کمزوری و نامردی کو جانتے تک نہیں۔یہ اس امت کے بہترین لوگ ہیں جو کہ باعمل علماء اور مجاہدین سے تعلق رکھنے والے ہیں۔

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿فَمَا وَهَنُوا﴾ یعنی انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی۔ ﴿لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا﴾ میدان جنگ میں زخم کھا کر اور ساتھیوں کو قتل ہوتے ہوئے دیکھ کر انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی۔ ﴿وَمَا اسْتَكَانُوا﴾ مقاتل رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس سے مراد ہے کہ انہوں نے دشمن کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے اور نہ ہی اس کے سامنے جھکے ہیں۔سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ دشمن کے سامنے ذلیل نہیں ہوئے۔عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں: انہوں نے لوگوں کے سامنے عاجزی نہیں کی۔(یعنی لوگوں کے سامنے اپنی بدحالی کا شکوہ نہیں کرتے اور نہ ہی لوگوں سے مدد کے طلبگار ہوتے ہیں۔اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ ہمیشہ ظالموں اور غاصبوں کی طرف سے ظلم اور زیادتی پر شکوہ و شکایت کرتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ اکثر سننے میں آتا ہے۔یہ لوگ طائفہ منصورہ کی صفات و عادات سے بہت دور ہیں۔) ابو العالیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: انہوں نے بزدلی کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ اپنے رب کے حکم، اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اپنے دشمن کے خلاف جہاد پر ڈٹے رہے۔ ﴿وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ﴾ (تفسیر ابن کثیر:۱/۳۶۰)

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (آل عمران:۱۰۴)

تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو بھلائی کی طرف لائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے، اور یہی لوگ فلاح و نجات پانے والے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں امت سے مراد اس امت کا وہ خاص گروہ ہے جو کہ امت کے بہترین لوگوں پر مشتمل ہے۔یہی طائفہ منصورہ ہے۔ یہ بڑے بڑے امور سرانجام دیتے رہتے ہیں۔خاص طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بڑی دلجمعی سے پورا کرتے ہیں۔ان کی صفات میں نہی عن المنکر کی صفت کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ لوگ بڑی شان و شوکت اور طاقت و قوت کے مالک ہونگے۔ اگرچہ ظالم حکمران سرکاری طور پر اس بات کا اعتراف نہ بھی کریں لیکن ان کے پاس برائی سے روکنے کی طاقت اور اختیار موجود ہوگا۔جس کی بدولت یہ برائی کو بزور ختم کرسکیں گے۔کیونکہ نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینے کے لئے طاقت و اختیار کا ہونا ضروری ہے۔بغیر طاقت کے برائی پر قابو پانا مشکل ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں امر بالمعروف یا بھلائی کی دعوت دینے کے لئے اسقدر طاقت و قوت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

سید قطب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: زمین میں ایک ایسی بااختیار قوت کا قیام اشد ضروری ہے جو بھلائی کی دعوت دے، نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے۔ بااختیار قوت کے لازمی قیام کا ثبوت اسی قرآنی نص سے ملتا ہے۔کیونکہ اس میں تین چیزیں بیان کی گئی ہیں، بھلائی کی دعوت دینا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔دعوت کا کام بغیر قوت کے ممکن ہے لیکن امر اور نہی کا فریضہ کوئی بااختیار قوت ہی سرانجام دے سکتی ہے۔(فی ظلال القرآن:۱/۴۴۴)

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ طاقت و قوت اور اختیار بھی طائفہ منصورہ کے لازمی خصائص میں سے ہے۔

صفت جہاد فی سبیل اللہ سے منقسم ہونے والی فروعی صفات:

صفت جہاد فی سبیل اللہ کہ جس سے طائفہ منصورہ متصف ہے سے بہت سی فروعی صفات منقسم ہوتی ہیں جن کا ہم مندرجہ ذیل نقاط میں مختصراً تذکرہ کریں گے۔

① صفت جہاد سے متصف طائفہ منصورہ کا وجود قیامت قائم ہونے تک ہر زمانے میں برقرار رہے گا۔کوئی دور اس جماعت کے وجود کے اثر سے خالی نہیں ہوگا۔اس بات کا ثبوت نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے ملتا ہے۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کی ایک جماعت اللہ تعالی کا حکم آنے تک ہمیشہ حق پر غالب رہے گی ۔ایک دوسری روایت میں ہے: میری امت کا ایک گروہ قیامت قائم ہونے تک ہمیشہ حق پر غالب رہے گا۔ایک دوسری روایت میں ''قیامت کے دن تک کے الفاظ ہیں''۔ ایک دوسری روایت میں ہے: یہاں تک کہ ان کا آخری گروہ دجال کے خلاف قتال کرے گا۔

اسی طرح فرمان نبوی ﷺ ہے:

> اللہ تعالی اس دین میں ہمیشہ ایک پودا پروان چڑھاتا رہے گا جسے اپنی اطاعت کے کاموں میں مشغول رکھے گا۔(صحیح سنن ابن ماجہ:۸)

ان احادیث میں استعمال ہونے والے تمام صیغے استمرار اور ہمیشہ باقی رہنے کی خبر دیتے ہیں۔

یہ تمام احادیث بلا شک وشبہ اس بات کا اطمینان بخشتی ہیں کہ اس امت میں خیر کا وجود ہمیشہ باقی رہے گا۔اور اللہ تعالی کی فتح ونصرت آکر رہے گی اگرچہ کچھ عرصہ بعد ہی کیوں نہ ہو۔صبح کتنی دور ہی کیوں نہ ہو رات کا اندھیرا ضرور چھٹ کر رہے گا۔

علاوہ ازیں یہ احادیث اس بات کی بھی دلیل ہیں کہ طاغوت کے علمبردار اور ظالم قوتیں مسلم اقوام کو بگاڑنے اور انہیں ان کے دین سے برگشتہ کرنے کے لئے جسقدر چاہیں کوششیں کرلیں ان کی کوششیں رائیگاں جائیں گی۔کیونکہ اللہ تعالی نے اس بات کی ذمہ داری لی ہے کہ وہ ان اقوام میں سے کچھ لوگوں کو تیار کرتا رہے گا جو کہ اس کی توحید کے علمبردار ہونگے۔اللہ تعالی ان سے اپنے دین کی حفاظت کا کام لیتا رہے گا۔

اللہ تعالی نے اپنے دین کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر:۹)

ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

یہ بھی دین کی حفاظت کی ایک شکل ہے کہ اللہ تعالی مجاہدین کی ایک جماعت ہمیشہ تیار رکھے گا جن سے اپنے دین کی حفاظت کا کام لے گا۔

جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے مروی صحیح حدیث سے ثابت ہے:

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی اس امت میں ہر سو سال بعد ایک ایسا فرد پیدا کرے گا جو دین کی تجدید کا فریضہ سرانجام دے گا۔ (صحیح سنن ابوداؤد:۳۶۰۶)

اللہ تعالی ہر دور میں اس امت کے اندر ایک ایسا لشکر قائم رکھے گا جو اس دین کی حفاظت اور تجدید کا کام کرتا رہے گا۔

تجدید کا مفہوم یہ ہے کہ وہ تمام بدعات وخرافات اور بیرونی عقائد ونظریات جو اس دین میں شامل کردیئے گئے ہیں، اور اس دین کی شان وعظمت کے لائق نہیں ہیں، ان کو اس دین سے الگ کیا جائے گا۔ تاکہ یہ دین کسی تحریف سے اس طرح صاف رہے جیسے اللہ تعالی نے اسے محمد ﷺ پر نازل فرمایا تھا۔

یہ تمام باتیں ہر بندۂ مومن کو برانگیختہ کرتی ہیں کہ وہ اپنی تنہائی کی عادت کو ختم کرکے ایسے بھائیوں کو تلاش کرے جو ان صفات کے حامل ہیں اور اللہ تعالی نے مشرکین کے نہ چاہنے کے باوجود انہیں اپنے دشمنوں پر غلبہ عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ہر بندۂ مومن کو چاہیئے کہ اپنے قول وعمل کے ساتھ اس جماعت کو مضبوط کرے، اس جماعت کا فرد بن جائے اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کرے۔

(۲) جہاد قیامت قائم ہونے تک جاری وساری رہے گا اس کی سرپرستی کرنے والے خواہ نیک لوگ ہوں یا برے لوگ ہوں۔ اسے کسی ظالم کا ظلم اور کسی فتنہ پرداز کی فتنہ پردازی روک نہیں سکے گی۔ اس بات سے قطع نظر کہ مسلمانوں کی قیادت کرنے والا کوئی نیک حکمران موجود ہو یا نہ ہو۔ جیسا کہ موجودہ زمانے میں کیفیت ہے۔ کوئی اس سے خوش ہو یا کسی کو اس سے تکلیف ہوتی ہو۔

یہ کسی کی ذاتی رائے یا نفسانی خواہشات پر مبنی بات نہیں بلکہ شریعت کے دلائل اور مفاہیم سے ثابت شدہ بات ہے۔

شریعت کے ایسے صریح دلائل کہ جن میں کسی ہیر پھیر اور تاویل کی گنجائش نہیں سے یہ بات ثابت ہے کہ جہاد قیامت قائم ہونے تک ہر دور میں جاری رہے گا۔ اگر چہ اسے کرنے والا اکیلا شخص ہی کیوں نہ رہ جائے۔ اور جہاد فی سبیل اللہ کا دروازہ ہر شخص کے لئے کھلا ہے جس کے پاس اس فریضے کو ادا کرنے کی طاقت وقوت موجود ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاللّٰهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنْكِيْلًا﴾ (النساء:۸۴)

تو اللہ تعالی کی راہ میں جہاد کرتا رہ، تجھے صرف تیری ذات کی نسبت حکم دیا جاتا ہے، ہاں ایمان والوں کو رغبت دلاتا رہ، بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالی کافروں کی جنگ کو روک دے اور اللہ تعالی سخت قوت والا ہے اور سزا دینے میں بھی سخت ہے۔

یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ جہاد جاری رہے گا اگر چہ اسے جاری رکھنے والا فرد واحد ہی کیوں نہ ہو۔

امام قرطبی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں: زجاج کا قول ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے رسول ﷺ کو جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اگر چہ قتال کرنے والے وہ اکیلے ہی کیوں نہ رہ جائیں کیونکہ اللہ تعالی نے نبی ﷺ کو فتح ومدد کی ضمانت دی ہے۔ ابن عطیہ رحمہ اللہ کا قول ہے: آیت کے صرف ظاہری الفاظ ہی اس مفہوم پر دلالت کرتے ہیں ورنہ کہیں بھی اس بات کی خبر موجود نہیں ہے کہ کسی مخصوص مدت کے لئے باقی امت کو چھوڑ کر صرف آپ ﷺ پر جہاد فرض کیا گیا تھا۔ چنانچہ اس آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ ان الفاظ میں خاص طور آپ ﷺ کو مخاطب کر کے ساری امت کو حکم دیا گیا ہے ﴿فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ﴾ اس لئے ہر مومن کے لئے جہاد کرنا ضروری ہے خواہ وہ اکیلا ہی کیوں نہ

کرے۔ارشاد نبوی ﷺ ہے: **اللہ کی قسم! میں ضرور ان سے قتال کروں گا۔ابو بکر صدیق** رضی اللہ عنہ **نے فتنہء ارتداد کے موقعہ** پر ارشاد فرمایا تھا: **اگر میرا داہنا ہاتھ بھی میری مخالفت کرے گا تو میں اس کے خلاف** بائیں ہاتھ سے قتال کروں گا۔(تفسیر قرطبی:۲۹۳/۵)

ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّ اللّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْداً عَلَيْهِ حَقّاً فِي التَّوْرَاةِ وَالإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللّهِ فَاسْتَبْشِرُواْ بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (التوبہ: ۱۱۱)

بلاشبہ اللہ تعالی نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں،اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے،تو تم اپنی اس بیع پر جس کا تم نے معاملہ ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ،اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

یہ خرید وفروخت بندۂ مومن کی تمام زندگی پر محیط ہے۔اسے کسی مخصوص زمانے میں مقید نہیں کیا جاسکتا۔ جو لوگ فریضہء جہاد کے احیاء کے لئے خلیفۃ المسلمین کی موجودگی کی شرط لگاتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ خلیفۃ المسلمین کی غیر موجودگی کے عرصہ میں اس معاہدے کی منسوخی کا ثبوت پیش کریں۔ یہ عرصہ کئی سالوں پر محیط بھی ہوسکتا ہے اور اس دوران کئی نسلیں گذر جاتی ہیں جیسا کہ موجودہ زمانے کی صورتحال ہے۔

جو نسلیں اس فریضہ سے محروم کردی گئی ہیں ان کو کس حجت اور دلیل کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ تم خلیفہ کی غیر موجودگی کے عرصہ میں جہاد کرنے کے معاہدے سے مستثنی ہو۔خواہ خلیفہ ایک صدی یا اس سے بھی زائد عرصہ تک نہ پایا جائے تو اس اصول کی رو سے اسلام کا ایک ایسا فریضہ جو طائفہ منصورہ کی خاص صفت

ہے معطل رہے گا۔

سیدنا سلمہ بن نفیل الکندی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا اچانک ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوا:

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بعض لوگوں نے گھوڑوں کو بے وقعت کردیا ہے اور ہتھیار رکھ دیئے ہیں اور کہنے لگے ہیں کہ جنگ ختم ہوچکی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرہ مبارک اس شخص کی طرف کیا اور فرمانے لگے: یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ ابھی تو لڑائی شروع ہوئی ہے۔ میری امت میں ایک ایسا گروہ ہمیشہ موجود رہے گا جو اللہ تعالی کا وعدہ یعنی قیامت قائم ہونے تک قتال کرتا رہے گا۔ اللہ تعالی لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کردے گا اور انہیں ان لوگوں کے ذریعے سے رزق عطا فرمائے گا۔ اور قیامت تک کے لئے گھوڑے کی پیشانی کے ساتھ خیر و برکت باندھ دی گئی ہے۔ (صحیح سنن النسائی: ۳۳۳۳)

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

میری امت کی ایک جماعت قیامت تک حق پر قتال کرتی رہے گی اور غالب رہے گی۔ (مسلم)

اس حدیث مبارکہ میں لفظ طائفہ استعمال ہوا ہے اور طائفہ کا اطلاق کبھی ایک فرد پر بھی ہوتا ہے اور زیادہ افراد پر بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿إِن نَّعْفُ عَن طَآئِفَةٍ مِّنكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُواْ مُجْرِمِينَ﴾ (التوبہ: ٦٦)

اگر ہم تم میں سے کچھ لوگوں سے درگذر بھی کرلیں تو کچھ لوگوں کو ان کے جرم کی سنگین سزا بھی دیں گے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں: اس آیت مبارکہ میں فرد واحد کے لئے طائفہ کا لفظ استعمال ہوا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جہاد فرد واحد کے ساتھ بھی جاری رہے گا اور اس اکیلے پر ہی طائفہ کا اطلاق ہوگا۔ اگر یہ معاملہ اس قدر حساس ہے تو جہاد جاری رکھنے کے لئے خلیفہ کی شرط کہاں سے آگئی؟

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا۔اس دین پر قیامت قائم ہونے تک مسلمانوں کی ایک جماعت قتال کرتی رہے گی۔(مسلم)

اس حدیث مبارکہ میں جماعت کے لئے''عصابہ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔اور''عصابہ'' کا اطلاق تین یا اس سے زائد افراد پر ہوتا ہے۔ جب دین کے دفاع کے لئے جہاد صرف تین افراد کے ساتھ جاری رہ سکتا ہے اور بعض احادیث کے مطابق ایک فرد بھی اسے جاری رکھ سکتا ہے تو اسے جاری رکھنے کے لئے خلیفہ کی شرط کہاں سے آ گئی؟

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

گھوڑے کی پیشانی کے ساتھ قیامت تک کے لئے خیر و برکت یعنی اجر وثواب اور مال غنیمت باندھ دیئے گئے ہیں۔(مسلم)

خلیفہ خواہ موجود ہو یا نہ ہو یہ خیر موجود رہے گی، اسے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

جب تک جہاد موجود ہے ہجرت ختم نہیں ہوگی۔

(اسے احمد وغیرہ نے روایت کیا، السلسلۃ الصحیحۃ ۱۶۷۴۔اس حدیث کا ظاہری مطلب یہ بنتا ہے کہ جب جہاد بند ہو جائے اس وقت ہجرت ختم ہو جائے گی۔جبکہ ایک دوسری حدیث میں ہے: جب تک توبہ کا دروازہ کھلا ہے ہجرت ختم نہیں ہوگی۔اس حدیث سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ جب تک توبہ کا دروازہ کھلا ہے جہاد جاری رہے گا اور احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ توبہ کا دروازہ قیامت قائم ہونے تک کھلا رہے گا۔ یعنی جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔)

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

جب تک دشمن سے جہاد ہوتا رہے گا ہجرت ختم نہیں ہوگی۔(أحمد، أبوداود، صحیح الجامع: ۷۴۶۹)

اس کے مقابلے میں بھی نبی کریم ﷺ سے صحیح حدیث مروی ہے:

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تک توبہ کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا جہاد ختم نہیں ہوگا۔ اور توبہ کا سلسلہ اس وقت تک ختم نہیں ہوگا جب تک سورج مغرب سے طلوع نہیں ہوجاتا۔

ان احادیث مبارکہ سے اس بات کی تاکید ہوتی ہے کہ جب تک توبہ کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا جہاد ختم نہیں ہوگا۔ اور توبہ کا سلسلہ اس وقت تک ختم نہیں ہوگا جب تک سورج مغرب سے طلوع نہیں ہوجاتا۔ وہ ایسا دن ہوگا جس کے بارے میں قرآن حکیم میں کہا گیا ہے:

﴿لَا يَنفَعُ نَفْساً إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِن قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْراً﴾

(الأنعام:۱۵۸)

کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کام نہ آئے گا جو پہلے سے ایمان نہیں رکھتا۔ یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو۔

چونکہ صحیح دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ جب تک جہاد باقی ہے ہجرت بھی باقی رہے گی، اگر یہ بات فرض کرلی جائے کہ خلیفہ کی غیر موجودگی کے عرصہ میں جہاد منقطع رہے گا تو اس سے ہجرت کا انقطاع بھی لازم آئے گا اور اس کے نتیجہ میں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ توبہ بھی ختم ہوچکی ہے۔ ایسی بات کہنا کسی صورت میں درست نہیں کیونکہ یہ صحیح دلائل اور اجماع امت کے بالکل خلاف ہے۔

قرآن وسنت کے مفہوم سے جو بات ثابت ہوتی ہے اس میں حدیث یہ بات ثابت کرتی ہے کہ مجاہدین جو کہ طائفہ منصورہ کے حقیقی نمائندے ہیں کا وجود قیامت تک باقی رہے گا۔ اگر مجاہدین کا وجود باقی رہے گا تو لازمی بات ہے کہ جہاد بھی باقی رہے گا کیونکہ جہاد ہی سے تو مجاہدین کی پہچان ہے۔ جہاد کا سلسلہ کسی دور میں بھی منقطع نہیں ہوگا۔ اگر کسی طور جہاد میں انقطاع پیدا ہوگیا تو مجاہدین جہاد کی تیاری میں مشغول رہیں گے کیونکہ جہادی تربیت جہاد کا حصہ ہے اور جہاد تیاری کے بغیر ممکن نہیں اس لئے جہاد کی تربیت حاصل کرنا بھی جہاد کی طرح واجب ہے۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ: جو چیز واجب کی ادائیگی کے لئے ضروری ہو اس کا اختیار کرنا بھی واجب ہے۔

مسلمان یا اللہ تعالی کی راہ میں جہاد میں مشغول رہتا ہے۔ یا پھر ناموافق حالات میں جہاد کی تیاری میں

مشغول رہتا ہے اس کے پاس تیسرا کوئی اختیار نہیں۔

حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ مسلمانوں کا حکمران اگر کفر صریح کا مرتکب ہو جائے تو امت پر لازم ہو جاتا ہے کہ اس کے خلاف قتال کرے اور اسے معزول کر کے اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو خلیفہ متعین کرے۔ عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> الا یہ کہ تم ان میں کفر صریح کا ارتکاب دیکھو۔ یہ حکمران اللہ تعالی کی طرف سے تمہارے لئے حجت ہیں۔ (متفق علیہ)

یعنی تم اپنے حکمرانوں کے خلاف آواز مت اٹھاؤ۔ صرف اسی صورت میں کہ وہ کفر صریح کے مرتکب ہو جائیں۔ پھر ان سے کسی صورت بھی اغماض برتنا درست نہیں۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں جو کہ صحیح مسلم میں موجود ہے:

> صحابہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا ہم اس وقت ان کی مخالفت نہ شروع کر دیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں دو مرتبہ ارشاد فرمایا: نہیں، جب تک وہ تمہارے درمیان نماز قائم رکھیں۔

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مسلمانوں یا امت مسلمہ پر کسی صورت بھی کافر کی حکمرانی جائز قرار نہیں دی جا سکتی خواہ اس کے لئے کتنی ہی قربانیاں کیوں نہ دینی پڑیں۔ ارشاد باری تعالی ہے:

> ﴿ وَلَن يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلاً ﴾ (النساء:۱۴۱)
>
> اور اللہ تعالی کافروں کو ایمان والوں پر ہرگز راہ نہ دے گا۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ کسی کافر کو مسلمانوں کی حکمرانی نہیں سونپی جا سکتی۔ اگر مسلمانوں کا حکمران کفر صریح کا ارتکاب کرے تو اسے معزول کر دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر وہ نماز قائم کرنا اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دینا ترک کر دے تو پھر بھی اسے معزول کر دیا جائے گا۔ (شرح صحیح مسلم للنووی:۱۲/ ۲۲۹)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر جہاد واقعی خلیفۃ المسلمین کے وجود کے ساتھ مشروط ہے جیسا کہ بعض

لوگوں کا خیال ہے، تو اگر خلیفۃ المسلمین کفر صریح کا ارتکاب کر لے تو پھر اسے معزول کرنے کے لئے اس کے خلاف کیسے جہاد کیا جائے گا؟ کافر خلیفہ کو معزول کرنے کے لئے اس کے خلاف جہاد کے لئے کون کھڑا ہوگا؟ کیا خلیفہ ایسا کرے گا؟ خلیفہ تو خود کافر ہو چکا ہے.... یا امت خلیفہ کی غیر موجودگی کے باوجود جہاد کرے گی؟ ضروری ہے کہ دوسرے راستے کو اختیار کیا جائے کیونکہ یہی درست ہے اور اس سے کسی صورت مفر نہیں۔

گذشتہ عبارات سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جو لوگ خلیفہ کی غیر موجودگی کے عرصہ میں جہاد کو بند کر دینے کے دعویدار ہیں خواہ وہ سینکڑوں سال کا عرصہ ہی کیوں نہ ہو ایسے لوگ غلطی پر ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر خلیفہ کی غیر موجودگی کے عرصہ میں کوئی جہاد کا بند دروازہ کھولنا چاہے تو ان لوگوں کی نگاہ میں وہ شخص فتنہ پرداز، گناہ گار اور ہمیشہ کے لئے جہنمی ہے۔ (مثال کے طور پر دیکھئے محمد ابراہیم شقرہ کی کتاب ''هي السلفية نسبةً وعقيدةً ومنهجاً''۔ یہ کتاب ناصر الدین البانی اور موجودہ دور کے بہت سے دوسرے سلفی علماء کے ہاں شرف قبولیت حاصل کر چکی ہے۔ مصنف رقمطراز ہیں: خلیفہ وقت کے علاوہ نہ تو کوئی جہاد شروع کر سکتا ہے، نہ اس کا جھنڈا بلند کر سکتا ہے، نہ اس کی اجازت دے سکتا ہے اور نہ ہی اس کی طرف دعوت دے سکتا ہے۔ خواہ کوئی اس سے خوش ہو یا ناخوش، کیونکہ امت کے اتحاد کو پارہ پارہ ہونے سے بچانے کے لئے یہ بہت ضروری ہے۔
میں نے شیخ علی الحلبی سے اس کتاب کے بارے میں شیخ البانی کی رائے کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے بڑے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: شیخ البانی نے اس کتاب کی موافقت کی ہے؟!
حزب التحریر کا بھی یہی نظریہ ہے جو کہ جمہور کی رائے کے بالکل مخالف ہے۔ میں نے اپنی کتاب ''الطريق إلى استئناف حياة إسلامية'' میں ان تمام نظریات کا خوب خوب رد کیا ہے، جو چاہے اسی کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔)

یہ نظریہ ایک طرف تو نصوص شریعت اور سلف صالحین سے ثابت شدہ صحیح طریقے کے مخالف ہے اور دوسری طرف اس نظریہ کو تسلیم کرنے سے بہت سی قباحتیں بھی لازم آتی ہیں جن کا اجمالاً ہم یہاں تذکرہ کریں گے۔

① یہ نظریہ ان کے ذہن اور نفسانی خواہشات کی پیداوار ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسے دین میں ایک نئی چیز سمجھا جائے گا کیونکہ اس کی تائید میں کوئی صحیح حدیث تو دور کی بات کوئی ضعیف روایت بھی

نہیں ملتی۔ دین میں ہر نئی بات بدعت ہے، ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے کا سبب ہے۔

جن علاقوں میں جہاد شروع کیا جا چکا ہوتا ہے ان میں سے کسی علاقے میں اگر بعض مجاہدین کی غلطی کی وجہ سے تمام مجاہدین کو ناپسندیدہ نتائج کا سامنا کرنا پڑ جائے، یا کہیں مجاہدین کو زخم سہنا پڑ جائیں جو کہ ہر میدان جنگ کا حصہ ہیں تو یہ لوگ اپنے اس باطل نظریے کو سچا ثابت کرنے کے لئے اس بات کو سب سے زیادہ قوی دلیل کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

یہ لوگ اگر جہاد کی دعوت دینے والے کسی داعی کو دیکھ لیں تو اسے دعوت دینے سے روکتے ہیں اور لوگوں کو اس کی بات سننے سے منع کرتے ہیں۔ اسے فوراً یہ بات کہتے ہیں کہ کیا تم یہاں بھی وہی حالات پیدا کرنا چاہتے ہو جو فلاں علاقہ میں پیدا ہو گئے؟ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ کیا وہ تباہی کافی نہیں جو فلاں علاقہ میں تمہاری وجہ سے نازل ہوئی؟ کیا تم ان نتائج سے عبرت حاصل نہیں کرتے جو وہاں حاصل ہوئے؟ غرض ہر قسم کی باتیں کر کے وہ انہیں جہاد کے راستہ سے متنفر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ ایک باطل اور غلط دلیل ہے جس کے ساتھ حجت قائم نہیں کی جا سکتی اور نہ ہی اس کی بنا پر کوئی حکم لگایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ مجاہدین کی ذاتی غلطیوں اور جہاد کی مشروعیت کے درمیان بہت فرق ہے۔ ایسی غلطیاں جو ہماری ذاتی لغزشوں یا شریعت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہم سے سرزد ہوتی ہیں ان کے اور فریضہء جہاد جسے اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے لئے مشروع قرار دیا ہے کے درمیان بہت فرق ہے۔ مجاہدین سے جو غلطیاں سرزد ہوتی ہیں اور خاص طور اگر وہ اجتہادی غلطیاں ہوں ان کی بنا پر جہاد کو بند نہیں کیا جا سکتا۔ جہاد کے عمل کو کسی چیز کے ساتھ مشروط کر دینا یا مجاہدین کو گناہ گار یا جہنمی کہنا یہ سب غیر درست افعال ہیں۔

میدان جہاد میں تو بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی غلطیاں ہو گئیں تھیں۔ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ میدان جنگ میں کچھ ایسے لوگوں کو قتل کر دیا جو مسلمان ہو چکے تھے لیکن انہوں نے اپنے اسلام کے اظہار کے لئے درست الفاظ استعمال نہیں کئے جس سے خالد بن

ولید رضی اللہ عنہ کو غلطی لگ گئی۔ یہ ان کی ایک اجتہادی غلطی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے براءت کا اظہار کیا، لیکن جہاد کا عمل موقوف نہیں کیا اور نہ ہی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ یا ان کے جہاد سے براءت کا اظہار کیا۔ بلکہ انہیں باطل کے خلاف اللہ تعالی کی تلوار قرار دیا اور بہت سے معرکوں میں انہیں امیر بھی مقرر کیا۔

جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہر کام بغیر کسی غلطی کے ہو۔ مجاہدین بھی غلطیاں نہ کریں اور جہاد بھی بغیر قربانیاں دیئے اور بغیر خون بہائے ہو جائے۔ حقیقت میں یہ لوگ کچھ نہیں کرنا چاہتے۔ نہ جہاد کو کھڑا کرنا چاہتے ہیں اور نہ ہی امت کی نشأۃ ثانیہ کے لئے کوئی کارنامہ سرانجام دینا چاہتے ہیں۔ کیونکہ انسان غلطیوں اور خطاؤں کا پتلا ہے اس لئے بنی نوع انسان کی طرف سے ان کی اس شرط کا پورا کیا جانا محال ہے۔

اس بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل السنۃ والجماعۃ کا اصول ہے کہ ہر نیک و بد (امیر) کے ساتھ ملکر جہاد کیا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالی ایک فاسق و فاجر سے بھی اپنے دین کی تقویت کا کام لے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسی اقوام سے خدمت دین کا کام لے گا جن کا دین میں کوئی حصہ نہیں ۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے فرامین سے یہ بات ثابت ہے۔ اگر حکمران فاسق و فاجر ہوں اور فوج بھی فسق و فجور میں ڈوبی ہوئی ہو تو اس وقت دو صورتوں میں سے ایک ہی صورت ممکن ہوگی۔ پہلی صورت یہ کہ ان کے ساتھ ملکر جہاد نہ کیا جائے، اس صورت میں ان باطل قوتوں کو پاؤں جمانے کا موقع مل جائے گا جو دین و دنیا کے لحاظ سے زیادہ نقصان دہ ہیں۔ دوسری صورت یہ ہوگی کہ فاسق و فاجر حکمرانوں کے ساتھ ملکر جہاد کیا جائے، اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ زیادہ بڑے فاجروں کو سر اٹھانے کا موقع نہیں ملے گا ۔ اور اسلام کے سارے ارکان نہ سہی کم از کم چند ایک کے نفاذ کا ضرور موقع ملے گا۔ اس قسم کے حالات میں یہ دوسری صورت واجب ہوتی ہے۔ یعنی فاسق و فاجر حکمران کے ساتھ ملکر جہاد کیا جائے۔ بلکہ خلفاء راشدین کے بعد تاریخ اسلام میں اکثر غزوات اسی دوسری صورت کے مطابق واقع ہوئے ہیں۔

(فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ: ۲۸/۵۰۶)

② جہاد کے منسوخ ہونے کے دعویدار لوگوں کے نظریہ کا اس طرح بھی رد ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنھم میں سے کسی نے ، یا بعد میں کسی معتبر عالم دین نے اس بارے میں کوئی فتوی نہیں دیا۔ صرف غلام احمد قادیانی ہی ایک ایسا شخص ہے جس نے ہندوستان میں اپنے پیروکاروں کو یہ فتوی صادر کیا تھا کہ اسلام میں جہاد منسوخ ہو چکا ہے، اسے جاری رکھنا ناجائز ہے۔ یہ بات اس نے صرف اور صرف اس وقت کے انگریزی استعمار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کہی تھی۔

اسی طرح رافضی شیعہ بھی جہاد کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جہاد صرف اور صرف امام کی موجودگی میں ہی کیا جائے گا۔ اگر امام ہزاروں سال بھی غائب رہے تو پھر بھی جہاد منسوخ ہی رہے گا۔ یہ عقیدہ جب ان کے لئے بہت زیادہ الجھاؤ اور مشکلات کا باعث بنا تو بعد میں وہ ایک دوسرے نظریے پر متفق ہو گئے جس کا نام انہوں نے ''ولایت فقیہ ''رکھا۔ یہ نظریہ امام کی اہلیت اور اس کی ذمہ داریاں متعین کرنے پر مبنی تھا۔

③ جہاد کی منسوخی کے نظریہ کا فائدہ اول و آخر طاغوتی طاقتوں اور استعماری قوتوں کو ہی ہو گا۔ کیونکہ اس سے ان کا اقتدار مضبوط ہوگا اور ان کے مفادات کو تحفظ ملے گا۔ اس کے علاوہ مسلمان طاغوتی طاقتوں کے پنجہء استبداد سے چھٹکارا پانے کے لئے جہاد کے ذریعے جو تحریک چلاتے ہیں وہ سب کچھ رک جائے گا۔

④ اس نظریہ سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اور سلف صالحین کا گناہ گار ہونا لازم آئے گا۔ جنہوں نے خلیفہ کی غیر موجودگی میں جہاد کیا یا اس کی موجودگی کے عرصہ میں اس کی اجازت کے بغیر جہاد کیا۔ جیسا کہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم یا اجازت کے بغیر ہی کفار کے خلاف لڑائی کی اور ان کے قافلوں کو لوٹا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت اس وجہ سے نہیں تھی کیونکہ اس عرصہ میں قریش کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح ہو چکی تھی، اور ان کے ساتھ دس سال کے لئے جنگ بندی کا معاہدہ بھی ہو چکا تھا۔ جیسا کہ معاہدہ صلح حدیبیہ کی شقیں اس بات کی وضاحت کرتی ہیں۔ سیدنا حسین بن علی اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنھم اور ان کے ساتھی صحابہ اور تابعین کا جہاد بھی گناہ تصور

کیا جائے گا کیونکہ ان دنوں ان دونوں میں سے کوئی بھی نہ تو خلیفہ تھا اور نہ حکمران تھا۔

اموی، عباسی اور عثمانی دور کے حکمرانوں نے اپنے اقتدار خلافت سے قبل حصول اقتدار کے لئے جو قتال کیا تھا وہ بھی اس گناہ میں شامل ہوسکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود کسی معتبر عالم نے یہ نہیں کہا کہ چونکہ انہوں نے خلیفہ کی اجازت کے بغیر جہاد شروع کیا تھا اس لئے ان کا جہاد ناجائز تھا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے ساتھیوں کا جہاد جو انہوں نے تاتاریوں وغیرہ کے خلاف لڑا تھا، اور شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کا جہاد جو انہوں نے اپنے وقت کے مشرکوں اور بدعتی لوگوں کے خلاف لڑا تھا، جہاد کی منسوخی کے دعویداروں کے ہاں یہ سب مصلحین (نعوذ باللہ) بدعتی، گناہ گار اور جہنمی تصور کئے جائیں گے کیونکہ انہوں نے حکمران وقت کی اجازت کے بغیر ہی جہاد شروع کیا تھا۔

⑤ اس نظریے کی بنا پر مختلف ممالک اور شہروں مثلاً فلسطین، افغانستان اور چیچنیا وغیرہ میں جاری جہادی سرگرمیاں مشکوک ہو جائیں گی۔ اور ایسا ہونا طاغوتی طاقتوں کی طرف سے ظلم وستم کا سامنا کرنے والی ان اقوام کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہوگی۔

⑥ اس نظریے کا لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلے گا کہ خلیفہ کی غیر موجودگی کے عرصہ میں جہاد متروک ہو جائے گا۔ اس سے امت کا میلان دنیا کی طرف بڑھے گا اور اس پر کمزوری اور ذلت ورسوائی طاری ہو جائے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

> جب تم سودی کاروبار کرو گے، اور بیلوں کی دمیں پکڑ لو گے، کھیتی باڑی کے ساتھ خوش ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت ورسوائی مسلط کر دے گا۔ یہ رسوائی اس وقت تک تم سے دور نہیں کی جائے گی جب تک تم اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف واپس لوٹ نہیں آ ؤ گے۔
> (احمد، ابوداؤد، بیہقی، السلسلۃ الصحیحۃ: ۱۱)

یعنی جہاد کی طرف لوٹ نہیں آ ؤ گے۔ اس حدیث مبارکہ میں جہاد کو دین کہا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُواْ حَتَّى يَأْتِيَ اللّهُ بِأَمْرِهِ وَاللّهُ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ (التوبہ:۲۴)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے قبیلے اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ حویلیاں جنہیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ کے جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں، تو تم انتظار کرو کہ اللہ تعالی اپنا عذاب لے آئے۔ اللہ تعالی فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

③ جہاد کی تیاری کرتے رہنا اور دشمن کو ڈرانے کے لئے اس کے لئے لازمی وسائل اکٹھے کرتے رہنا یہ بھی طائفہ منصورہ کی ایک لازمی صفت ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قیامت تک کے لئے جہاد کو طائفہ منصورہ کے ساتھ لازم قرار دے دیا گیا ہے۔ اور جہاد کرنے کے لئے جہاد کی تیاری کرنا ایک لازمی امر ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلَوْ أَرَادُواْ الْخُرُوجَ لأَعَدُّواْ لَهُ عُدَّةً وَلَـكِن كَرِهَ اللّهُ انبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُواْ مَعَ الْقَاعِدِينَ﴾ (التوبہ:۴۶)

اگر ان کا ارادہ جہاد کے لئے نکلنے کا ہوتا تو وہ اس سفر کے لئے سامان کی تیاری کر رکھتے لیکن اللہ کو ان کا اٹھنا ہی پسند نہ تھا اس لئے انہیں حرکت سے ہی روک دیا اور کہہ دیا گیا کہ تم بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے ہی رہو۔

قرآن کی اس آیت کریمہ سے بات واضح ہوئی کہ اگر کوئی جہاد کرنا چاہتا ہے یا اللہ تعالی کے راستے میں نکلنا چاہتا ہے تو اس کے اس دعوی کی سچائی کا اندازہ تربیت جہاد کے حصول سے لگایا جائے گا۔ اگر وہ

جہاد کی تیاری میں مشغول ہے تو وہ واقعی جہاد کرنا چاہتا ہے۔اور اگر کوئی جہاد کی تیاری نہیں کر رہا تو خواہ وہ اپنی زبان سے ہزار بار جہاد پر نکلنے کا ارادہ کرتا رہے اسے جھوٹا تصور کیا جائے گا۔جہاد کی تیاری جہاد کرنے کے دعوی کے سچا یا جھوٹا ہونے کو ماپنے کے لئے ایک پیمانہ ہے۔

جو قوم جہاد کی تیاری نہیں کرتی یا دوسروں کو جہاد کے لئے تیار نہیں کرتی اسے عزت سے جینے کا کوئی حق نہیں۔کیونکہ جہاد کی تیاری کرنا عزت کا باعث ہے اور اس سے دشمن کے دل پر رعب پیدا ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللّهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ (الأنفال:٦٠)

تم ان کے مقابلے کے لئے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری کرو اور گھوڑوں کے تیار رکھنے کی کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو۔

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت منبر پر تشریف فرما تھے:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ﴾

آگاہ رہو! قوت سے مراد تیر اندازی ہے۔(مسلم)

(احمد،ابوداؤد،بیہقی،السلسلۃ الصحیحۃ:۱۱)

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

جس نے تیر اندازی سیکھی پھر اسے ترک کر دیا اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں یا یہ فرمایا کہ اس نے نافرمانی کی۔(مسلم)

طائفہ منصورہ کے ہر وقت جہاد کی تیاری میں مشغول رہنے اور دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے ہر وقت وسائل جمع کرتے رہنے کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے فرامین مطہرہ سے ملتی ہے: ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے ”یہ جماعت ہمیشہ اپنے مخالفین پر غالب رہے گی ان کا کوئی مخالف یا فتنہ پرداز انہیں نقصان نہیں پہنچا

سکے گا'' حدیث مبارکہ میں ذکر ہونے والی صفت صرف انہیں اہل ایمان میں پائی جاسکتی ہے جو طاقتور ہیں اور جہاد کی تیاری میں مشغول رہتے ہیں اور دوسروں سے اس بارے میں حتی الوسع سبقت لے جانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

④ خلوص نیت سے جہاد کرنا: طائفہ منصورہ صرف اور اللہ تعالی کی رضا مندی کے حصول کے لئے اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کرتی ہے۔ان کا جہاد کسی دنیاوی مقصد کے لئے نہیں ہوتا۔

وہ اس لئے جہاد کرتے ہیں تاکہ بندوں کو بندوں کی غلامی سے چھڑا کر اللہ کی غلامی میں دیں اور باطل ادیان کے ظلم وستم سے نجات دلا کر اسلام کے عدل میں پناہ دیں اور دنیا کی تنگ زندگی سے نجات دلا کر آخرت اور جنت کی وسعتیں عطا کریں۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿الَّذِيْنَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوتِ﴾ (النساء:٧٦)

جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ تو اللہ تعالی کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا، وہ اللہ تعالی کے سوا اوروں کی راہ میں لڑتے ہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ صرف وہی جہاد ہوگا جو زمین میں اللہ تعالی کے کلمہ کی سربلندی کے لئے لڑا جائے گا۔اس کے علاوہ ہر جہاد خواہ اس کا مقصد کچھ بھی ہو اور اس کا جھنڈا کوئی بھی ہو وہ طاغوت کے راستے کا جہاد ہوگا۔

سیدنا ابوموسی الأشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا: ایک آدمی شہرت کے حصول کے لئے لڑتا ہے' ایک مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے اور ایک اپنے علاقے کے لئے لڑتا ہے۔ان میں کون اللہ تعالی کے راستے میں قتال کر رہا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو اللہ تعالی کے کلمہ کی سر بلندی کے لئے لڑے وہ اللہ تعالی کے راستے میں قتال کر رہا ہے۔(متفق علیہ)

سیدنا ابوامامہ الباہلی بیان کرتے ہیں:

ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اگر کوئی آدمی صرف شہرت اور مال غنیمت کے حصول کے لئے جہاد کرے اس کا کیا اجر ہے؟ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسے کچھ بھی اجر نہیں ملے گا۔اس آدمی نے تین مرتبہ اپنا سوال دہرایا تو آپ ﷺ نے اسے یہی جواب دیا۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی صرف اسی عمل کو قبول فرماتے ہیں جو صرف اس کی رضا مندی کے حصول کے لئے کیا جائے۔(صحیح سنن النسائی:۲۹۴۳)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قیامت کے دن ایک آدمی دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے آئے اور کہے گا: اے اللہ تعالی! اس آدمی نے مجھے قتل کیا تھا۔ اللہ تعالی اس سے پوچھیں گے کہ تو نے اسے کیوں قتل کیا؟ تو وہ جواب دے گا کہ میں نے اسے تیرے نام کی بلندی کے لئے قتل کیا تھا۔اللہ تعالی فرمائیں گے: عزت اور نام کی بلندی تو میرے لئے ہی ہے۔ایک دوسرا آدمی ایک آدمی کا ہاتھ پکڑے ہوئے آئے گا اور کہے گا: اس نے مجھے قتل کر دیا تھا۔اللہ تعالی اس سے سوال کریں گے تو نے اسے کیوں قتل کیا تھا؟ تو وہ آدمی جواب دے گا میں نے اسے فلاں کی عزت اور ناموری کے لئے قتل کیا تھا۔اللہ تعالی فرمائیں گے: عزت اور ناموری فلاں کے لئے نہیں ہے۔مقتول کا گناہ قاتل کے سر تھوپ دیا جائے گا۔(صحیح سنن النسائی:۳۷۳۲)

جو بات ہم یہاں ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کے علاوہ کسی دوسرے جھنڈے کے نیچے قتال کرتے ہیں وہ خواہ وطنیت پرستی کے لئے ہو یا قومیت پرستی کے لئے ہو یا انسانیت پرستی کے لئے ،غرض موجودہ دور کا ہر وہ جھنڈا جو غیر اللہ کی عبادت کے لئے اور بندوں کو بندوں کا غلام بنانے کے لئے اٹھایا جائے یہ سب کے سب نہ صرف صریح گمراہی اور خطر عظیم ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ صرف

اس وجہ سے کہ وہ قتال کرتے ہیں انہیں طائفہ منصورہ بھی شمار نہیں کیا جائے گا، نہ ہی ان کے مقتولین کو شہداء کے درجہ پر فائز کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی انہیں جنتی کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالی کے نام کی سر بلندی کے بجائے غیروں کے نام کی سر بلندی کے لئے قتال کرتے ہیں۔

ارشادنبوی ﷺ ہے:

جس نے کسی باطل جھنڈے کے نیچے قتال کیا، قبیلہ کی ناراضگی کے ساتھ ناراض ہوتا ہے، عصبیت کی دعوت دیتا ہے اور یا اپنی قوم کی مدد کی خاطر قتال کرتا ہے اس کا قتال جاہلیت کی لڑائی میں سے ہے۔(مسلم)

طائفہ منصورہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ اس بات سے بیزاری کا اظہار کرنے والی ہوتی ہے کہ وہ جاہلیت کے باطل اور گمراہ کن جھنڈوں کے نیچے قتال کرے۔ اپنی شان ومنزلت اور مقام ومرتبہ کی وجہ سے انہیں یہی بات زیب دیتی ہے۔

⑤ ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ یان لوگوں میں یہ خوبی بھی ہوتی ہے کہ یہ اللہ تعالی کے حکم پر قائم رہنے والے، اس کی حدود کی پاسداری کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہوتے ہیں۔ یہ اللہ تعالی کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (آل عمران:١٠٤)

تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو بھلائی کی طرف لائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے، اور یہی لوگ فلاح ونجات پانے والے ہیں۔

مذکورہ آیت کریمہ میں ''امت'' سے مراد باعمل مجاہد علماء ہیں، جو کہ علم، عمل اور جہاد میں اس امت کا افضل ترین طبقہ ہیں۔ اگر طائفہ منصورہ والی احادیث سے یہ لوگ مراد نہیں ہیں تو پھر کون لوگ مراد ہونگے؟

ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے: اس سے مراد اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور رواۃ میں سے وہ لوگ بھی مراد ہیں جو علماء بھی ہیں اور مجاہدین بھی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۳۹۸)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾ (الحج: ۴۱)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں۔ تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔

مذکورہ آیت مبارکہ میں وارد ہونے والی صفت یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پوری وضاحت کے ساتھ طائفہ منصورہ والی احادیث میں موجود ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم رہے گی''۔ اس حدیث مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مراد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''یہ دین ہمیشہ ان کے ساتھ قائم رہے گا''۔ دین امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال کے ذریعہ اس طائفہ منصورہ اور اس کے مخالفین کی وضاحت فرمائی ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی حدود کی نگہداشت کرنے والا اور انہیں پامال کرنے والا ان دونوں کی مثال ایک قوم کی طرح ہے، جنہوں نے سمندر میں سفر کرنے کے لئے ایک کشتی میں قرعہ اندازی کی۔ قرعہ اندازی کے ذریعہ کچھ لوگوں کے حصہ میں کشتی کا اوپر والا حصہ آیا اور کچھ لوگوں کے حصہ

میں نیچے والا حصہ آیا۔ نیچے والے حصہ میں رہائش پذیر لوگوں کو پینے کا پانی لینے کے لئے اوپر جانا پڑتا جس سے اوپر والوں کو تکلیف ہوتی۔ اوپر والوں نے کہا کہ ہم تمہیں اوپر نہیں آنے دیں گے اس سے ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔ نیچے والوں نے سوچا کہ ہم اپنے نیچے والے حصے میں سوراخ کر لیتے ہیں جس سے ہم سمندر میں سے پانی لے لیا کریں گے اس طرح ہمارے اوپر والوں کو تکلیف نہیں ہوگی۔ ان میں سے ایک آدمی نے کلہاڑا پکڑ کر کشتی کے نیچے والے حصہ میں سوراخ کرنا شروع کر دیا۔ اوپر والے ان کے پاس آئے اور پوچھنے لگے! یہ تم کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ہمارے اوپر سے پانی لانے کی وجہ سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے جبکہ پانی کے بغیر ہمارا گذارہ نہیں، اس لئے ہم نے سوچا کہ کشتی کے نیچے سے سوراخ کر لیں۔ اب اگر اوپر والے نیچے والوں کو ایسا کرنے سے نہ روکیں تو تمام کشتی والے ہلاک ہو جائیں گے اور اگر وہ ان کا ہاتھ پکڑ لیں تو وہ خود بھی محفوظ رہیں گے اور تمام اہل کشتی بھی محفوظ رہیں گے۔ (بخاری، السلسلۃ الصحیحۃ: ٦٩)

یہی ان لوگوں کی مثال ہے جو زجر و توبیخ یا زبان کے ذریعہ اہل منکر کو منکرات سے روکتے رہتے ہیں اور برائیوں سے منع کرتے ہیں۔ وہ ایسا اس لئے کرتے ہیں تاکہ معاشرے اپنے باسیوں سمیت ظلم و ستم اور فسق و فجور کے سمندروں میں غرق نہ ہو جائیں۔ اسی وجہ سے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی حدود کی نگرانی کرنے کی صفت کے حامل ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اسلام جب شروع ہوا تو اجنبی تھا، عنقریب اسی طرح اجنبی ہو جائے گا جس طرح کہ شروع ہوا تھا۔ اس لئے غرباء کے لئے خوشخبری ہے۔ پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون لوگ ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب لوگوں کی حالت بگڑ جائے اس وقت جو لوگ اصلاح کا کام کرنے والے ہوتے ہیں۔ (السلسلۃ الصحیحۃ: ١٢٧٣)

ایک دوسری روایت میں طائفہ منصورہ کی صفت ان الفاظ میں مذکور ہے:

یہ بہت زیادہ برے لوگوں میں تھوڑے سے اچھے لوگ ہونگے ۔ان کی بات ماننے والوں کی نسبت ان کی بات ٹھکرانے والے بہت زیادہ ہونگے ۔(ابن المبارک نے کتاب الزہد میں اسے روایت کیا ہے،السلسلة الصحیحة:۱۶۱۹)

لیکن یہ تمام باتیں انہیں حق بات کہنے، نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے سے روک نہیں سکیں گی۔ اگر چہ ان کے مقابلہ میں باطل اپنی تمام تر توانائیاں ہی کیوں نہ صرف کردے۔

جب معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا تو یہ لوگ اصلاح کا کام کرنے والے ہونگے ،اس کے لئے خواہ انہیں کوئی بھی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔ اپنے مخالفین کی کثرت انہیں پریشان نہیں کرسکے گی۔ انہیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی کہ کون ان کا حمایتی ہے اور کون ان کی مخالفت کررہا ہے۔ان کا سب سے بڑا مقصد اصلاح کا کام ہوگا اور وہ یہ کہ امت کی کشتی غرق ہونے سے بچ جائے اور سلامتی کے ساتھ کامیابی کے ساحل تک پہنچ جائے۔

یہ لوگ اپنی تحریک کے کسی مرحلے میں کسی دنیاوی فائدے کے لالچ میں یا طاغوت کی نظر کرم کے حصول کے لئے عاجزی اور کمزوری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کفار کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ جیسا کہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اکثر لوگ جو دین اسلام کے داعی کہلواتے ہیں مصلحت کے نام سے ایسا کرگذرتے ہیں، یہ لوگ امت کو دشمن کے سامنے عاجزی اختیار کرنے اور کمزوری کا مظاہرہ کرنے کا درس دیتے ہیں۔ یہ بات بھی کہتے ہیں کہ یہ ان باطل قوتوں کا دور ہے اس لئے ان کے ساتھ صلح صفائی، مفاہمت اور بات چیت کا دروازہ کھلا رکھنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ یہ لوگ صرف اور صرف اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے، کفار کے خزانوں سے اپنی تجوریاں بھرنے اور دعوت الی اللہ کے راستے کی تکالیف سے فرار حاصل کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:

یہاں ایک شبہ اٹھایا جاسکتا ہے،اور وہ یہ کہ نہی عن المنکر کی تین اقسام ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

① ہاتھ سے برائی کو ختم کرنا: یہ صرف اور صرف حکمران یا خلیفہ ہی کرسکتا ہے۔

② زبان سے برائی سے روکنا: یہ فریضہ صرف علماء ہی سرانجام دے سکتے ہیں۔کوئی دوسرا اس فریضے کو نہ تو خود ادا کرسکتا ہے اور نہ ہی اس بارے میں علماء کے شریک کار ہوسکتا ہے۔

③ دل سے برائی کو برا سمجھنا: تمام لوگ خواہ وہ کمزور ہوں یا طاقتور اس فریضہ کو ادا کرسکتے ہیں۔

نہی عن المنکر کی اس تقسیم کا کئی طریقوں سے جواب دیا جاسکتا ہے:

① نہی عن المنکر کی یہ تقسیم ایک بدعت ہے، اللہ تعالی نے اس بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔اس بارے میں نہ تو کتاب وسنت کی کوئی صحیح دلیل موجود ہے اور نہ ہی سلف میں سے کسی کا کوئی معتبر قول ملتا ہے۔اس بنا پر یہ قول بالکل ناقابل قبول ہے اور اس کی کوئی حیثیت ووقعت نہیں۔کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

جس نے ہمارے اس دین میں کسی نئے کام کو رواج دیا وہ کام ناقابل قبول ہوگا۔(متفق علیہ)

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا حکم موجود نہیں تھا وہ کام ناقابل قبول ہوگا۔(متفق علیہ)

اور فرمایا:

اپنے آپ کو دین میں نئے کاموں سے بچا کر رکھو کیونکہ دین میں ہر نیا کام گمراہی ہے۔(ابن ابی عاصم نے اسے السنۃ میں ذکر کیا ہے اور شیخ البانی نے صحیح کہا ہے۔) بلاشک وشبہ نہی عن المنکر کی یہ تقسیم ایسی بدعت ہے جس سے ہم سے پہلے ہمارے سلف صالحین واقف نہیں تھے۔

② کتاب وسنت کے دلائل سے اس تقسیم کی مخالفت ثابت ہوتی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾(التوبہ:۷۱)

مومن مرد وعورت آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار ومعاون اور) دوست ہیں، وہ بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔

یہ نص عام ہے اور تمام مومنین اور مومنات کو شامل ہے۔اس نص کے مطابق مومنین میں ہر ایک کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی استطاعت وقدرت اور اپنے خاندان اور قوم میں اپنی حیثیت کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو ادا کرے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾(التغابن:١٦)

پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔

اللہ تعالی کسی نفس کو اس کی استطاعت سے بڑھ کر تکلیف میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر صاحب استطاعت مسلمان پر واجب ہے۔عام حالات میں یہ فرض کفایہ ہے لیکن جب اس فریضہ کو ادا کرنے کے لئے کوئی بھی نہ کھڑا ہو تو اس وقت یہ ہر صاحب استطاعت پر فرض عین ہو جاتا ہے۔اس فریضہ میں علت قدرت کا ہونا ہے، اس لئے یہ فریضہ ہر انسان پر اس کی قدرت کے مطابق واجب ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾التغابن:١٦(فتاوی ابن تیمیہ:٢٨/ ٦٥)

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾(آل عمران:١٠٤)

تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو بھلائی کی طرف لائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے۔

اس آیت مبارکہ کے بارے میں ابن کثیر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: اس آیت کریمہ سے مراد یہ ہے کہ اس امت میں ایک جماعت ہمیشہ اس مقصد کے لئے تیار رہنی جاہیئے ، اگر چہ یہ فریضہ امت کے ہر فرد پر حسب استطاعت فرض ہے۔جیسا کہ صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کوئی تم میں سے کوئی برائی دیکھے اسے چاہیئے کہ اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اپنی زبان سے منع کرے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو

تو اپنے دل سے برا جانے، یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔(تفسیر ابن کثیر:۱/ ۳۹۸)

نہی عن المنکر کے لئے قوت واستطاعت کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کیونکہ طاقت کی عدم موجودگی میں بندہ اس فریضہ کی ادائیگی کا اس وقت تک مکلّف نہیں رہتا جب تک کہ اس کو طاقت وقوت حاصل نہ ہو جائے۔(نہی عن المنکر کی تین شرطیں ہیں:

① آدمی کو اس برائی کا خود بھی علم ہونا چاہئیے جس سے وہ روکنا چاہتا ہو کیونکہ کسی چیز سے جہالت کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز اس کے پاس موجود ہی نہیں ہے۔ برائی کا علم رکھنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ دین کے تمام علوم سے بھی باخبر ہو۔

② آدمی کے پاس برائی سے منع کرنے کی طاقت موجود ہو۔ کیونکہ کے طاقت کے موجود نہ ہونے سے آدمی اس بات کا مکلّف نہیں رہتا۔

③ برائی سے منع کرنے سے کسی بڑی برائی کا ظہور لازم نہ آتا ہو۔ کیونکہ ایک تکلیف دہ چیز کو ہٹانے کے لئے کسی بڑی تکلیف دہ چیز یا اس جیسی تکلیف دہ چیز سے مدد لینا درست نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں ایسا کرنا بے کار ہو گا اور وقت اور طاقت وقوت کا ضیاع ہو گا۔ جبکہ اسلام ان تمام کوتاہیوں سے مبرا ہے۔)

حدیث مبارکہ سے اس بات کی وضاحت ملتی ہے کہ بعض دفعہ برائی کو روکنے کے لئے حکمران کی مدد کے بغیر ایک عام انسان بھی اپنے ہاتھ کی قوت کی استعمال کرسکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

جو اپنے مال کی خاطر قتل کردیا گیا وہ شہید ہے، جو اپنی جان کو بچانے کے لئے قتل کردیا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنے دین کو بچانے کے لئے قتل کردیا گیا وہ شہید ہے ۔(صحیح سنن الترمذی:۱۱۴۸)

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

جس سے ناحق اس کا مال چھینا گیا، اس نے اسے بچانے کے لئے قتال کیا وہ شہید ہے۔ (۷۶) ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں: اگر کسی سے ظالمانہ طریقے سے کوئی چیز چھینی جائے اور وہ اس کے تحفظ کے لئے قتل کردیا جائے تو وہ شہید ہے۔(صحیح سنن النسائی:۳۸۱۸)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے

بتلائیے کہ اگر کوئی میرے پاس آ کر میرے مال کا مطالبہ کرے؟(تو میں کیا کروں) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو اسے اپنا مال مت دے۔ وہ کہنے لگا کہ اگر وہ مجھ سے لڑائی کرے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو بھی اس سے لڑائی کر۔اس نے پوچھا کہ اگر وہ مجھے قتل کر دے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو شہید ہوگا۔ اس نے پوچھا کہ اگر میں اسے قتل کر دوں ؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ جہنمی ہے۔(مسلم)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بعض اہل علم نے آدمی کو اپنے نفس اور مال کے لئے قتال کرنے کی رخصت دی ہے۔

ابن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اپنے مال کے لئے قتال کرے گا اگر چہ مال دو درہم ہی کیوں نہ ہو۔(صحیح سنن الترمذی:۲/۶۲)

میرا نظریہ یہ ہے کہ قتال اس صورت میں ہوگا جب اس کے علاوہ بچاؤ کی کوئی اور صورت ممکن نہ ہو۔اگر قتال کے علاوہ کوئی اور سبیل موجود ہو جس کے ذریعہ وہ اپنا حق لے سکتا ہو یا اپنا مال بچا سکتا ہو اور ظالم کے ظلم کو روک سکتا ہو تو اسے حتی الامکان اسی طریقے کو استعمال کرنا چاہیئے اور قتال سے بچنا چاہیئے ، کیونکہ قتال کے عواقب و نتائج کسی حوالے سے بھی قابل تعریف نہیں ہو سکتے۔

جیسا کہ مخارق رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ایک آدمی میرے پاس آ کر مجھ سے میرا مال چھیننا چاہتا ہے تو میں کیا کروں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسے اللہ تعالی کی یاد دلاؤ۔ وہ کہنے لگا اگر اسے نصیحت نہ آئے تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے ارد گرد مسلمانوں سے مدد طلب کرو۔ وہ کہنے لگا اگر میرے ارد گرد کوئی مسلمان نہ ہو تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو حکمران سے اس کے خلاف مدد طلب کر۔ وہ کہنے لگا اگر حکمران میری مدد سے انکار کر دے تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے مال کی حفاظت کے لئے قتال کر۔ یا تو آخرت کے شہداء میں شامل ہو جائے گا یا پھر اپنا مال بچا لے گا۔(صحیح السنن النسائی:۳۸۰۳)

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حکمران کی مدد طلب ایک اختیاری امر ہے۔ اگر حکمران مدد کرنے سے انکار کر دے، یا اپنا حق خود ہی لینے پر قادر ہو تو اس کے لئے یہ بات جائز ہے کہ وہ اپنا حق لینے کے لئے قتال کر سکتا ہے۔ اور اپنا مال غاصب کے قبضہ سے خود ہی چھڑا سکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: جس کسی نے کسی دوسرے کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر جھانکا تو گھر والوں کے لئے جائز ہے کہ وہ جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑ دیں۔ یہ حکمران کی طرف لوٹائے بغیر ہی ہاتھ سے برائی ختم کرنے کی ایک قسم ہے۔

حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو دس سال کی عمر میں نماز نہ پڑھنے پر سزا دیں۔ یہ بھی ہاتھ کے ذریعہ برائی ختم کرنے کی ایک قسم ہے حکمران کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

خاوند کے لئے جائز ہے کہ وہ بدزبانی اور نافرمانی کرنے پر اپنی بیوی کو معمولی سزا دے سکتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا﴾ (النساء:۳۴)

اور جن عورتوں کی نافرمانی اور بد دماغی کا تمہیں خوف ہو انہیں نصیحت کرو اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو اور انہیں مار کی سزا دو پھر اگر وہ تابعداری کریں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ بڑی بلندی اور بڑائی والا ہے۔

یہ بھی ضرورت کے مطابق ہاتھ سے برائی روکنے کی ایک قسم ہے، جس میں حکمران کا کوئی عمل دخل نہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے دلائل ہیں جن سے اس تقسیم کی مخالفت ثابت ہوتی ہے۔ ان دلائل سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ہر انسان راعی ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں ضرور سوال کیا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں: تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں ضرور سوال کیا جائے گا۔ (متفق علیہ)

نگہبانی اور یہ مسؤ ولیت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بغیر ممکن نہیں۔

③ اگر اس تقسیم کو درست تسلیم کیا جائے تو اس سے خلیفہ کی غیر موجودگی کے عرصہ میں ہاتھ کے ذریعہ نہی عن المنکر کی منسوخی لازم آئے گی۔ جبکہ یہ بات طائفہ منصورہ کی ان نمایاں ترین صفات کے خلاف ہے جن کا خلیفہ کی موجودگی یا غیر موجودگی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اور وہ صفات، جہاد فی سبیل اللہ، دین کی نگہداشت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہیں۔

⑥ صفت جہاد فی سبل اللہ سے منقسم ہونے والی فروعی صفات میں سے طائفہ منصورہ کی چھٹی صفت دشمنوں اور مخالفین پر غلبہ حاصل کئے رکھنا ہے۔ اس کا ثبوت نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے ملتا ہے: نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ لوگوں پر غالب رہے گی۔ اور فرمایا: اپنے مخالفین پر غالب رہے گی۔ اور فرمایا: کامیاب رہے گی۔

مذکورہ احادیث کا ظاہری مفہوم اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ فتح مندی کی جتنی بھی صورتیں ہوسکتی ہیں ان تمام صورتوں کے ساتھ غلبہ اور فتح مندی انہیں لوگوں کی ہوگی۔ ذاتی طور پر بھی ان لوگوں کو اپنے دشمن کے خلاف غلبہ حاصل ہوگا۔ ان کی دعوت و تحریک بھی دوسری تمام دعوتوں اور تحاریک پر غالب ہوگی۔ اسی طرح معنوی طور پر اور ایمان کے لحاظ سے بھی انہیں سب پر غلبہ حاصل ہوگا۔ یہ لوگ اللہ تعالی کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔

اس کی مثال آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ان میں سے کوئی جیل کی کال کوٹھری میں ظالموں کی طرف سے قسم قسم کی سزائیں جھیل رہا ہوگا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی دعوت کے لحاظ سے دشمن پر غلبہ حاصل کئے ہوئے بھی ہوگا، کیونکہ وہ ان سرکشوں اور ظالموں کے سامنے علی الاعلان اپنی دعوت پیش کر رہا ہوگا اور حق کا اعلان کر رہا ہوگا۔ دشمن کی سزائیں اور تکالیف اسے دعوت حق کا اعلان کرنے سے روک نہیں سکیں گی۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر جب دشمن کی طرف سے ان پر جلاوطنی یا کوئی دوسری سزا عائد کی جاتی ہے تو خوشی اظہار کر کے اور نعرۂ تکبیر بلند کر کے دشمن کو غیظ و غضب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں انہیں شہادت کی صورت میں کامیابی کی ایک کرن نظر آتی ہے اور یہی ان کا مقصود حیات ہوتا ہے

۔جبکہ دشمن کو اس سے سخت کوفت اور اذیت پہنچتی ہے۔

اسی وجہ سے کوڑوں کے جواب میں بلال رضی اللہ عنہ کی زبان سے نکلنے والے احد، احد، کے الفاظ دشمن کے سروں پر ان کے کوڑوں سے بھی زیادہ بھاری اور تکلیف دہ تھے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:

کوئی کہنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ ہم ان دو چیزوں کے درمیان موافقت کس طرح پیدا کر سکتے ہیں، کہ ایک طرف تو ہمیں طائفہ منصورہ کے بارے میں مختلف نصوص شریعت سے فتح وغلبہ کی بشارتیں ملتی ہیں جبکہ ظاہری حالات اس کے بالکل خلاف ہیں؟

اس کا جواب ہم مختلف صورتوں سے دے سکتے ہیں:

① اعتراض کرنے والے سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر تم ذرا غور وفکر اور فہم وبصیرت کا مظاہرہ کر کے دنیا میں رونما ہونے والے واقعات کو دیکھو تو تمہیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ طائفہ منصورہ کو مکمل طور پر ایسا غلبہ حاصل ہے کہ جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔اور یہ غلبہ قیامت تک قائم رہے گا۔

ہم بڑے صریح الفاظ میں اور معذرت خواہانہ انداز کے ساتھ اعتراض کرنے والوں سے یہ کہتے ہیں کہ تم کو طائفہ منصورہ کی جو ناکامی نظر آتی ہے یہ محض تمہاری نظر اور فہم وفراست کا دھوکا ہے ورنہ ان کے غلبہ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین مطہرہ بالکل سچے ہیں کہ ان کو قیامت تک ہر زمانہ میں کامیابی وغلبہ حاصل رہے گا۔

② لوگوں پر ان کا غلبہ بالکل معدوم نہیں ہوگا، البتہ یہ ممکن ہے کسی علاقے میں یا کسی دور میں ان پر جلاوطنی وغیرہ کا حکم لگ جائے اور ان کی قوت میں کچھ کمی واقع ہو جائے۔اسی سے نافہم لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں یہ لوگ بالکل ختم ہو چکے ہیں جبکہ حقیقت اس کے الٹ ہوتی ہے۔

③ طائفہ منصورہ کے بارے میں ہمیشہ غالب رہنے کی جو خوشخبری ہے اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ انہیں کسی مرحلہ میں کوئی تکلیف اور شکست وہزیمت نہیں پہنچے گی۔ بلکہ تکالیف اور آزمائش کا پہنچنا تو ایک لازمی امر ہے، بعض اوقات کچھ لوگوں کی غلطیوں یا غفلت کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے، اور بعض

اوقات اللہ تعالی دلوں کونفاق سے اور صفوں کو منافقین سے صاف کرنے کے لئے آزمائش نازل فرماتے رہتے ہیں۔حتی کہ پہلی طائفہ منصورہ کے لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) بھی اس سے محفوظ نہیں رہے۔ان کے بارے میں ارشاد باری تعالی ہے:

﴿الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِن بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ (آل عمران:۱۷۲)

جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے حکم کو قبول کیا اس کے بعد کہ انہیں پورے زخم لگ چکے تھے،ان میں سے جنہوں نے نیکی کی اور پرہیزگاری برتی ان کے لئے بہت زیادہ اجر ہے۔

نیز ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران:۱۶۶)

اور تمہیں جو کچھ اس دن پہنچا جس دن دو جماعتوں میں مڈبھیڑ ہوئی تھی ، وہ سب اللہ کے حکم سے تھا اور اس لئے کہ اللہ تعالی ایمان والوں کو ظاہری طور پر جان لے۔

اس طرح جنگ کے بارے میں یہ اللہ تعالی کا قانون پورا ہوگیا کہ جنگ کا پانسہ کبھی ایک فریق کے پلڑے میں ہوتا ہے اور کبھی دوسرے فریق کے پلڑے میں جبکہ انجام کار آخر متقی لوگوں کے لئے ہی ہوتا ہے۔

⑥ کسی دور میں اگر طائفہ منصورہ کا غلبہ دب جائے تو یہ صرف وقتی ہوتا ہے،تھوڑے عرصے بعد ہی انہیں دوبارہ ظہور اور اٹھان حاصل ہوجاتی ہے۔جیسا کہ تاریخ کے مختلف واقعات سے اس کی شہادت ملتی ہے۔

⑦ طائفہ منصورہ ایک منظّم جماعت کی شکل میں کام کرتی ہے۔اور اس پر ایک ایسا امیر ہوتا ہے جس کی اطاعت کی جاتی ہے۔مندرجہ ذیل نکات کے ذریعہ اجمالی طور پر ہم اس بات کا ثبوت پیش کریں گے۔

① طائفہ منصورہ جن ذمہ داریوں کو پورا کررہی ہوتی ہے جن میں جہاد فی سبیل اللہ بھی شامل

ہے، ان ذمہ داریوں کا پورا کرنا ایک ایسے منظّم تنظیمی عمل کے بغیر ممکن نہیں جس میں طاقت وقوت حاصل کرنے کے لئے تمام وسائل واسباب اختیار کئے گئے ہوں۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفّاً كَأَنَّهُم بُنيَانٌ مَّرْصُوصٌ﴾ (الصّف:۴)

بے شک اللہ تعالی ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں۔

ایک فقہی قاعدہ ہے کہ: ہر وہ سبب اور وسیلہ جس کے بغیر واجب کی ادائیگی ممکن نہ ہو اس کا اختیار کرنا بھی واجب ہے۔

جبکہ اکثر لوگ اس قاعدہ کی خلاف ورزی کررہے ہیں: یعنی جہاد فی سبیل اللہ سمیت بہت سے شرعی واجبات ضائع کررہے ہیں۔ اسی طرح قطع تعلقی، انتشار، افتراق اور اختلافات بھی اس قاعدہ کی خلاف ورزی کا باعث ہے۔ یہ سب اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے خلاف ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعاً وَلاَ تَفَرَّقُواْ﴾ (آل عمران:۱۰۳)

اللہ تعالی کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالی تمہاری اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ تم سب ملکر اس کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ (مسلم)

اور فرمایا:

جماعت کو لازم پکڑو اور تفرقہ سے اپنے آپ کو بچاؤ، کیونکہ شیطان اکیلے آدمی پر اپنا تسلط جمالیتا ہے اور وہ دو آدمیوں سے دور بھاگتا ہے۔ جو جنت کی خوشبو پانا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ جماعت کو لازم پکڑ لے۔ (صحیح سنن الترمذی:۱۷۵۸)

اور فرمایا:

جماعت کے ساتھ اللہ تعالی کا ہاتھ ہوتا ہے۔(صحیح سنن الترمذی:۱۷۶۰)

اور فرمایا:

جماعت رحمت کا باعث ہے اور فرقہ بندی عذاب کا باعث ہے۔(اسے ابن ابی عاصم نے السنة میں ذکر کیا ہے اور شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔)

اس کے علاوہ اور بہت سے دلائل ملتے ہیں جن میں جماعت کو لازم پکڑنے اور اللہ تعالی کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا گیا ہے، اور فرقہ بندی اور اختلافات سے منع کیا گیا ہے

عجیب بات یہ ہے کہ جو لوگ قطع تعلقی کو ترجیح دیتے ہیں اور جماعت کی بجائے علیحدہ رہ کر کام کرنا چاہتے ہیں، بھلائی کا کوئی کام منظّم طریقے سے ہوتا ہوا دیکھ کر (غصے سے) ان کے رونگٹھے کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ لوگ انہیں دلائل کے ذریعے سے اپنی فرقہ بندی اور قطع تعلقی کو درست ثابت کرتے ہیں۔ اور جو لوگ ایک جماعت کے ذریعے امت کو ایک نکتے پر جمع کرنا اور نبوی منہج پر چلانا چاہتے ہیں ان کو یہ لوگ انہیں دلائل کے ذریعے خطا کار ثابت کرتے ہیں۔

ان لوگوں نے شارع ﷺ کی مراد سے ہٹ کر نصوص شریعت کے غلط معانی لئے ہیں، اور انہیں ان کے غیر حقیقی مقام پر رکھا ہے۔

② سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر قتال کرتی رہے اور قیامت تک غالب رہے گی۔ جب عیسی علیہ السلام نازل ہونگے تو اس جماعت کا امیر ان سے کہے گا کہ آیئے ہماری امامت کروایئے، عیسی علیہ السلام فرمائیں گے نہیں، تم میں سے بعض بعض کے امیر ہیں۔ یہ اللہ تعالی کا اس امت کے لئے شرف ہے۔

اس حدیث مبارکہ سے بہت سے مسائل اخذ ہوتے ہیں:

① نبی کریم ﷺ اور عیسی علیہ السلام کی زبانی اس جماعت کے امیر کی موجودگی اور اس کی مشروعیت کا ثبوت ملتا ہے۔ جیسا کہ اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے ''فیقول أمیرھم '' اور علیہ السلام نے ''إن بعضکم علی بعض أمراء'' کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔ یہ بات کسی صورت درست نہیں کہ

صرف آخری زمانہ میں نزول عیسی علیہ السلام کے وقت امیر کی موجودگی کو مشروع سمجھا جائے اور اس سے پہلے زمانہ میں اس کا انکار کر دیا جائے۔

امیر کی موجودگی کے درست ہونے کو پہلا زمانہ چھوڑ کر صرف آخری زمانے میں نزول عیسی علیہ السلام کے وقت پر محمول کرنا درست نہیں۔

طائفہ کی طرف امیر کی نسبت ''أمیرھم'' کے الفاظ کے ساتھ ہے۔اس میں یہ وضاحت موجود ہے کہ اس امت کی امارت والی صفت دائمی ہے کیونکہ لفظ''لا تزال'' سے کسی چیز کے استمرار اور درست ہونے کی وضاحت ملتی ہے۔اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اس جماعت میں امارت کا قیام ہمیشہ موجود رہے گا۔ یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ مسلمانوں پر بہت سے دور ایسے آئیں گے جب امامت کبری یعنی خلافت کا فقدان ہوگا،اور دوسری طرف طائفہ منصورہ کی امارت کے جاری رہنے کا ثبوت بھی احادیث سے ملتا ہے۔اس بات سے اللہ تعالی کے فضل وکرم کے ساتھ خلافت کی غیر موجودگی میں طائفہ منصورہ کی امامت کے صحیح اور درست ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔(کتاب''العمدة فی إعداد العدة''شیخ عبدالقادر بن عبد العزیز صفحہ نمبر:٦٨)

③ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جب تین آدمی سفر کے لئے نکلیں تو اپنے میں ایک کو امیر بنالیں۔(أبوداؤد،صحیح الجامع:٥٠٠)

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں جو کہ مسند احمد میں موجود ہے:

> تین آدمی جو کسی جنگل میں ہوں،ان کے لئے یہ بات درست نہیں ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنائے بغیر رہیں۔

اگر سفر میں نکلنے والے تین آدمیوں کے لئے تفرقہ اور اختلاف سے بچنے کے لئے امیر کا تعین ضروری ہے تو اس سے بھی بڑے مقصد یعنی جہاد فی سبیل اللہ کے لئے امیر کا تعین بالا ولی ضروری ہے تاکہ نبوی منہج پر نئے سرے سے اسلامی زندگی کی ابتدا ہو سکے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس بات کا جاننا اشد ضروری ہے کہ لوگوں کے لئے امیر کا

اہتمام دین کے اہم ترین واجبات میں سے ہے۔ بلکہ اس کے بغیر دین و دنیا دونوں کو قائم رکھنا ممکن نہیں۔ انسان کا معاشرتی زندگی کے بغیر گذارہ ممکن نہیں کیونکہ ہر انسان دوسرے کا محتاج ہے۔ مل جل کر رہنے کی صورت میں ایک رئیس کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔ حتی کہ نبی کریم ﷺ نے تو یہ فرمایا ہے کہ: جب تین آدمی سفر کے لئے نکلیں تو اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنا لیں۔ مسند احمد کی روایت ہے، سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین آدمی جو کسی جنگل میں ہوں، ان کے لئے یہ بات درست نہیں ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنائے بغیر رہیں۔ نبی کریم ﷺ نے سفر کے ایک چھوٹے سے اجتماع میں جو کہ عارضی مدت کے لئے ہوتا ہے، امیر کی تعیین کو ضروری قرار دے کر متنبہ کیا ہے کہ ہر قسم کے اجتماع کے لئے امیر کا تعین لازمی اور ضروری ہے۔ اللہ تعالی نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو واجب قرار دیا ہے، یہ بھی قوت و اختیار کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی طرح دوسرے تمام واجبات مثلاً جہاد فی سبیل اللہ، عدل و انصاف، حج کی ادائیگی، خطبات جمعہ و عیدین اور مظلوم کی مدد و نصرت ان سب کا قیام امیر کی موجودگی کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لئے اللہ تعالی کا تقرب حاصل کرنے کے لئے امارت کا قیام ایک دینی تقاضا ہے۔ کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اس کا تقرب حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ (فتاوی ابن تیمیہ: ۲۸/ ۳۹۰، ۳۹۱)

امام شوکانی رحمہ اللہ سفر میں امیر متعین کرنے والی احادیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس میں یہ دلیل ہے کہ ہر وہ گروہ جس کی تعداد تین یا اس سے زائد ہو اس کے لئے امیر کا تعین ضروری ہے کیونکہ اس طرح اس اختلاف سے بچاؤ ممکن ہو سکے گا جو کہ ہلاکت کا باعث بننے والا ہوتا ہے۔ کیونکہ امیر کی عدم موجودگی میں ہر کوئی اپنی رائے اور خواہشات کے مطابق عمل کرے گا جس سے سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے۔ جبکہ امیر کی موجودگی میں اختلاف بہت کم ہونگے اور سب کی ایک ہی آواز ہوگی۔ اگر سفر یا جنگل میں موجود تین آدمیوں کے لئے امیر کی تعیین ضروری ہے تو یہ شہروں اور بستیوں میں رہنے والے لوگوں کے لئے زیادہ ضروری ہے، جو کہ ظلم و ستم کی روک تھام اور جھگڑوں کا فیصلہ کروانے کے بارے میں زیادہ ضرورت مند ہوتے ہیں۔ (نیل الأوطار: ۸/ ۲۵۶)

امام الحرمین الجوینی رحمہ اللہ کا قول ہے: اگر حکمران کے بغیر کچھ عرصہ گذر جائے تو اہل ایمان پر ضروری ہے کہ حسب استطاعت اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے جلدی دکھائیں۔ آخر میں وہ کہتے ہیں: اگر لوگ اپنا کوئی حاکم مقرر نہ کریں تو انہیں اس کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے کیونکہ یہ محال ہے کہ لوگوں کو ایسے کام نہ کرنے کے بارے میں مہلت دی جائے جو کام فساد دور کرنے کا باعث ہو۔ اگر لوگ اس ممکنہ کام کو سرانجام نہ دیں (یعنی کسی کو اپنا حکمران مقرر نہ کریں) تو معاشرے اپنے رہنے والوں سمیت فساد میں غرق ہو جائیں گے۔

بعض علماء کا قول ہے: اگر کسی دور میں حکمران کی غیر موجوگی کو کچھ عرصہ گذر جائے تو ہر بستی اور علاقے کے باسیوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے میں کسی صاحب فہم و فراست شخص کو آگے لائیں جس کے بارے میں انہیں یقین ہو کہ اس کی بات مانی جائے گی۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو کبھی ناموافق حالات کے ظہور کی صورت میں یہ تمام لوگ مٹ جائیں اور تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ (غیاث الأمم فی التیاث الظلم، صفحہ نمبر: ۳۸۷-۳۸۸)

④ خلیفہ کی غیر موجودگی میں یا موجودگی کے دوران اس کی اجازت کے بغیر امیر کی تعیین کے بارے میں موتہ کی لڑائی کے دوران عمل صحابہ رضی اللہ عنہم سے دلیل ملتی ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعین کردہ تمام امراء یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے، تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تعیین اور آپ کے حکم کے بغیر ہی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بالاتفاق اپنا امیر چن لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک جب یہ خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نا صرف صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس فعل کی تعریف کی بلکہ اس دن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سیف اللہ کا لقب بھی عطا فرمایا۔

ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں رقمطراز ہیں: اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دوران جنگ خلیفہ کی اجازت کے بغیر امیر کا تعین جائز اور درست ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس واقعہ سے یہ دلیل ملتی ہے کہ مسلمانوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ خلیفہ کی غیر موجودگی کے عرصہ میں کسی دوسرے شخص کو اس کا قائمقام بنالیں، جب تک وہ خلیفہ واپس نہ آجائے یا کسی دوسرے کو اس کی جگہ پر متعین نہ کر دیا

جائے۔(فتح الباری:۷/۵۸۶)

ابن قدامۃ رحمہ اللہ المغنی میں فرماتے ہیں: اگر امام موجود نہ ہو تو جہاد موخر نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اگر جہاد کو موخر کر دیا جائے تو اس کی مصلحت ہی فوت ہو جائے گی۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر خلیفہ کوئی لشکر بھیجے اور اس پر ایک آدمی کو امیر مقرر کرے، وہ امیر اگر فوت ہو جائے یا شہید ہو جائے تو اہل لشکر کے لئے یہ بات جائز ہے کہ وہ کسی اور کو اپنا امیر چن لیں۔ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے موتہ کی لڑائی کے دوران اس طرح کیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مقرر کئے گئے ان کے تمام امیر جب یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے تو انہوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر مقرر کر لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف ان کے اس کام کی تعریف کی اور ان کی رائے کو درست قرار دیا، بلکہ اس دن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سیف اللہ کا لقب بھی عطا فرمایا۔(المغنی:۷/۱۶۷)

⑤ سنت سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اگر خلیفہ کی طرف سے مقرر شدہ امیر اس کے احکامات کی خلاف ورزی کرے، اگر خلیفہ کو کسی مجبوری کے تحت اس بارے میں خبردار نہ کیا جا سکتا ہو تو اسے بتائے بغیر ہی اس امیر کو معزول کر کے کسی اور کو اس کی جگہ امیر مقرر کرنا ضروری ہے۔

بہت سے دلائل ہیں جو خلیفہ کی غیر موجودگی میں امارت کے قیام کو درست ثابت کرتے ہیں۔ خلیفہ کی غیر موجودگی آیا سفر وغیرہ کی صورت میں ہو یا بالکل خلیفہ موجود ہی نہ جیسا کہ ہمارے اس زمانے میں صورت حال ہے، یہ دونوں صورتیں برابر ہیں۔ جو اس مسئلہ کے بارے میں دلیل کا طلبگار رہے، اور اپنی خواہشات کی پیروی سے بچ کر حق کا طلبگار رہے اس کے لئے مذکورہ دلائل میں کافی حد تک سیرابی موجود ہے۔

علی بن حسن الحلبی کو اپنی کتاب ''البیعة بین السنة والبدعة'' میں مسئلہ امارت کے بارے میں سخت غلطی لگی ہے۔ کیونکہ انہوں نے خلیفہ کی غیر موجودگی کے عرصہ میں امارت کی شرعی حیثیت کو باطل قرار دیا ہے۔ اس کی تائید کے لئے انہوں نے ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایسے اقوال ذکر کئے ہیں جو کہ حقیقت میں ان کے اقوال نہیں ہیں بلکہ ان کی طرف غلط طریقے سے منسوب کئے گئے ہیں۔ انہوں نے

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر کے مجموع الفتاوی 18/28 کے حوالہ سے ایک قول ذکر کیا ہے: کہ اگر اس اتفاق، نسبت اور بیعت کا مقصد تعاون علی الخیر اور تقوی کا حصول ہے تو اس چیز کا خود اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے اس لئے ایسے اتفاق کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر اس کا مقصد گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کا تعاون ہے تو اس سے اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اگر کسی اتفاق، اجتماع یا اکٹھ کا مقصد کسی خیر کا حصول ہے تو اللہ تعالی اور اس کے رسول کے حکم میں ہر قسم کی خیر و بھلائی موجود ہے۔ اس لئے کسی قسم کے اتفاق و اتحاد کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اور اگر اس کا کوئی برا مقصد ہے تو اللہ تعالی نے اس سے منع فرمایا ہے۔ (کتاب البیعۃ، صفحہ ۳۶: ہم اس عبارت پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے تھے، اس وجہ سے کہ شاید مؤلف اپنی اس غلطی کا اعتراف کر لے اور اس سے رجوع کر لے۔ لیکن ایک دفعہ کسی تقریب کے موقعہ پر جبکہ وہاں دوسرے بڑے شیوخ بھی موجود تھے اس سے جب اس بارے میں پوچھا گیا تو اس نے اس بات پر اصرار کیا کہ اس نے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہیں کی بلکہ یہ من و عن شیخ الاسلام رحمہ اللہ ہی کی عبارت ہے۔ اس وقت اپنے شدت غضب اور اونچی آواز میں گفتگو کرنے کی وجہ سے اس نے ہمیں بالکل اس بات کا موقعہ ہی نہ دیا کہ ہم اس کے سامنے اس کی غلطی کی وضاحت کر سکیں۔ میں نے اسے کہا: کہ یہ بات ہمیں قارئین کی عدالت میں پیش کر دینی چاہئیے، وہ خود ہی فیصلہ کریں کہ ہم میں سے کس نے ابن تیمیہ رحمہ اللہ پر جھوٹ باندھا ہے۔ اس واقعہ سے پہلے یہ آدمی میری کتابوں کا بہت بڑا امداح تھا، لیکن اس کے بعد اس نے ہمیں طعن و تشنیع اور گالی گلوچ کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔)

مجموع الفتاوی کے مذکورہ حوالہ کے مطابق یہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی عبارت نہیں ہے۔ اس مقام پر ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے شاگرد کے اپنے استاذ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کی نوعیت اور اس کی شرعی حیثیت کو بیان کیا ہے۔ شیخ نے کہیں بھی بیعت یا اتفاق کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ شیخ فرماتے ہیں: تلمیذ کے لئے اپنے معلم یا کسی اور شخص کے ساتھ اپنا تعلق جوڑنا یا اس کی طرف نسبت کرنا درست نہیں۔ کسی خاص شخص کے ساتھ اپنے تعلق کو جوڑنا اور اس کی طرف نسبت کرنا، جیسا کہ سوال میں اس کا تذکرہ موجود ہے، ان سب کا تعلق جاہلیت کی گمراہیوں اور مشرکین کی قسموں وغیرہ کے ساتھ ہے جو وہ ایک دوسرے کے ساتھ باندھتے ہیں۔ اگر اس تعلق اور نسبت کا مقصد نیکی اور تقوی پر ایک دوسرے کا تعاون کرنا ہو تو اس

بات کا اللہ تعالی نے اس تعلق کے بغیر ہی حکم دیا ہے۔اگر اس تعلق اور نسبت کا مقصد گناہ اور ظلم وزیادتی پر ایک دوسرے کا تعاون کرنا ہو تو اس بات کو اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے۔اگر اس تعلق کا مقصد کسی بھلائی یا خیر کا حصول ہو تو معلمین کی بجائے اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے حکم میں ہر قسم کی خیر موجود ہے،اور اگر اس کا مقصد کسی شر کا حصول ہے تو اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔اس لئے کسی معلم کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ وہ اپنے تلمیذ سے اس قسم کا تعلق قائم کرے۔(فتاوی ابن تیمیہ:۲۸/ ۱۷-۱۸)

غور کیجئے! جو عبارت ''البیـــعۃ'' کے مولف نے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر کے لکھی ہے اور جو ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی اصل عبارت ہے ان دونوں میں کس قدر فرق ہے۔مولف نے کس طرح شیخ کی عبارت میں تحریف کی ہے اور اس مسئلہ کے بارے میں اپنے غلط مسلک کی تائید کے لئے لفظ ''البیـــعۃ'' کا اضافہ کیا ہے جس کا اصل عبارت سے کوئی تعلق نہیں۔

مذکورہ مؤلف نے اسی کتاب میں ایک اور غلطی بھی کی ہے،انہوں نے سلف صالحین کے بارے میں بغیر علم کے ایسی بات کہی ہے جو کسی صورت درست نہیں۔مؤلف رقمطراز ہے: اس امت کے اسلاف کا آج کل کے دور میں رواج پذیر ان بیعتوں کے ساتھ کہاں تعلق تھا۔کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اپنی عقل اور خواہشات کے ذریعے کسی خیر کو حاصل کر لیں۔چونکہ قرآن،سنت اور سلف صالحین کے طریقے میں ان بیعتوں سے متعلق کوئی دلیل نہیں ملتی اس لئے یہ بدعت شمار ہونگی۔(کتاب البیعۃ،صفحہ:۳۳،مزید دیکھئے صفحہ: ۳۲،۳۷،۳۹)

یہ ایک ظاہری غلطی ہے،کتاب وسنت اور عمل صحابہ کے ذریعے اس کی تردید ہوتی ہے۔درج ذیل عبارات میں ہم اس کی تفصیل بیان کریں گے۔

بیعت کا مفہوم:

کتاب وسنت اور آثار سلف کے دلائل کے ذریعے خلیفہ کے بغیر بیعت کی مشروعیت کا ثبوت پیش کرنے سے پہلے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ بیعت کے معانی اور مفہوم پر کسی قدر روشنی ڈالی جائے۔تاکہ قاری

پوری طرح ان دلائل سے مستفید ہوسکے جو ہم بیعت کی تائید میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

بیعت: یہ ایک معاہدہ، میثاق اور قول وقرار ہوتا ہے۔ جو دو فریقین کے درمیان کسی کام کو پورا کرنے کے لئے باندھا جاتا ہے۔

ابن الأثیر نے النہایۃ میں فرمان نبوی ﷺ: ''ألا تبایعونی علی الإسلام'' کے تحت ذکر کیا ہے: یہ قول وقرار اور عہد وپیمان سے عبارت ہے۔ (النہایۃ)

ابن منظور نے لسان العرب میں ذکر کیا ہے: ''وقد تبایعوا علی الأمر'' یعنی انہوں کسی کام پر بیعت کی، اس سے مراد ہے ''اصفقوا علیه'' یعنی وہ سب اس معاملے پر جمع ہوئے۔ بایع کا معنی ہے اس نے معاہدکیا۔ اس کے بعد انہوں ابن الأثیر کا مذکورہ قول ذکر کیا ہے۔

المعجم الوسیط میں بایعه مبایعة، وبیاعاً کا معنی معاہدۂ تجارت کیا ہے اور اور بایع فلاناً علی کذا کا معنی قول واقرار اور عہد وپیمان باندھنا کیا ہے۔

عہد کا مفہوم ہے: قسم اٹھانا، امان دینا، ذمہ داری، حفاظت کرنا، حرمت کی حفاظت کرنا، وصیت کرنا وغیرہ۔ عہد کے بارے میں وارد ہونے والی تمام احادیث میں ان معانی کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا معنی مراد نہیں لیا گیا۔ (النہایۃ: ۳/۳۲۵)

میثاق کا مفہوم ہے: عہد وپیمان یہ ''وثاق'' سے مفعال کے وزن پر ہے۔ (النہایۃ: ۵/۱۵۱)

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے: میثاق ہر اس معاہدہ کو کہتے ہیں، قسم اور عہد وپیمان کے ذریعے جس کی توثیق کی جائے۔ (مفردات امام راغب اصفہانی)

بیعت، عہد اور میثاق ان معانی میں استعمال ہوتے ہیں۔ تو کیا اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت والے کاموں میں بھی کسی عہد وپیمان یا قول وقرار کی ضرورت ہے، یا اس بیعت کی ضرورت ہے جو موجودہ دور میں خلیفہ یا امام المسلمین کے علاوہ کسی کو دی جاتی ہے؟

درج ذیل میں بڑی تفصیل کے ساتھ ہم اس کا جواب دیں گے:

① قرآن سے اس بات کی دلیل کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے لئے عہد

و پیمان لینا جائز ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ، اسلامی زندگی کا نئے سرے سے احیاء اور خلافت راشدہ کا قیام یہ سب اطاعت کی بڑی بڑی اقسام میں سے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَوْفُواْ بِعَهْدِ اللّهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلاَ تَنقُضُواْ الأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلاً إِنَّ اللّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ☆ وَلاَ تَكُونُواْ كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِن بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثاً تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلاً بَيْنَكُمْ أَن تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَى مِنْ أُمَّةٍ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللّهُ بِهِ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ﴾ (النحل ۹۲-۹۱)

اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم آپس میں قول و قرار کرو اور قسموں کو ان کی پختگی کے بعد مت توڑو، حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو، تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو بخوبی جان رہا ہے۔☆ اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ ڈالا، کہ تم اپنی قسموں کو آپس کے مکر کا باعث ٹھہراؤ، اس لئے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھا چڑھا ہو جائے۔ بات صرف یہی ہے کہ اس عہد سے اللہ تمہیں آزما رہا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے لئے قیامت کے دن ہر اس چیز کو کھول کر بیان کر دے گا جس میں تم اختلاف کر رہے تھے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے جس بات کا حکم دیا ہے وہ یہ ہے کہ عہد و پیمان کو پورا کیا جائے اور پختہ قسموں کی حفاظت کی جائے۔

ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ بریدہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اس آیت کی تفسیر یوں بیان کی ہے: ﴿وَأَوْفُواْ بِعَهْدِ اللّهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ﴾ اس سے مراد وہ بیعت ہے جو تم نے اسلام پر کی ہے۔ ﴿وَلاَ تَنقُضُواْ الأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا﴾ تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی قلت اور مشرکین کی کثرت اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اسلام پر کی ہوئی اپنی بیعت کو توڑ ڈالو۔ (تفسیر ابن کثیر: ۲/۶۰۵) دیکھئے! مؤلف مذکور نے کس خوبی سے عہد کی تفسیر بیعت کے ساتھ بیان کی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایسے شاگرد کے بارے میں فرماتے ہیں جو ایک استاذ کی شاگردی اختیار کرتا ہے پھر اسے چھوڑ کر کسی دوسرے استاذ کی شاگردی میں چلا جاتا ہے، اگر تو یہ لوگ زمانہ جاہلیت کی عادات پر قائم ہوں جیسا کہ جاہلیت میں استاذ شاگرد کا حلیف سمجھا جاتا تھا، اس صورت میں ایک استاذ کو چھوڑ کر دوسرے کی طرف منتقل ہونے والا ظالم، باغی، وعدہ خلاف اور معاہدہ توڑنے والا ہوگا۔ یہ گناہ بھی ہے اور حرام بھی ہے۔ یہ کسی بہت بڑے گناہ گار شخص کے گناہ سے بھی بڑا گناہ کا کام ہے۔ بلکہ ایسا کرنے والا اگر ایک استاذ کو چھوڑ کر کسی دوسرے سے کوئی معاہدہ وغیرہ کر لے تو وہ حرام کا مرتکب ہوگا ۔ایسا کرنا اس کے لئے خنزیر کا گوشت کھانے کے مترادف ہوگا۔ ایسا کرنے والا شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کو بھی پورا کرنے والا نہیں ہے، اور نہ ہی وہ اپنے معاہدے کو پورا کرنے والا ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسے کھلاڑی کی مانند ہے جس کے سامنے عہد و پیمان اور معاہدے وغیرہ کی کوئی حیثیت اور وقعت ہی نہیں ہوتی۔ ایسے شخص کا نہ تو کوئی دین ہے اور نہ ہی وہ وعدہ وفا کرنے والا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ طریق کار تھا کہ کوئی آدمی کسی قبیلے کا حلیف بن جاتا تھا۔ جب اسے اس سے زیادہ طاقتور قبیلہ مل جاتا تو یہ پہلے سے عہد شکنی کر کے دوسرے سے معاہدہ کر لیتا، اس کی مثال بھی انہیں لوگوں کی طرح ہے اسی بارے میں اللہ تعالی نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا﴾ (النحل ۹۱)

جس نے کسی شخص سے اس شرط پر معاہدہ کیا کہ اس کے دوستوں سے دوستی رکھے گا اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھے گا، ایسا معاہدہ کرنا تاتاریوں کے طریق کار کے مطابق ہوگا جو کہ شیطان کے راستے میں جہاد کرنے والے ہیں۔ ایسے لوگ نہ تو مجاہدین فی سبیل اللہ ہو سکتے ہیں اور نہ مسلمانوں کے لشکری ہو سکتے ہیں، اور نہ ہی یہ درست ہے کہ انہیں مسلمانوں کے سپاہی سمجھا جائے بلکہ یہ شیطان کے سپاہی ہیں ۔البتہ استاذ اپنے شاگرد کو اگر یہ الفاظ کہے تو یہ اس کا احسن اقدام ہوگا: اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد و پیمان کو لازم پکڑ، اللہ کے دوستوں سے دوستی رکھ اور اللہ کے دشمنوں سے دشمنی رکھ، نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں پر ایک دوسرے سے تعاون مت

کرو، اگر میں حق پر ہوں تو حق کی مدد کر اور میں باطل پر ہوں تو باطل کی مذمت کر۔ جو اس بات کا خیال رکھے گا اس کا تعلق مجاہدین فی سبیل اللہ سے ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو چاہتے ہیں کہ دین سارے کا سارا اللہ کا ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو سر بلندی حاصل ہو۔ (فتاوی ابن تیمیہ: ۲۸/ ۱۹-۲۱)

غور کیجئے! شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اطاعت اور فرمانبرداری کے کاموں کے لئے استاذ اور شاگرد کے آپس میں معاہدہ کرنے کے جواز کو کس طرح ثابت کیا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی سر بلندی کے لئے جہاد فی سبیل اللہ کا حصہ قرار دیا ہے۔ البتہ ہر وہ معاملہ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث ہو اس پر معاہدہ کرنا درست نہیں۔ کیونکہ قاعدہ یہ کہ اللہ کی نافرمانی میں مخلوق میں سے کسی اطاعت نہیں ہو سکتی۔ اللہ کی نافرمانی میں نہ کوئی نذر مانی جائے گی اور نہ ہی نذر یا وعدہ پورا کیا جائے گا۔

کسی معاہدہ کے جائز یا ناجائز ہونے کے لئے علت وہ شقیں ہیں جن پر معاہدہ کیا جاتا ہے کوئی بھی معاہدہ بذات خود ناجائز نہیں ہوتا۔ اگر معاہدے کی شقیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کسی کام پر مبنی ہوں تو ایسے معاہدے کو پورا کرنا درست نہیں بلکہ سرے سے ایسا معاہدہ کرنا ہی درست نہیں۔ اگر معاہدے کی شقیں حق پر مبنی ہوں اور اس میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری ہوتی ہو، یہ معاہدہ درست ہوگا اور اسے پورا کرنا ضروری ہوگا۔ خاص طور پر اگر اس معاہدے پر عہد و پیمان بھی باندھ لیا جائے تو اس کی اہمیت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ اس معاہدے کو پورا کرنا اس لئے بھی ضروری ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے اور اسے پورا کرنے کی ایک دوسری وجہ یہ ہے کیونکہ اسے پورا کرنے پر عہد و پیمان بھی باندھا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان عہد و پیمان کے وجوب کی اہمیت کو اور زیادہ بڑھا دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُولًا﴾ (الاسراء: ۳۴)

اور وعدے پورے کرو کیونکہ قول وقرار کی باز پرس ہونے والی ہے۔

اور فرمایا:

﴿وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُواْ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاء والضَّرَّاء وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَـئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَـئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴾(البقرہ:۱۷۷)

جب وعدہ کرے تب اسے پورا کرے، تنگدستی، دکھ درد اور لڑائی کے وقت صبر کرے، یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں۔

اور فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَوْفُواْ بِالْعُقُودِ ﴾(المائدہ:۱)

اے ایمان والو! عہد و پیماں پورے کرو۔

اللہ تعالی نے عہد و پیمان توڑنے کو منافقین کی صفت قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿الَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّـهِ مِن بَعْدِ مِيْثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الأَرْضِ أُولَـئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴾(البقرہ:۲۷)

جو لوگ اللہ تعالی کے مضبوط عہد کو توڑ دیتے ہیں اور اللہ تعالی نے جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے، انہیں کاٹتے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

اور فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللّهِ مِن بَعْدِ مِيْثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الأَرْضِ أُوْلَئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ﴾(الرعد:۲۵)

اور جو اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جن چیزوں کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے انہیں توڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، ان کے لئے لعنتیں ہیں اور ان کے لئے برا گھر ہے۔

اللہ تعالی کی اطاعت پر عہد و پیمان لینے کے جواز کی دلیل کے طور پر یوسف علیہ السلام کے قصہ میں یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کا واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے معاہدہ لیا کہ وہ اپنے بھائی کو ضرور واپس بھی لے کر آئیں گے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّى تُؤْتُونِ مَوْثِقاً مِّنَ اللّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلاَّ أَن يُحَاطَ بِكُمْ فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ﴾ (یوسف:٦٦)

یعقوب (علیہ السلام) نے کہا! میں تو اسے ہرگز ہرگز تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا جب تک کہ تم اللہ کو بیچ میں رکھ کر مجھے قول وقرار نہ دو کہ تم اسے میرے پاس پہنچا دو گے، سوائے اس صورت کے کہ تم سب گرفتار کر لئے جاؤ۔ جب انہوں نے پکا قول قرار دے دیا تو انہوں نے کہا کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے۔

العمدہ کے مصنف رقمطراز ہیں: جب یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے ساتھ اپنے باپ کی طرف سے بھائی کو بھی لے کر آئیں گے، تو باپ نے ان کا اعتبار نہ کیا اور بھائی کو ان کے ساتھ بھیجنے سے انکار کر دیا الا یہ کہ وہ ان سے پکا عہد و پیمان باندھیں۔ لوگوں کے درمیان معاملات کے متعلق اس معاہدے کو اللہ تعالی نے (مَوْثِقاً مِّنَ اللّهِ) یعنی اللہ کی طرف سے معاہدہ کہا ہے۔ اس بات سے بھی اس قسم کے معاہدوں کی تاکید ہوتی ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو اپنے پاس روک لیا تو بڑے بھائی نے یہ الفاظ کہے تھے جن کا تذکرہ قرآن کریم میں ملتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قَالَ كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُواْ أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُم مَّوْثِقاً مِّنَ اللّهِ وَمِن قَبْلُ مَا فَرَّطتُمْ فِي يُوسُفَ فَلَنْ أَبْرَحَ الأَرْضَ حَتَّىَ يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللّهُ لِي وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ﴾ (یوسف:٨٠)

ان میں جو سب سے بڑا تھا اس نے کہا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کی قسم لے کر پختہ قول قرار لیا ہے اور اس سے پہلے یوسف کے بارے میں تم کوتاہی کر چکے ہو۔ پس میں تو اس سرزمین سے نہ ٹلوں گا جب تک کہ والد صاحب خود مجھے اجازت نہ دیں یا اللہ تعالی میرے اس معاملہ کا فیصلہ کر دے، وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

موسی اور خضر علیہما السلام کے واقعہ میں بھی شرائط کا تذکرہ ملتا ہے۔ ایک شرط خضر علیہ السلام نے موسی علیہ السلام کو اپنا ساتھی

بنانے کے لئے لگائی تھی اور دوسری شرط خود موسی علیہ السلام نے اپنے آپ پر عائد کی تھی۔

خضر علیہ السلام کی شرط کے بارے میں ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَن شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا﴾ (الکھف :۷۰)

اس نے کہا اچھا اگر آپ میرے ساتھ ہی چلنے پر اصرار کرتے ہیں تو یاد رہے کسی چیز کی نسبت مجھ سے کچھ نہ پوچھنا جب تک کہ میں خود اس کی نسبت کوئی تذکرہ نہ کروں۔

موسی علیہ السلام نے جو شرط اپنے آپ پر لگائی تھی اس کے بارے میں ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قَالَ إِن سَأَلْتُكَ عَن شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي قَدْ بَلَغْتَ مِن لَّدُنِّي عُذْرًا﴾ (الکھف:۷۶)

موسی (علیہ السلام) نے جواب دیا اگر اب اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کروں تو بیشک آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا، یقیناً آپ میری طرف سے (حد) عذر کو پہنچ چکے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی کتاب الشرائط میں اس مسئلہ کے بارے میں باقاعدہ ایک باب باندھا ہے۔اس باب کا نام (باب الشروط مع الناس بالقول) لوگوں سے قولی شرطیں طے کرنا رکھا گیا ہے۔امام صاحب رحمہ اللہ نے اس باب میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے جو کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موسی اور خضر علیہما السلام کے واقعہ کے بارے میں فرمایا: پہلی دفعہ بھول کر دوسری دفعہ شرط تھی اور تیسری دفعہ جان بوجھ کر ہوا ۔(حدیث نمبر ۲۷۲۸)

ابن حجر رحمہ اللہ ارشاد ربانی (إِن سَأَلْتُكَ عَن شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي) میں مذکور شرط کی طرف اشارہ کرتے ہوئی رقمطراز ہیں: موسی علیہ السلام نے اس شرط کو پورا کیا حالانکہ یہ شرط انہوں نے نہ تو لکھی تھی اور نہ ہی اس پر کوئی گواہ مقرر کیا تھا۔اس واقعہ سے یہ دلیل بھی ملتی ہے کہ شرط جس بات پر لگائی جائے اس کام کو پورا بھی کر دینا چاہیئے ۔ کیونکہ موسی علیہ السلام جب شرط کو پورا نہ کر سکے تو خضر علیہ السلام نے فوراً کہہ دیا تھا

کہ: (هَـذَا فِـرَاقُ بَيْنِـى وَبَيْنِكَ) یہ جدائی ہے میرے اور تیرے درمیان، موسی علیہ السلام نے اس کا انکار بھی نہیں کیا تھا۔ (فتح الباری: ۵/۳۲۶)

گذشتہ ذکر ہونے والے تمام دلائل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالی کی فرمانبرداری کے کاموں پر آپس میں عہدو پیمان باندھنا اور شرائط طے کرنا جائز ہے۔

عہدو پیمان باندھ لینے سے عبادات کی تاکید اور وجوب بڑھ جاتا ہے اس بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا کلام:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق حکمرانوں کی اطاعت کرنا اور ان کی خیر خواہی چاہنا ہر انسان پر واجب ہے، اگرچہ لوگ حکمرانوں سے کوئی عہدو پیمان نہ بھی کریں یا ان کی بیعت نہ بھی کریں۔ ایسا کرنا اسی طرح واجب ہے جس طرح اسلام کے دوسرے ارکان مثلاً نماز پنجگانہ، زکوۃ، روزہ اور حج بیت اللہ واجب ہیں۔ البتہ اگر کوئی حکمران کی اطاعت کرنے پر قسم اٹھالے تو اس کے لئے اس وجوب میں اور زیادہ تاکید واقع ہوجائے گی اس کے لئے اس قسم کے خلاف کچھ کرنا کسی صورت حلال نہیں ہوگا۔ قسم خواہ اللہ کے نام کی ہو یا کوئی دوسری قسم جو مسلمان عام طور پر اٹھاتے ہیں اس کی اہمیت برابر ہی ہے۔ حکمرانوں کی اطاعت کرنا اور ان کی خیر خواہی چاہنا تو ویسے ہی اللہ کے حکم کے مطابق واجب ہے اگر اس پر قسم اٹھالی جائے تو پھر اس کے وجوب اور تاکید کا کیا حال ہوگا؟

یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ کوئی قسم اٹھالے کہ وہ نماز پنجگانہ ضرور ادا کرے گا، اور رمضان کے روزے ضرور رکھے گا، یا کوئی یہ قسم اٹھالے کہ وہ اپنے اوپر واجب حق کو ضرور پورا کرے گا، اور حق کی ضرور گواہی دے گا۔ ایسا کرنا تو اس پر بغیر قسم اٹھائے ہی واجب اور ضروری ہے، اگر کوئی اس بات کی قسم اٹھالے تو پھر اس کا کیا حال ہوگا؟

جن چیزوں سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے، مثلاً شرک، اللہ کے حکم سے خروج، جھوٹ، شراب نوشی، ظلم، فحاشی، حکمرانوں کو دھوکا دینا یہ سب کچھ حرام کے کام ہیں اگرچہ ان کے نہ کرنے کی قسم

نہ ہی اٹھائی جائے ،اگران کاموں کے نہ کرنے کے بارے میں قسم اٹھالی جائے تو پھران کی حرمت کی کیا کیفیت ہوگی؟

اس لئے جو اللہ اوراس کے رسول ﷺ کے احکامات مثلاً حکمرانوں کی اطاعت ،نماز کا قیام ،زکوۃ کی ادائیگی ،رمضان کے روزے ،امانت کی ادائیگی اورعدل کا قیام کو پورا کرنے کے لئے قسم اٹھالے تو کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ اسے اپنی قسم کی مخالفت کرنے کے لئے یا قسم توڑنے کے لئے فتوی دے۔اورنہ ہی اس کے لئے جائز ہے کہ اس بارے میں کسی سے فتوی طلب کرے۔جس کسی نے کسی کو اپنی قسم کی مخالفت کرنے یا قسم توڑنے کے بارے میں فتوی دیا،ایسا شخص اللہ تعالی پر جھوٹ باندھنے والا ہے،اور اسلام سے ہٹ کر فتوی دینے والا ہے۔اگر اس قسم کے معاہدوں کی یہ کیفیت ہے تو وہ معاہدہ جو حکمرانوں سے ان کی اطاعت کے بارے میں کیا جاتا ہے اور وہ سب سے بڑا معاہدہ ہے جسے پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کی کیا کیفیت ہوگی۔(فتاوی ابن تیمیہ:۳۵/۹-۱۱)

سنت نبوی ﷺ اور سلف صالحین کے طریقے سے دلیل:

پیچھے ذکر ہونے والے تمام دلائل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خلیفہ کی غیر موجودگی میں کسی دوسرے شخص کو امیر بنالینا جائز ہے۔اس لحاظ سے ان دلائل کو کسی دوسرے شخص کی بیعت کے جواز پر بھی بطور دلیل پیش کیا جاسکتا ہے۔کیونکہ امارت کے قیام اوراس کے نتیجے میں کسی نظام اورامن کو کھڑا کرنے کے لئے بیعت لینا اوراطاعت کروانا ایک لازمی امر ہے۔گذشتہ ذکر ہونے والے دلائل پر ہم آئندہ اوراق میں چند اور دلائل کا اضافہ کریں گے۔

① بیعت عقبی اولی اورثانیہ:

بیعت عقبہ اولی اور ثانیہ نبی کریم ﷺ کے ہاتھوں پر انتہائی کمزوری کے لمحات میں خفیہ طور پر کی گئی تھی۔مانعین بیعت کی دلیل یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کے لئے بیعت کا حصول جائز نہیں جو نہ تو حکمران ہو اور نہ ہی اس کے پاس غلبہ اوراختیار ہو،اس وقت آپ ﷺ کے پاس نہ تو غلبہ واختیار تھا اور نہ ہی آپ ﷺ کسی باقاعدہ مملکت کے سربراہ تھے۔اس حوالے سے بیعت عقبی کو ایسے شخص کے لئے بیعت

کے حصول کے جواز پر بطور دلیل پیش کیا جا سکتا ہے جو نہ تو بااختیار ہو اور نہ ہی حکمران ہو۔

جو لوگ یہ بات کہتے ہیں کہ یہ بیعت یا اس قسم کی بیعت کا حصول صرف نبی کریم ﷺ کے لئے خاص تھا ،یعنی نبی کریم ﷺ کے اس عمل کی طرح کسی عام فرد کے لئے جو خلیفۃ المسلمین نہ ہو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اعلاء کلمۃ اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے لوگوں سے مدد اور بیعت طلب کرے۔اس بات کے لئے کسی دلیل کی ضرورت ہے جو اس حکم عام کو خاص کرتی ہو اور وہ دلیل کہاں ہے؟

چونکہ اس بارے میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور نہ ہی سلف صالحین میں سے کسی کا کوئی قول موجود ہے جو اس حکم عام کو خاص کرتا ہو۔اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اس حکم عام کو خاص کرنا ایک باطل چیز ہے ، جو کہ نا قابل قبول ہے، نہ اس کے ساتھ حجت قائم کی جا سکتی ہے اور نہ ہی اس کی طرف توجہ کی جائے گی۔

کتاب ''البیعة'' کے مصنف نے جو عقلی قیاس پیش کیا ہے کہ اس مسئلہ کی عدم تخصیص کے قائل صریح قسم کی گمراہی میں مبتلا ہیں، یہ قیاس سراسر شدت، سختی اور غلو پر مبنی ہے۔دلائل ونصوص سے بے خبر انسان ہی ایسی بات کہہ سکتا ہے۔ بلکہ یہ ایک قسم کی گالی ہے جس کا شکار ہمارے سلف صالحین بھی ہوتے ہیں ۔کیونکہ ان میں سے کسی سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے تخصیص کے بارے میں کہا ہو۔ بلکہ ان سے اس مسئلہ کی عدم تخصیص ثابت ہے اس کی وضاحت اپنے مقام پر ذکر کی جائے گی۔

یہ کوئی ایسا اصولی مسئلہ نہیں کہ جس کے مخالف پر صریح گمراہی کا حکم لگایا جا سکے۔

اس لئے ہم کتاب ''البیـــعة'' کے مصنف سے امید رکھتے ہیں کہ وہ اس عبارت پر معذرت پیش کرتے ہوئے اپنی غلطی تسلیم کریں گے اور اللہ تعالی کے حضور توبہ تائب ہونگے۔اس عبارت کو اپنی کتاب سے حذف کر دیں اور کتاب دوبارہ طباعت کا اہتمام کریں۔

(۲) نبی کریم ﷺ سے صحیح حدیث سے ثابت ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں موجود نہیں ہے اس کا مقرر کرنا غلط بات ہے۔اگر چہ ایسی سو شرطیں ہی کیوں نہ ہوں۔اللہ تعالی کا فیصلہ زیادہ درست ہے اور اللہ تعالی کی شرط زیادہ قوی ہے (متفق

علیہ)

اس میں یہ دلیل ہے کہ ہر قسم کے ایسے معاہدے اور شرائط جو کہ کتاب وسنت کے مخالف نہ ہوں طے کرنے جائز ہیں، کیونکہ شریعت کا اصول ہے کہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت درست نہیں۔ اللہ تعالی کی نافرمانی میں کوئی نذر نہیں مانی جاسکتی۔ اللہ تعالی کی مخالفت میں کوئی نذر پوری نہیں کی جائے گی۔ اگر کسی شرط سے کوئی شرعی مخالفت لازم نہ آتی ہو تو اسے پورا کیا جائے گا خاص طور پر اگر اس شرط کے پورا کرنے سے اللہ تعالی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کا کوئی کام ہو رہا ہو تو اس وقت اس شرط کو پورا کرنا لازمی اور ضروری ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ مسلمان اپنی شرائط کو پورا کرنے اور ان کا خیال رکھنے کا بڑا اہتمام کرتے ہیں۔

یہ اسلام کے ایفائے عہد پر توجہ کا نتیجہ تھا کہ نبی کریم ﷺ نے حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ قریش کے ساتھ اپنے کئے ہوئے معاہدے کو پورا کریں اور آپ ﷺ کے ساتھ بدر میں لڑائی کے لئے نہ نکلیں۔ صحیح مسلم میں ہے سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

> مجھے بدر میں شریک ہونے سے صرف اس بات نے روکا کہ میں اور میرے والد گرامی مدینہ جانے کے لئے اپنے گھر سے نکلے تو ہمیں کفار قریش نے پکڑ لیا اور کہنے لگے کہ تم محمد ﷺ کے پاس جانا چاہتے ہو؟ ہم نے کہا کہ ہم تو صرف مدینہ جانا چاہتے ہیں۔ تو انہوں نے اللہ تعالی کے نام پر ہم سے عہد و پیمان لیا کہ ہم مدینہ جا کر محمد ﷺ کے ساتھ مل کر قریش کے خلاف جہاد میں حصہ نہیں لیں گے۔ ہم نے مدینہ پہنچ کر نبی کریم ﷺ کو اس بارے میں بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم دونوں لڑائی سے واپس لوٹ جاؤ ہم ان کے ساتھ کیا ہوا وعدہ نبھائیں گے اور ان کے خلاف اللہ تعالی سے مدد طلب کریں گے۔

اگر مسلمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ کسی کافر کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کو بھی نبھائے گا خواہ اس کا نتیجہ کائنات کی اعلی ترین ہستی کی معیت میں افضل ترین معرکہ ''بدر'' سے محرومی کی صورت میں بھی کیوں نہ نکلتا ہو۔ تو کیا یہ بالاولی ضروری نہیں ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ

اور دوسرے نیک کاموں کی تکمیل کے لئے کیا ہوا وعدہ اور طے کی ہوئی شرائط پوری کرے جو کہ اس نے اپنی خوشی اور رضامندی سے طے کی ہیں۔

اللہ کے بندے غور کر! کہیں تیری سمجھ بوجھ اور عقل و بصیرت تجھے دھوکے میں مبتلا نہ کر دے۔ نقض عہد کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نفاق کی علامت اور منافقین کی خصلت قرار دیا ہے۔ صحیح مسلم وغیرہ میں مذکور ہے:

جس میں چار خصلتیں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے اور جس کسی میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ نہ دے۔ (وہ خصلتیں یہ ہیں) جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب معاہدہ کرے تو عہد شکنی کرے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے، جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ بکے۔

(۳) نیک کاموں پر عہد و پیمان باندھنے کی دلیل بخاری کی اس حدیث سے بھی ملتی ہے: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

جب ابوذر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی سرزمین یعنی مکہ پہنچے تو مسجد میں چلے گئے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنا شروع کر دیا کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے نہیں تھے۔ اس بارے میں وہ کسی سے پوچھنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ علی رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا تو پہچان گئے کہ یہ یہاں پر اجنبی ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ کیا آپ مجھے بتائیں گے نہیں کہ آخر آپ کا یہاں آنے کا مقصد کیا ہے؟ ابوذر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ: اگر آپ مجھے عہد و پیمان دیں کہ آپ میری راہنمائی کریں گے اور اسے راز بھی رکھیں گے تو میں آپ کو بتا سکتا ہوں۔ علی رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے کی حامی بھری تو ابوذر رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے وہاں آنے کے مقصد کے بارے میں آگاہ کر دیا۔ علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے یہ تو بالکل حق ہے اور وہ اللہ تعالی کے رسول ہیں صبح کے وقت آپ میرے ساتھ تشریف لانا۔ (یہ مکمل واقعہ صحیح بخاری میں موجود ہے، حدیث نمبر 3861، اس میں اس بات کا جواز موجود ہے کہ جس وقت دعوت کا کام اور دعوت دینے والے اسلام دشمن طاقتوں کا ھدف ہوں اس وقت ضرورت کے تحت کوئی بات راز رکھی جاسکتی ہے اور اسے راز رکھنے کے لئے کسی سے مدد بھی طلب کی جاسکتی ہے۔)

ابوذر، علی رضی اللہ عنہم سے اس بات پر عہد و پیمان باندھ رہے ہیں کہ وہ جسے تلاش کررہے ہیں اسے تلاش کرنے میں یہ ان کی راہنمائی کریں گے اور وہ جس مقصد کے لئے وہاں آئے ہیں یہ اس مقصد کو راز بھی رکھیں گے۔ علی رضی اللہ عنہ اس بات پر ان سے معاہدہ بھی کرتے ہیں اور ان کی بات بھی مانتے ہیں۔

یہ بات قاری کے علم میں ہونی چاہیئے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ ان دنوں نہ تو خلیفہ تھے اور نہ ہی گورنر، حتی کہ وہ مسلمان بھی نہیں تھے۔ اس کے باوجود علی رضی اللہ عنہ ان کی بات تسلیم کررہے ہیں اور ان سے عہد و پیمان بھی باندھ رہے ہیں۔

④ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق کرنے اور ان کی بیعت کرنے کا قصہ صحیح بخاری میں موجود ہے۔ اس واقعہ میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے کہا کہ تم دونوں میں سے کون اس معاملہ سے دستبرداری کا اعلان کرتا ہے، تاکہ ہم خلیفہ کے چناؤ کا معاملہ اس کے سپرد کردیں۔ اللہ تعالی اس کی مدد کرے اور وہ خود سب سے بہترین انسان کا انتخاب کرلے۔ دونوں بزرگ خاموش رہے تو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کہنے لگے: کیا تم یہ معاملہ مجھے سونپتے ہو؟ اللہ تعالی میری مدد کرے تاکہ میں تم میں سے بہترین انسان کے انتخاب کے بارے میں کوتاہی نہ کروں۔

دونوں نے کہا: ہاں۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے دونوں میں سے ایک کے ہاتھ کو پکڑا اور فرمانے لگے: آپ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریبی رشتہ داری ہے اور میرے علم کے مطابق اسلام قبول کرنے کے لحاظ سے بھی آپ پہلے ہیں۔ میں تم پر اللہ کی قسم ڈالتا ہوں کہ اگر میں تمہیں امیر مقرر کردوں تو تم ضرور انصاف کروگے اور اگر میں عثمان رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کردوں تو تم اس کی بات بھی سنوگے اور اس کی اطاعت بھی کروگے۔ پھر دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے بھی یہی بات کہی۔ جب دونوں سے وعدہ لے چکے تو عثمان سے کہنے لگے آپ اپنا ہاتھ اٹھایئے، اور ان کی بیعت کرلی۔ پھر علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت کی اور ان کے بعد اس گھر کے سب مکین اندر داخل ہوئے اور ان سب نے بیعت کرلی۔

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ خلیفہ نہیں تھے اس کے باوجود انہوں نے عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے عہد و پیمان لیا کہ وہ دونوں خلیفہ کے انتخاب کے سلسلہ میں ان کی بات مانیں گے۔

⑤ عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابوجہل نے معرکہ یرموک کے دن جو کام کیا وہ بھی اس بارے میں ایک بہت بڑی دلیل ہے، ابن کثیر رقمطراز ہیں: سیف بن عمر، ابوعثمان غسانی سے بیان کرتے ہیں وہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں، انہوں نے کہا: عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابوجہل نے یرموک کے دن کہا تھا: میں نے بہت سے معرکوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قتال کیا تھا کیا میں آج تم سے ڈر کر بھاگ جاؤں گا؟ پھر انہوں نے آواز لگائی کہ کون ہے جو موت پر بیعت کرے گا؟ چار سو کے قریب پیدل اور گھڑ سوار مسلمانوں نے ان کی بیعت کی جن میں ان کے چچا حارث بن ہشام اور ضرار بن الأزور بھی شامل تھے۔ سب نے جم کر لڑائی کی یہاں تک کہ سب کے سب زخمی ہوکر گر پڑے، اور ان میں ایک بڑا گروہ شہید بھی ہوگیا۔ ضرار بن الأزور بھی شہید ہونے والوں میں شامل تھے۔ واقدی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ: جب سبھی لوگ زخموں کی وجہ سے گرے پڑے تھے تو ان میں سے کسی نے پانی طلب کیا جب اسے پانی پیش کیا گیا تو ایک دوسرے زخمی نے اس کی طرف دیکھا پہلا زخمی کہنے لگا یہ پانی اس کی طرف لے جاؤ۔ جب اس کے پاس پانی لے جایا گیا تو اس کی طرف کسی اور نے دیکھ کر پانی طلب کیا تو اس نے بھی کہا کہ یہ پانی اس کی طرف لے جاؤ۔ چنانچہ ایک ایک کر کے سبھی پانی ایک دوسرے کی طرف بھیجتے رہے اور سبھی شہید ہوگئے، ان میں سے کسی نے بھی پانی نہ پیا۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۱)

عکرمہ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک بہت بڑے گروہ کی موجودگی میں یہ کام کیا ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک صحابی نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ اس وقت نہ تو خلیفہ تھے اور نہ ہی گورنر تھے ۔عکرمہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر صحابہ رضی اللہ عنہ کا خاموش رہنا اس فعل کے درست ہونے کی دلیل ہے۔

ابن کثیر رقمطراز ہیں: سیف بن عمر نے اس واقعہ کی اسناد اپنے شیوخ تک ذکر کرنے کے بعد کہا کہ یرموک کے دن اس لشکر میں تقریباً ایک ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ جن میں تقریباً ایک سو بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۷/۹)

صحابی رضی اللہ عنہم کے فعل کے درست اور مشروع ہونے پر یہ اجماع صحابہ کی ایک شکل ہے۔

⑥ اسی طرح جو واقعہ جنگ صفین میں پیش آیا، جس وقت علی رضی اللہ عنہ بن ابو طالب نے قیس بن سعید بن عبادہ کو عراق کے لشکر کا امیر بنایا ان کی تعداد تقریباً چالیس ہزار تھی ان سب نے موت پر ان کی بیعت کی (ابن حجر کہتے ہیں: اسے طبری نے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے، فتح الباری: ۱۴/ ۶۷)

قیس رضی اللہ عنہ ان دنوں نہ تو خلیفہ تھے اور نہ ہی لشکر کے سپہ سالار تھے۔ اس کے باوجود ان کے ہاتھوں پر یہ استثنائی بیعت کی گئی۔

⑦ اہل کوفہ نے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کے لئے سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ بیعت کرنے والے تقریباً اٹھارہ ہزار افراد تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۸/۱۵۴)

جبکہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نہ تو خلیفہ تھے اور نہ ہی سپہ سالار تھے۔

⑧ سنت سے یہ بات ثابت ہے کہ مہدی جس کے ظہور کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے لوگ ان کی بیعت کریں گے اور وہ اسے ناپسند سمجھیں گے۔ یہ ان کے خلیفہ بننے اور حکومت حاصل کرنے سے پہلے کا واقعہ ہوگا۔ یہ اس مسئلہ کے بارے میں ایک قوی ترین دلیل ہے۔

⑨ حجاج بن یوسف اور خلیفہ وقت عبدالملک بن مروان کے خلاف خروج کرنے کے لئے لوگوں نے عبدالرحمٰن بن الأشعث کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ بصرہ میں موجود تمام فقہاء وقراء، بزرگوں اور جوانوں نے حجاج اور عبدالملک کو سلطنت سے علیحدہ کرنے کے لئے اس بیعت کی موافقت کی۔ ابن الأشعث کی بیعت کرنے والوں میں جبلہ بن زحر، سعید بن جبیر اور شعبی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ جیسے کبار علماء بھی شامل تھے۔

اسی طرح اہل بصرہ نے سن بیاسی ہجری میں حجاج بن یوسف کے خلاف قتال کرنے کے لئے عبدالرحمٰن بن عیاش بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۹/ ۳۸-۴۲)

⑩ لوگوں نے محمد النفس الزکیہ کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ اہل مدینہ نے عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور کے خلاف خروج کرنے کے لئے ان کے ہاتھوں پر سن ۱۴۵ ہجری میں بیعت کی۔ امام مالک رحمہ اللہ نے ان کی بیعت کا فتوی دیا تھا۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۱۰/ ۸۵-۸۶)

(۱۱) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینے کے اور خلیفہ واثق کے فسق و فجور اور بدعات کے خلاف خروج کے لئے احمد بن نصر الخزاعی کی بیعت کی گئی۔

ابن کثیر رقمطراز ہیں: پھر سن ۲۳۱ ہجری شروع ہوگیا، اس سال احمد بن نصر الخزاعی رحمہ اللہ اللہ تعالی ان کی قبر پر اپنی رحمت کی برکھا برسائے، کو قتل کر دیا گیا۔ سن ۲۰۱ ہجری میں خلیفہ مامون کی بغداد سے غیر حاضری کی کے دوران جب فسادی لوگوں کی اکثریت ہوگئی تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قیام کے لئے بہت سے لوگوں نے احمد بن نصر الخزاعی رحمہ اللہ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی۔ احمد بن نصر رحمہ اللہ صاحب علم وعمل اور مجتہد عالم دین تھے۔ یہ سنت کے امام تھے اور نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے تھے۔ آگے چل کر ابن کثیر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: اسی سال کے شعبان کے مہینہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے، بادشاہ کی طرف سے بدعات کے فروغ، دعوی خلق قرآن اور اس کے حاشیہ برداروں کے گناہ اور بے حیائی کے کاموں میں مشغولیت کی وجہ سے احمد بن نصر رحمہ اللہ کے ہاتھوں پر خفیہ طور پر بیعت کی گئی۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۱۰/ ۳۱۶-۳۱۷)

ان تمام واقعات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہمارے سلف صالحین بھی اس قسم کی بیعتوں میں مشغول رہے ہیں۔ ایسے کئی واقعات یہاں ذکر کر دیئے گئے ہیں، یہ بہت ظاہر اور واضح مسئلہ نہ معلوم کتاب ''البیعۃ'' کے مؤلف کی نگاہوں سے کس طرح اوجھل رہ گیا؟ جو یہ کہتے ہیں: اس قسم کی استثنائی بیعتوں سے ہمارے سلف صالحین کا کیا تعلق؟

تنبیہ: ہم نے خلیفۃ المسلمین کی غیر موجودگی میں جہاد کے شروع کرنے کے بارے میں جو بات کی ہے اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں کا ہر فرد علیحدہ علیحدہ اپنے جداگانہ طریقوں کے مطابق اس فریضے ادا کرنا شروع کر دے۔ اور اس کے نتیجے میں جو نفع و نقصان ظاہر ہونے والا ہے اس کا وہ ہرگز خیال نہ کرے۔ یہ طریقہ بالکل ناقابل قبول ہے اور اس کے قبول نہ کئے جانے کی چند وجوہات ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

① یہ چیز فرقہ بندی اور تنازعات کا باعث بننے والی ہے۔ جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی ہوا

کھڑ جائے گی، ان میں کمزوری پیدا ہوگی اور ان کے نظام میں خلل واقع ہوگا۔ جبکہ اللہ تعالی نے جماعت بندی، تنظیم اورامت کی وحدت کا حکم دیا ہے۔اسی طرح اللہ تعالی نے تمام قسم کے اسباب قوت کواختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔اور فرقہ بندی، تنازعات اور کمزوری کے تمام اسباب سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعاً وَلاَ تَفَرَّقُواْ﴾ (آل عمران:۱۰۳)

اللہ تعالی کی رسی کوسب مل کر مضبوط تھام لواور پھوٹ نہ ڈالو۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَأَطِيعُواْ اللّهَ وَرَسُولَهُ وَلاَ تَنَازَعُواْ فَتَفْشَلُواْ وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ﴾(الأنفال:۴۶)

اور اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے رہو، آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہوجاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفّاً كَأَنَّهُم بُنيَانٌ مَّرْصُوصٌ﴾ (الصّف:۴)

بیشک اللہ تعالی ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں۔

نبی کریم ﷺ سے مروی صحیح حدیث ہے:

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جماعت کو لازم پکڑو اور فرقہ بندی سے اپنے آپ کو بچا کر رکھو، کیونکہ اکیلے آدمی پر شیطان اپنا تسلط جما لیتا ہے، اور وہ دو آدمیوں سے دور بھاگتا ہے۔(حدیث کی تخریج پہلے گذر چکی ہے۔)

آپس میں مناسب نظم ونسق کا نہ ہونا جہادی جماعتوں کے امن اور سلامتی کے لئے سب سے بڑا خطرہ

ہے اوران کے اہداف کی طرف ان کے سفر کے راستے میں رکاوٹ بھی ہے۔

② یہ ایسے فتنے کا باعث ہے جو اس فتنے اور برائی سے بھی بڑا ہے جس کے ازالے کے لئے جہاد شروع کیا جاتا ہے۔ کیونکہ جداگانہ اور علیحدہ علیحدہ طریقوں سے جہاد کرنے کا نتیجہ اکثر اوقات کمزوری اور لامرکزیت کی صورت میں نکلتا ہے۔ جداگانہ طریقوں سے جہاد کرنے سے اکثر اوقات اس بات سے بے خبری رہتی ہے کہ کون سا کام کرنے میں مصلحت ہے اور کون سا کام مصلحت سے خالی ہے، کون سا کام کرنا چاہئیے اور کس کام سے رک جانا بہتر ہے۔ جبکہ جماعتی سطح پر یہ کام کر کے اس قسم کی خامیوں سے بچا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جماعت کے تمام معاملات باہمی تعاون، منصوبہ بندی، نظم وضبط اور مشاورت کے ذریعے طے ہوتے ہیں، اور ہر کام شروع کرنے سے پہلے اس کے نتائج کے بارے میں بھرپور تحقیق اور سوچ بچار کی جاتی ہے۔

③ جہاد کے لوازمات اور شرائط میں یہ بات شامل ہے کہ اس کی ادائیگی کے لئے مناسب قوت لازمی طور پر تیار کی جائے۔ یہ ایک جماعتی ذمہ داری ہے کہ اس کے حصول کے لئے تمام طاقتیں اور امکانات صرف کر دیئے جائیں۔ جماعت کے اندر رہ کر ہر فرد اپنی طاقت کے مطابق یہ فریضہ سرانجام دے۔ یہ ایک فرد یا چند افراد کے کرنے کا کام نہیں، جب تک اس میں ایک پوری جماعت کی طاقت و قوت اور اس میدان میں کام کرنے والے مجاہدین کی سوچ وفکر اور طاقت وقوت کو شامل نہ کیا جائے یہ کام پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی لئے اللہ تعالی نے جہاد کی تیاری کا حکم جمع کے صیغے کے ساتھ دیا ہے اور امت کے کسی فرد کو اس سے مستثنی قرار نہیں دیا۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ﴾ (الأنفال:٦٠)

”تم ان کے مقابلے کے لئے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری کرو“۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى﴾ (المائدہ:٢)

''نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو''۔

سب سے بہترین تقوی اور نیکی کا کام جس پر ایک دوسرے سے تعاون کیا سکتا ہے وہ جہاد فی سبیل اللہ اور اللہ تعالی کے کلمہ کی سربلندی کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کی صورت میں ہوسکتا ہے۔

ہر مسلمان پر اپنے وسائل اور طاقت وقوت کے بقدر جہاد کی تیاری کرنا واجب ہے۔سب سے بہترین وہ ہے جو اپنے مال وجان کے ذریعے جہاد کرتا ہے اور سب سے کم درجے والا وہ ہے جو خیرخواہی اور دعا کے ذریعے اور عزت وآبرو کا دفاع کرنے کے ذریعے مجاہدین کی مدد کرتا ہے۔فریضہ جہاد سے سستی کا شکار ہونے والے منافقین کی زبانیں جب مجاہدین کی عزت وآبرو کو پامال کررہی ہوتی ہیں اس وقت ان کی عزت وآبرو کا تحفظ بھی ایک اعلی درجے کا جہاد ہے۔جو اتنا بھی نہیں کرسکتا کہ مجاہدین کے لئے خلوص کے ساتھ دعا ہی کردے اس کے پاس سوائے نفاق کے اور کچھ نہیں۔اللہ تعالی ہمیں اس سے محفوظ فرمائے۔

اللہ تعالی منافقین کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ أَرَادُواْ الْخُرُوجَ لأَعَدُّواْ لَهُ عُدَّةً وَلَكِن كَرِهَ اللّهُ انبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُواْ مَعَ الْقَاعِدِينَ﴾ (التوبہ:۴۶)

اگر ان کا ارادہ جہاد کے لئے نکلنے کا ہوتا تو وہ اس سفر کے لئے سامان کی تیاری کررکھتے لیکن اللہ کو ان کا اٹھنا پسند ہی نہ تھا اس لئے انہیں حرکت سے ہی روک دیا اور کہہ دیا کہ تم بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے ہی رہو۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿لَّيْسَ عَلَى الضُّعَفَاء وَلاَ عَلَى الْمَرْضَى وَلاَ عَلَى الَّذِينَ لاَ يَجِدُونَ مَا يُنفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُواْ لِلّهِ وَرَسُولِهِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ وَاللّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

(التوبہ:۹۱)

ضعیفوں پر اور بیماروں پر اور ان پر جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ بھی نہیں کوئی حرج نہیں

بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کرتے رہیں، ایسے نیک کاروں پر الزام کی کوئی راہ نہیں، اللہ تعالی بڑی مغفرت ورحمت والا ہے۔

ایسے معذور لوگوں کے لئے کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ خالص نیت کے ساتھ اللہ تعالی، رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کی خیر خواہی کرنے والے ہوں۔ اور خفیہ طور پر مجاہدین کے خلاف اپنے دلوں میں دشمنی رکھنے والے نہ ہوں اور نہ ہی انہیں دھوکا دینے والے ہوں۔

③ تیسری صفت: وہ اللہ تعالی کے لئے دوستی رکھتے ہیں اور اللہ تعالی کے لئے دشمنی رکھتے ہیں:

طائفہ منصورہ کی نمایاں ترین صفات میں سے یہ صفت ہے کہ وہ اللہ تعالی کے لئے دوستی رکھتے ہیں اور اللہ تعالی کے لئے ہی دشمنی رکھتے ہیں۔ مومنوں کے لئے نرم پہلو رکھتے ہیں، آپس میں رحم دل ہیں، کافروں کے لئے ترش رو ہیں اور ان پر سختی کرنے والے ہیں۔ ان کے ہاں دوستی کا معیار صرف اور صرف عقیدہ ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالی سے تعلق قائم ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاء عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاء بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح: ۲۹)

محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحمدل ہیں۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَلاَ يَخَافُونَ لَوْمَةَ لآئِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ (المائدہ: ۵۴)

اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالی بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہوگی وہ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت اور تیز ہوں گے کفار پر، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی

ملامت کی پرواہ بھی نہ کریں گے، یہ ہے اللہ تعالی کا فضل جسے چاہے دے، اللہ تعالی بڑی وسعت والا اورزبردست علم والا ہے۔

یہ آیت مبارکہ طائفہ منصورہ کی تقریبا تمام صفات کا مجموعہ ہے۔اللہ تعالی اوراس کے رسول ﷺ کی اتباع ان صفات میں شامل ہے جس کا اظہار ارشاد ربانی (یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ) سے ہوتا ہے۔یہ صفت صرف اسی کو حاصل ہوسکتی ہے جس میں سنت نبوی کی مکمل پیروی کی صفت بدرجہء اتم موجود ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّهُ﴾ (آل عمران:۳۱)

کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالی سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالی تم سے محبت کرے گا۔

اتباع کی صفت اگر بندے میں درجہ کمال تک پہنچ جائے تو اس کی اللہ تعالی کے ساتھ محبت پایہء تکمیل کو پہنچ جاتی ہے، اس کے نتیجے میں اللہ تعالی بھی اس بندے سے کمال کی محبت کرتے ہیں۔

اسی طرح کسی بندہ میں نبی کریم ﷺ کی اتباع کا کمال کے درجہ کو پہنچ جانا اللہ تعالی کے ساتھ محبت کے کمال کی دلیل ہے۔دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں اوراسی طرح دونوں ایک دوسرے کی سچائی کی دلیل بھی ہیں۔

طائفہ منصورہ کی صفات میں ایک صفت جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے۔وہ حق کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے خوفزدہ نہیں ہونگے۔اس صفت کا اظہار مذکورہ آیت کریمہ میں (يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَلاَ يَخَافُونَ لَوْمَةَ لآئِمٍ) سے ہوتا ہے۔

طائفہ منصورہ کی صفات میں ایک صفت ''الولاء والبراء ''یعنی اللہ کے لئے دوستی کرنا اوراللہ کے لئے دشمنی رکھنا بھی ہے۔یہ دوستی اوردشمنی ایمان اورعقیدے کی نسبت کی بناپر ہوتی اس صفت کا اظہار مذکورہ آیت میں ﴿أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ سے ہوتا ہے۔اللہ تعالی نے مومنین کی اس صفت کا تذکرہ ایک دوسری آیت میں بھی کیا ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ (التوبہ:۷۱)

''مومن مرد وعورت آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار ومعاون اور) دوست ہیں''۔

اور فرمایا:

﴿لَّا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران:۲۸)

''مومنوں کو چاہئے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں''۔

اللہ تعالی نے ایمان والوں کے علاوہ کسی دوسرے سے دوستی لگانے کو نفاق، کفر اور جھوٹ کی علامات قرار دیا ہے۔ غیروں سے دوستی کرنے والے لوگ اگرچہ اپنی زبان سے اس بات کا اقرار نہ بھی کرتے ہوں ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ﴾ (المائدہ:۸۱)

اگر انہیں اللہ تعالی پر اور نبی پر اور جو نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان ہوتا تو یہ کفار سے دوستیاں نہ کرتے۔

اور فرمایا:

﴿وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ﴾ (المائدہ:۵۱)

''تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انہی میں سے ہے''۔

اور فرمایا:

﴿أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن دُونِي أَوْلِيَاءَ﴾ (الکہف:۱۰۲)

کیا کافر یہ خیال کئے بیٹھے ہیں؟ کہ میرے سوا وہ میرے بندوں کو اپنا حمایتی بنالیں گے؟

ایسا ہونا بہت محال ہے، اگر ایسا ہوجائے تو وہ اللہ کے بندہ ہونے کی صفت سے نکل کر شیطان اور طاغوت کے بندے ہونے کی صفت میں داخل ہوجائیں گے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ (الأعراف:۲۷)

ہم نے شیطانوں کو ان ہی لوگوں کا دوست بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

اور فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَآؤُهُمُ الطَّاغُوتُ﴾ (البقرہ:۲۵۷)

''اور کافروں کے اولیاء شیاطین ہیں۔

اللہ کے لئے دوستی اور اللہ کے لئے دشمنی ایمان کا ایک مضبوط ترین سہارا ہے، یہ صفت صرف کامل ایمان والوں کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

اللہ کے لئے دوستی رکھنا اور اللہ کے لئے دشمنی رکھنا، اسی طرح اللہ کے لئے محبت کرنا اور اس کے لئے بغض رکھنا ایمان کا ایک مضبوط ترین سہارا ہے۔ (أحمد، حاکم، طبرانی، صحیح الجامع:۲۵۳۹)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

جس نے اللہ کے لئے محبت کی، اللہ کے لئے بغض رکھا، اللہ کے لئے عطا کیا اور اللہ کے لئے روکا اس کا ایمان مکمل ہو گیا۔ (أبوداؤد، السلسلۃ الصحیحۃ:۳۸۰)

جو بات ہم یہاں ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ طائفہ منصورہ- جو کہ جہاد اور عمل کے لحاظ سے اس امت کا افضل ترین گروہ ہے- کی دوستی اور دشمنی صرف اور صرف عقیدے کی بنیاد پر ہوتی ہے، اس کے علاوہ ان کے سامنے دوستی اور دشمنی کا کوئی دوسرا معیار نہیں ہے۔ یہ اسی سے محبت کرنے والے ہیں جس سے اللہ تعالی محبت کرتا ہے اور اسے پسند فرماتا ہے، اور اسے پسند کرتے ہیں جسے اللہ تعالی ناپسند کرتا ہے اور اس سے ناراض ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کسی تعلق، رابطے یا زمینی حقائق کا خیال نہیں رکھتے۔ کسی آدمی کی عزت واحترام ان کے ہاں صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ وہ جسقدر حق سے قریب ہوتا ہے یہ اسی قدر شدت سے اسے چاہتے ہیں، اور جو جسقدر اللہ کا نافرمان اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے دور ہوتا ہے وہ اسی قدر ان کی طرف سے دشمنی اور عداوت کا مستحق ہوتا ہے۔ قطع نظر اس بات سے کہ وہ کس رنگ ونسل یا کس وطن سے تعلق رکھنے والا

ہے۔ طائفہ منصورہ کی طرف سے دشمنی اور عداوت کا مستحق صرف وہی شخص ہوتا ہے جو کافر ہو، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہو، اور شیطان اور طاغوت قوتوں کا غلام ہو۔

اسلام کی نگاہ میں فضیلت کا معیار رنگ ونسل سے قطع نظر صرف تقوی اور عمل صالح ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (الحجرات:۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور اس لئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کنبے اور قبیلے بنا دیئے ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے۔

اسی معیار پر فضیلت اور برتری قائم ہوتی ہے اور یہی دوستی اور دشمنی کا معیار ہے۔ طائفہ منصورہ دوسروں کے ساتھ تعلق قائم کرنے میں اس معیار کو لازم پکڑے ہوئے ہے۔ جو لوگ عقیدہ وایمان کے تعلق کی بجائے کسی دوسرے تعلق کی بنیاد پر دوستی ودشمنی کو اختیار کئے ہوئے ہیں وہ بہت بڑے خطرے کی حد کو چھو رہے ہیں۔ اور وہ لوگ طائفہ منصورہ کی صفات وعادات سے بہت دور ہیں اگرچہ وہ زبانی طور پر اس بات کا دعوی کرتے رہیں کہ ان کا تعلق طائفہ منصورہ سے ہے۔

زمانہ جاہلیت کی دوستی کی مختلف صورتیں جو اس وقت امت میں عام پھیلی ہوئی ہیں، جن سے بچنا نہایت ضروری ہے:

ضروری ہے کہ موجودہ دور میں پھیلی ہوئی زمانہ جاہلیت کی مختلف صورتوں کی طرف اشارہ کر دیا جائے تاکہ مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے اور حق باطل سے متمیز ہو جائے۔ زمانہ جاہلیت کی ان جھوٹی محبتوں نے امت کو مختلف گروہوں میں بانٹ دیا ہے اور مختلف سلسلوں کی طرف منسوب کر دیا ہے حالانکہ اللہ تعالی نے اس بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ اکثر لوگوں نے ان باطل تعلقات کو دوستی اور دشمنی کا معیار بنا رکھا ہے۔ وہ اللہ تعالی کی بجائے ان تعلقات کی بنا پر آپس میں حقوق وفرائض کی تقسیم کرتے

ہیں۔ جاہلیت کے ان باطل تعلقات کی مختلف صورتیں مندرجہ ذیل ہیں:

① کسی خاص جماعت کے ساتھ نسبت کی بنا پر دوستی اور دشمنی کا معیار مقرر کرنا: مثال کے طور پر کسی جماعت سے تعلق کی بنا پر دوستی اور دشمنی کھڑی کرنا۔ اگر تو اس کا تعلق ان کی جماعت سے ہے تو یہ اس سے محبت بھی کریں گے، اسے اپنے قریب بھی کریں گے اور اس سے تعلق بھی قائم کریں گے۔ جو ان کی جماعت سے تعلق نہیں رکھتا اس سے دشمنی اور عداوت رکھیں گے۔ قطع نظر اس بات سے کہ وہ دینی اعتبار سے اور اخلاق و عادات کے لحاظ سے کیسا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی جماعت کے صحیح یا غلط فیصلے اور نیک و بد کام میں صرف اس وجہ سے اس کا حامی و ناصر بن کے رہنا کہ یہ موقف اور منشور خاص ہماری جماعت کی طرف سے جاری کیا گیا ہے۔

اگر اس جماعت پر کوئی تنقید کی جائے خواہ وہ درست تنقید ہی کیوں نہ ہو فوراً ان کا رنگ بدل جاتا ہے اور شدت غضب کی وجہ سے یہ تنقید کا رخ فوراً اس کی طرف موڑ دیتے ہیں جو ان کی جماعت پر تنقید کرنے کی جرأت کرتا ہے۔

ان لوگوں کے ہاں ہر چیز پر تنقید کی جا سکتی ہے، ہر چیز قابل گرفت اور قابل درستگی ہو سکتی ہے صرف ان کی جماعت، اس جماعت کے اکابرین اور جماعت کے افکار و نظریات اور مبادیات پر تنقید نہیں کی جا سکتی۔

اس جماعتی محبت کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جماعت کی طرف سے جاری ہونے والی تمام تعلیمات و فرامین کو مکمل طور پر صرف اس وجہ سے مان لینا کہ یہ میری جماعت کی طرف سے جاری شدہ ہیں قطع نظر اس بات سے کہ وہ درست ہیں یا غلط، یا حق کے موافق ہیں یا نہیں؟ اور نہ ہی ان فرامین کے بارے میں اللہ تعالی کا حکم جاننے کے لئے انہیں شریعت کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔

اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اپنی جماعت کے احکام و فرامین کو اللہ تعالی کے احکام و فرامین پر مقدم کیا جائے۔ جنہوں نے دوستی اور دشمنی کے لئے جماعتی تعلق کو معیار بنا رکھا ہے ان کا یہ سب سے بڑا جرم ہے جس پر ان کا ضرور مواخذہ کیا جانا چاہیئے۔

ان لوگوں کے ہاں ایک برائی یہ بھی ہے کہ حق کو صرف اسی صورت میں قبول کرتے ہیں اگر ان کی

جماعت کی طرف سے بیان کیا جارہا ہو۔ اگر کسی دوسرے ذریعے سے حق ان تک پہنچے تو یا تو اسے بالکل قبول نہیں کرتے یا پھر اسے قبولیت کا وہ درجہ نہیں دیتے جو اس صورت میں دینے والے تھے اگر حق ان کی جماعت کے ذریعے سے انہیں حاصل ہوتا۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ اگر آپ ان میں سے کسی سے کسی مسئلہ پر بات چیت کر کے دیکھ لیں، باوجودیکہ آپ حق پر ہوں گے لیکن وہ پھر بھی آپ سے اس بارے میں جھگڑا کرے گا اور آپ جس حق پر ہیں وہ اس کی قدرو قیمت کم کرنے کی کوشش کرے گا، لیکن اگر آپ اس سے یہ کہہ دیں کہ بھئی جس طریقے کو میں بیان کررہا ہوں بعینہ تمہاری جماعت کا بھی یہی نظریہ ہے اور تمہاری جماعت کے اکابرین بھی اس بات کے قائل ہیں، آپ اسے دیکھیں گے کہ وہ فوراً اپنے جھگڑے سے رجوع کر کے آپ کے سامنے اقرار کرے گا کہ واقعی یہ بات صریح حق ہے۔

اگر اس جماعت کے قائدین اور اکابرین سے کوئی بہت بڑی صریح غلطی ہوجائے تو کارکنوں کو آپ دیکھیں گے کہ مختلف قسم کی تاویلیں پیش کررہے ہیں اور ان کی غلطی کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں گویا کہ کچھ ہوا ہی نہیں۔ جبکہ اس قسم کی یا اس سے بھی چھوٹی غلطی اگر کسی دوسری جماعت یا دوسرے شخص سے ہوجائے تو یہ اسے بالکل معاف نہیں کرتے۔ بلکہ اس کی طرف طعن و تشنیع کے تیر برساتے ہیں، اسے برے القابات سے نوازتے ہیں اور گناہ گار قرار دیتے ہیں۔

یہ سب کی سب جماعت کی بنیاد پر محبت کرنے کی مختلف صورتیں ہیں جو کہ نہایت ہی قابل مذمت ہیں۔ اللہ تعالی نے اس سے منع بھی فرمایا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس بارے میں رقمطراز ہیں: اگر ان لوگوں کے اکٹھا ہونے کا مقصد بغیر کسی کمی زیادتی کے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی پیروی کرنا ہو، وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے بھی ہوں تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر وہ اس میں کسی کمی زیادتی کے مرتکب ہوں، مثلاً تعصب کی وجہ سے اپنے اہل جماعت کا ساتھ دینے والے ہوں خواہ وہ حق پر ہوں یا باطل پر، اور جو ان کی جماعت سے تعلق رکھنے والے نہ ہوں ان سے اعراض برتنے والے ہوں خواہ وہ حق پر ہوں یا باطل پر۔ یہ تفرقہ بندی اور اختلافات کی وہ قسم ہے جس کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

نے مذمت بیان کی ہے۔اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جماعت کے ساتھ ملنے اور آپس میں الفت و محبت پیدا کرنے کا حکم دیا ہے اور فرقہ بندی اور اختلافات سے منع فرمایا ہے۔نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کا تعاون کرنے کا حکم دیا ہے اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کا تعاون کرنے سے منع فرمایا ہے۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ ایک دوسرے مقام پر رقمطراز ہیں: جو کسی شخص سے اس شرط پر معاہدہ کرتا ہے اس کے دوستوں سے دوستی رکھے گا اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھے گا، اس کا یہ فعل تاتاریوں جیسا ہوگا جو کہ شیطان کے راستے میں جہاد کرنے والے ہیں۔ایسے لوگ نہ تو اللہ کے راستے کے مجاہد ہیں اور نہ ہی مسلمانوں کے لشکر سے ان کا کوئی تعلق ہے۔ایسے لوگوں کو مسلمانوں کے لشکر میں شامل کرنا جائز نہیں بلکہ یہ شیطان کے لشکری ہیں۔

(۲) کسی بزرگ یا عالم کی ذات کی بنیاد پر دوستی کرنا، بزرگوں کے ساتھ نسبت کی بنیاد پر دوستی و دشمنی کا معیار مقرر کرنا:

مسلمانوں کے علاقوں میں جھوٹی محبتوں کی جو مختلف صورتیں رواج پذیر ہیں ان میں ایک صورت کسی بزرگ کی ذات کی بنیاد پر محبت کرنا ہے۔اس کی متعدد صورتیں ہیں:

☆ لوگ کسی بزرگ سے محبت کرتے ہیں اس کی بنیاد پر کسی سے دوستی رکھتے ہیں اور اسی کی بنیاد پر دشمنی رکھتے ہیں۔ جو اس بزرگ سے محبت کرنے والا اور اس کی بیعت کرنے والا ہو اس سے محبت کرتے ہیں اور جو اس بزرگ کا دشمن ہو اس سے دشمنی رکھتے ہیں، اس بات سے قطع نظر کہ وہ دینی اور اخلاقی لحاظ سے کیسا ہے اور ان میں عملی اعتبار سے کون بہتر ہے۔

☆ ایک صورت یہ ہے کہ تعصب کی بنا پر اس بزرگ کے صحیح یا غلط اقوال کو سینے سے لگائے رکھنا اور صرف اس خاطر ان کا دفاع کرتے رہنا کہ یہ ہمارے بزرگ کی طرف سے جاری کردہ اقوال و افعال ہیں اور انہیں کتاب وسنت کی طرف نہ لوٹانا۔

☆ ایک صورت یہ ہے کہ اس بزرگ کے پیروکار اپنے بزرگ کے بارے میں کسی تنقید یا بزرگ

کے تعاقب کو بالکل پسند نہیں کرتے۔ اگر کوئی کسی مسئلہ یا کسی چھوٹی سی چیز کے بارے میں اس بزرگ پر تنقید کرتا ہے اگرچہ وہ ایسا کرنے میں حق بجانب ہی کیوں نہ ہو، بزرگ کے پیروکاروں کے تاثرات فوراً تبدیل ہو جاتے ہیں اور وہ فوراً تنقید کرنے والے کی زجر و توبیخ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کی نگاہ میں بزرگ ایک ایسی فافوق الفطرت ہستی ہے جس پر تنقید یا اس کا تعاقب نہیں کیا جاسکتا۔

☆ ایک صورت یہ ہے کہ وہ اپنے بزرگ کے اقوال و فتاوی کو انتہا درجے مقدس تصور کرتے ہیں گویا کہ یہ آسمان سے نازل ہونے والے حروف ہوں جن کا مناقشہ یا تردید نہیں کی جاسکتی۔ ان لوگوں کے ہاں ہر شخص کی بات تسلیم بھی کی جاسکتی ہے اور رد بھی کی جاسکتی ہے، سوائے ان کے بزرگ کے اس کی بات صرف تسلیم ہی کی جائے گی اسے رد نہیں کیا جاسکتا۔ اگرچہ وہ زبان سے ایسا نہ بھی کہنے والے ہوں لیکن ان کے اعمال ضرور اس بات کی گواہی دیتے ہیں، اکثر اوقات زبان حال زبان قال سے بھی زیادہ قابل اعتبار ہوتی ہے یعنی قول کا اتنا اعتبار نہیں ہوتا جسقدر عمل کا اعتبار ہوتا ہے۔

☆ ایک صورت یہ ہے کہ شیخ کے قول کو کتاب و سنت پر صرف اس خیال کے تحت مقدم کر دیا جانا کہ عام لوگ کتاب و سنت کو سمجھ نہیں سکتے اور سبھی لوگ فہم و فراست اور علم میں فلاں بزرگ سے کمتر ہیں، اور وہ بزرگ ان تمام لوگوں سے زیادہ کتاب و سنت کا علم رکھنے والے اور اسے سمجھنے والے ہیں۔ یہ لوگ صرف اسی وجہ سے کتاب و سنت کی مخالفت کرتے ہیں کہ ہمارا شیخ کتاب و سنت کو زیادہ جاننے والا ہے اور عام لوگوں کے پاس ان کا اسقدر علم نہیں ہے۔

☆ ایک صورت یہ ہے کہ جب حق امام یا بزرگ کے قول کے مخالف ہو تو حق کو رد کر دیا جائے اور امام یا بزرگ کے قول کو ہی قبول کیا جائے اگرچہ وہ قول باطل اور کتاب و سنت کی صریح نصوص کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

☆ ایک صورت یہ ہے کہ حق صرف اسی صورت میں قبول کیا جائے گا اگر وہ ان کے امام یا شیخ کی طرف سے یا اس کے طریقے کے مطابق ہو، اگر حق کسی دوسرے ذریعے سے ان تک پہنچے تو اسے وہ مقبولیت حاصل نہیں ہوتی جو مقبولیت اسے اس صورت میں ملنے والی تھی اگر وہ ان کے شیخ کے ذریعے

سے ان تک پہنچتا۔

☆ ایک صورت یہ ہے کہ تاویل کے ذریعے اپنے شیخ کی غلطیوں پر ہمیشہ پردہ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جبکہ اگر یہی غلطی کسی دوسرے سے سرزد ہو جائے تو اسے گناہ گار اور مجرم قرار دیا جاتا ہے سبھی اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے اور اسے کبھی معاف نہیں کیا جاتا۔ اگر کسی بزرگ یا کسی عام شخص کے بارے میں کوئی غلط بات کہہ دی جائے تو یہ اس سے خوش ہوتے ہیں یا کم از کم انہیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ لیکن اگر ان کے شیخ یا بزرگ کے بارے میں ایسی کوئی بات کہہ دی جائے اگرچہ وہ درست ہی کیوں نہ ہو ان کا غصہ فوراً بھڑک اٹھتا ہے اور تھامے نہیں تھمتا۔ ان کی موجودگی میں ایسا ہو جانا ناممکن ہے اور وہ اس کی کبھی اجازت نہیں دیتے۔

ان کے ہاں ان کے اپنے بزرگ کا گوشت (یعنی اس کی غیبت کرنا) زہر ہلاہل سے بھی زیادہ قاتل زہر ہے جبکہ دوسرے اہل علم وفضل بزرگوں کا گوشت (ان کی غیبت کرنا) ان کے ہاں بڑا لذیذ اور مرغوب ہوتا ہے، اسے نوچنے اور کھانے میں ان کے ہاں کوئی مضائقہ نہیں۔

اگر لوگ اپنے بزرگوں اور علماء کے بارے میں اس درجہ تک پہنچ جائیں تو ان پر لازمی طور پر اللہ تعالی کا وہ فرمان صادق آتا ہے جو اللہ تعالی نے اہل کتاب کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ﴾ (التوبہ:۳۱)

''ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے''۔

کیونکہ انہوں نے بھی خطاؤں کے باوجود اپنے علماء کی پیروی کی تھی۔ ان کے علماء نے اللہ تعالی کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کیا اور حلال کردہ چیزوں کو حرام کیا تو اہل کتاب نے ان کی تابعداری کی۔ اور تورات وانجیل میں موجود اللہ تعالی کے احکام وفرامین پر اپنے علماء کے احکام وفرامین کو مقدم کیا تو اللہ تعالی نے وعید کے طور پر قرآن میں یہ حکم نازل فرمایا کہ ان لوگوں نے اللہ تعالی کو چھوڑ کر اپنے علماء کی پیروی کی اور انہیں رب تسلیم کر لیا۔

عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم کے بارے میں احادیث میں یہ واقعہ مذکور ہے:

عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے وہ اس وقت تک ابھی عیسائی ہی تھے۔انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا:۔

﴿اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُواْ إِلاَّ لِيَعْبُدُواْ إِلَـهاً وَاحِداً لاَّ إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (التوبہ:۳۱)

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔

عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا ایسا نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالی کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کردیتے ہیں تو تم بھی انہیں حرام سمجھ لیتے ہو،اور وہ اللہ تعالی کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرلیتے ہیں تو تم بھی انہیں حلال سمجھ لیتے ہو؟ عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے عرض کی: بالکل ایسا ہی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہی تو ان کی عبادت ہے۔

ابو البختری کا قول ہے: اگرچہ بنی اسرائیل نے اپنے علماء کی طرف منہ کر کے نماز نہیں پڑھی،اگر وہ انہیں ایسا حکم دے بھی دیتے تو بنی اسرائیل والے کبھی ان کے لئے رکوع وسجود یا قربانی نہ کرتے۔لیکن انہوں نے انہیں حکم دیا اور انہوں نے اللہ تعالی کے حلال کردہ کو حرام کردیا اور اللہ تعالی کے حرام کردہ کو حلال کردیا تو انہوں نے ان کی بات مان لی یہ بھی ان کی ربوبیت کو تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔

ربیع بن انس کا قول ہے: میں نے ابو العالیہ سے پوچھا کہ بنی اسرائیل نے اپنے علماء کو اپنا رب بنا لیا، اس کا مفہوم کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اس کا مفہوم یہ ہے کہ بنی اسرائیل والوں نے کتاب اللہ میں موجود تمام اوامر ونواہی کو دیکھ لیا لیکن اس کے باوجود انہوں نے کہا کہ ہم اس بارے میں اپنے علماء سے ذرہ برابر بھی آگے نہیں بڑھیں گے۔ہم وہی بات مانیں گے جس کا وہ ہمیں حکم دیں گے اور اسی بات سے رکیں گے جس بات سے وہ ہمیں روکیں گے۔انہوں نے انسانوں سے نصیحت چاہی اور کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا۔(فتاوی ابن تیمیہ:۷/ ٦۷)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: جسے معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کو سمجھنے میں غلطی کر رہا ہے، وہ اس کی غلطی کے باوجود اس کی پیروی کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے روگردانی کرتا ہے اس کا بھی اس شرک میں حصہ ہے جس کی اللہ تعالی نے مذمت بیان کی ہے۔(فتاوی ابن تیمیہ:۷/۷۱-۷۲)

شیخ الاسلام رحمہ اللہ ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: اگر استاذ کی یہ خواہش ہو کہ اس کا شاگرد ہر بات میں اس کی پیروی کرے، جس سے وہ محبت کرتا ہے وہ اسی سے محبت کرے اور جس سے وہ دشمنی رکھتا ہے وہ بھی اسی سے دشمنی رکھے۔ایسا کرنا حرام ہے۔کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو اس طرح کا حکم دے، اور ایسے حکم کو ماننا بھی جائز نہیں۔ بلکہ امت کو جمع کرنا سنت ہے اور ان میں تفرقہ ڈالنا بدعت ہے۔ دیکھا جائے تو اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی پیروی کرنا امت کے درمیان اتفاق کا باعث ہے، اور اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے امت میں افتراق و انتشار پیدا ہوگا۔

جس کسی نے کسی دوسرے سے اس شرط پر معاہدہ کیا کہ وہ اس کے دوست سے دوستی کرے گا اور اس کے مخالفین سے دشمنی رکھے گا، ایسا کرنے والے تاتاریوں کی جنس میں سے ہیں جو کہ شیطان کے راستے میں جہاد کرنے والے ہیں۔ایسے لوگ نہ تو مجاہدین فی سبیل اللہ ہیں اور نہ ہی یہ مسلمانوں کے لشکر سے تعلق رکھنے والے ہیں۔انہیں مسلمانوں کے لشکری کہنا درست نہیں کیونکہ یہ شیطان کے لشکری ہیں۔
(فتاوی ابن تیمیہ:۲۸/۱۹-۲۰)

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فرعون اور ابلیس میں سے ہر ایک کا یہی مطالبہ تھا کہ اللہ تعالی کو چھوڑ کر ان کی اتباع و عبادت کی جائے۔فرعون اور ابلیس میں یہ ظلم انتہا درجے کو پہنچا ہوا تھا۔تمام انس و جن کے نفوس میں اگر کچھ ایسا ہے تو یہ اسی ظلم کا حصہ ہے۔کیونکہ ہر انسان اپنے بارے میں ہر ممکن حد تک یہ چاہتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے اور اسے سر بلندی حاصل ہو۔انسانی نفوس سر بلندی اور اختیار کے حصول کی محبت سے لبریز ہیں۔آپ دیکھیں گے کہ ایسے لوگ صرف انہیں سے محبت کرتے ہیں جو کہ ان کی

نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے میں ان کی موافقت کرنے والا ہو۔اور جوان کی نفسانی خواہشات کا مخالف ہو یہ اس سے دشمنی رکھنے والے ہوتے ہیں۔ان کی خواہشات وارادے ہی ان کے معبود ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا﴾ (الفرقان:۴۳)

''کیا آپ نے اسے بھی دیکھا جو اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہے۔

ایسے لوگوں کے ہاں عام لوگوں کی حیثیت وہی ہے جو کافر بادشاہوں کے ہاں ان کی عوام کی حیثیت ہے۔انہوں نے اپنی رعایا کو''یال''،''یاغی''یعنی میرا دوست اور میرا دشمن،دوگروہوں میں تقسیم کررکھا ہے۔ جوان کی موافقت کرنے والا ہے وہ ان کا دوست ہے خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہواور جوان کی موافقت نہ کرے وہ ان کا دشمن ہے خواہ وہ متقی پرہیزگار ہی کیوں نہ ہو،یہی فرعون کا حال تھا۔

ایسے حکمرانوں میں سے ہر کوئی اس بات کا خواہش مند ہوتا ہے کہ ہر ممکن حد تک اس کی پیروی کی جائے ،لیکن یہ لوگ ابھی تک دعوی الوہیت اور خالق کائنات کے انکار کی اس حد تک نہیں پہنچے ہوتے ہیں جس حد تک فرعون جا پہنچا تھا۔یہ لوگ اگرچہ خالق کائنات کا اقرار کرتے ہیں لیکن پھر بھی اگر کوئی شخص یہ دعوت پیش کرے کہ ایسے لوگوں کی اطاعت چھوڑ کر صرف اللہ کی اطاعت کرو تو یہ اس کے اس طرح دشمن بن جاتے ہیں جیسا کہ فرعون نے موسی علیہ السلام سے دشمنی کی تھی۔اکثر حکمرانوں کے پاس عقل اور ایمان کی کچھ رمق موجود ہوتی ہے وہ اس حد تک تو نہیں پہنچتے لیکن اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کروانا شروع کر دیتے ہیں۔اگر لوگ ان کے جائز فرامین کو مان رہے ہوں تو یہ اس کے ساتھ اس بات کا مطالبہ بھی شروع کر دیتے ہیں کہ ان کے ذاتی اغراض ومقاصد کو بھی مانا جائے خواہ وہ گناہ اور اللہ تعالی کی نافرمانی کے کام ہی کیوں نہ ہوں۔جو لوگ ان کی بات مان لیتے ہیں وہ انہیں ان لوگوں کی نسبت زیادہ عزیز ہوتے ہیں جو صرف اللہ کی اطاعت کرنے والے ہوں اور ان کی ناجائز خواہشات کو ماننے سے انکار کر دیں۔یہ بھی فرعون اور رسولوں کے انکاری تمام لوگوں کے رویے کی ایک قسم ہے۔(فتاوی ابن تیمیہ: ۸/ ۲۱۷)

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: معلمین کو ایسا نہیں ہونا چاہئیے کہ وہ لوگوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیں اور ایسی تعلیمات دیں جو لوگوں کے درمیان دشمنی اور عداوت پیدا کرنے کا باعث ہوں۔ بلکہ انہیں بھائی چارے کی فضا پیدا کر کے نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا چاہئیے۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (المائدہ:۲)

نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم وزیادتی میں مدد نہ کرو، اور اللہ تعالی سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالی سخت سزا دینے والا ہے۔

معلمین میں سے کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی سے اس شرط پر بیعت لے کہ وہ اس کی ہر خواہش کی موافقت کرے گا، اور اسی سے دوستی رکھے گا جس سے اس کی دوستی ہو گی اور اسی سے دشمنی رکھے گا جس سے اس کی دشمنی ہو گی۔ایسا کرنا تو چنگیز خان اور اس کے نہج پر چلنے والے دوسرے ظالم بادشاہوں کے طریق کار پر چلنے کے مترادف ہو گا۔کیونکہ جو ان کا حمایتی ہوتا تھا وہ اسے اپنا دوست سمجھتے تھے اور جو ان کا مخالف ہوتا تھا وہ ان کا دشمن اور باغی سمجھا جاتا تھا۔

ایسا کرنے والے لوگوں کے لئے لازمی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں اور وہی کام کریں جس کا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔

اگر دو معلمین کے درمیان، یا دو شاگردوں کے درمیان یا استاذ اور شاگرد کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو جائے تو کسی کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ بغیر حق جانے کسی ایک کی حمایت کرے۔کسی کی حمایت نہ تو بے علمی میں کرنی چاہئیے اور نہ ہی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے ایسا کرنا چاہئیے۔ جب حق واضح ہو جائے تو جھوٹے کے خلاف سچے کی حمایت کرنا ضروری ہے۔سچا خواہ اپنے ساتھیوں میں سے ہو یا کسی دوسرے کے ساتھیوں میں سے اس کی حمایت کی جائے گی اور جھوٹا خواہ اپنے ساتھیوں میں سے ہو یا کسی دوسرے کے ساتھیوں میں سے اس کی مخالفت کی جائے گی۔ایسا کرنے کا اصل مقصد صرف

یہی ہوگا کہ اللہ واحد کی عبادت کی جائے اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی جائے، حق کی پیروی کی جائے اور انصاف کو قائم کر دیا جائے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُونُواْ قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاء لِلّهِ وَلَوْ عَلَى أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِينَ إِن يَكُنْ غَنِيّاً أَوْ فَقَيراً فَاللّهُ أَوْلَى بِهِمَا فَلاَ تَتَّبِعُواْ الْهَوَى أَن تَعْدِلُواْ وَإِن تَلْوُواْ أَوْ تُعْرِضُواْ فَإِنَّ اللّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيراً﴾ (النساء: ۱۳۵)

اے ایمان والو! عدل وانصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور خوشنودیء مولا کے لئے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے یا رشتہ دار عزیزوں کے، وہ شخص اگر امیر ہو تو اور فقیر ہو تو دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق ہے، اس لئے تم خواہش نفس کے پیچھے لگ کر انصاف نہ چھوڑ دینا اور اگر تم نے کج بیانی یا پہلوتہی کی تو جان لو کہ جو کچھ تم کرو گے اللہ تعالی اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

جس نے اپنے ساتھی کی طرف میلان اختیار کیا قطع نظر اس بات سے کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا، اس نے جاہلیت کے مطابق فیصلہ کیا اور وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے سے باہر چلا گیا۔ تمام مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ یکجا ہو کر باطل کے خلاف حق کے حمایتی بن جائیں، ان کے ہاں وہی قابل تعظیم ہو جس کی اللہ تعالی نے عظمت بیان کی ہے، ان کے ہاں اولیت اسی کو حاصل ہو جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اولیت دی ہے، ان کے ہاں رسوا کن وہی ہو جس کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مذمت بیان کی ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے حکم اور مرضی کے مطابق ہونا چاہیئے۔ اپنی خواہشات اور مرضی کے مطابق ایسا کچھ نہیں ہونا چاہیئے۔ (فتاوی ابن تیمیہ: ۲۸/ ۱۵-۱۷)

شیخ الاسلام رحمہ اللہ ایک دوسرے مقام پر رقمطراز ہیں: کسی کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ تعریف اور مذمت، محبت اور عداوت، دوستی اور دشمنی اور دعائے رحمت اور لعنت کو ان ناموں کے علاوہ کسی اور نام کے ساتھ جوڑ دے جن ناموں کے ساتھ اللہ تعالی نے انہیں جوڑا ہے۔ جیسا کہ قبیلوں اور شہروں کے نام،

اور مختلف مشائخ اور اماموں کی طرف منسوب مختلف مذاہب اور مختلف طریقوں کے نام۔

مومن خواہ کسی رنگ ونسل سے تعلق رکھنے والا ہواس کے ساتھ دوستی کرنا واجب ہے اور کافر خواہ کسی رنگ ونسل سے تعلق رکھنے والا ہواس سے دشمنی رکھنا واجب ہے۔شیخ کی کلام یہاں ختم ہوتی ہے، اللہ تعالی انہیں پر اپنی رحمت کی برکھا برسائے اور انہیں اپنی وسیع جنتوں میں داخل فرمائے۔(فتاوی ابن تیمیہ: ۲۸/۲۲۷-۲۲۸)

تنبیہ: ضروری ہے کہ ہم علماء کی عزت واحترام اور ان کی درست باتیں تسلیم کرنے کے درمیان اور ان کے ناموں اور مذاہب، سچے اور جھوٹے اقوال پر تعصب کرنے اور ان کی ذات کی بنیاد پر دوستی اور دشمنی قائم کرنے کے درمیان فرق کریں۔

پہلی چیز واجب ہے اللہ تعالی نے اسے اپنے بندوں کے لئے مشروع قرار دیا ہے اور انہیں ایسا کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔جیسا کہ حدیث میں ہے کہ: ایسا شخص ہم میں سے نہیں جس نے ہمارے بڑوں کا احترام نہ کیا، اور ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کیا، اور ہمارے عالم کی قدر نہ پہچانی۔(أحمد، صحیح الترغیب:۹۶)

یعنی عالم کی عزت وتکریم نہ کرنے والا اور اسراف اور غلو کے بغیر ان کی مناسب تعریف نہ کرنے والا اس میں شامل ہے۔

دوسری چیز باطل ہے جو کہ انسان کو شرک میں ڈال دینے والی ہے۔نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور اس سے بڑی شدومد کے ساتھ بچاؤ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ پہلے اس کا تذکرہ گذر چکا ہے۔

یہ تنبیہ ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کیونکہ اکثر لوگ جائز دوستی اور ممنوع دوستی دونوں معاملات کے درمیان خلط ملط کا شکار ہو جاتے ہیں۔وہ دوستی اور تعریف کرنے میں اسراف اور غلو کا شکار ہو جاتے ہیں۔اور اسے اس لئے جائز اور درست سمجھتے ہیں کہ علماء کا امت اور بندوں پر احسان ہے اس لئے ان کی تعریف میں غلو کیا جائے گا۔اس لئے یہ وضاحت اور تنبیہ ذکر کی گئی ہے۔

③ وطن کی محبت یا وطن کی محبت کی بنیاد پر دوستی یا دشمنی اختیار کرنا:

اس سے مراد وطن کی وہ محبت نہیں ہے جو ہر انسان کو اپنی جائے پیدائش ہونے کی وجہ سے اس کی طرف شوق کی صورت میں ہوتی ہے، کیونکہ وطن کی ایسی محبت اور اس کی طرف ایسے شوق کا اظہار تو سنت سے ثابت ہے۔ نبی کریم ﷺ کو جب مشرکین مکہ نے مکہ سے نکال دیا تو اس وقت آپ ﷺ نے مکہ کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا: تو مجھے اللہ تعالی کی زمین میں سب سے زیادہ محبوب ترین ہے۔ اگر تیری قوم والے مجھے یہاں سے نکال نہ دیتے تو میں ہرگز یہاں سے نہ نکلتا۔ وطن کی محبت کا یہ مفہوم جائز اور درست ہے۔ یہاں ہماری مراد ہرگز اس مفہوم سے نہیں ہے بلکہ ہم ایک دوسرے مفہوم کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں جو کہ آج کل تمام ملکوں کے قوانین میں ایک دستور کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ بندوں کے درمیان دوستی اور دشمنی کا معیار اور حقوق و واجبات کی تقسیم اس وطن کی جغرافیائی حدود کی طرف نسبت کی بنیاد پر ہوتی ہے جس کی طرف وہ منسوب ہوتے ہیں۔ دوستی اور دشمنی کے حوالے سے کافر اور مومن اور اہل کفر اور اہل اسلام میں کوئی فرق نہیں ہوتا، جب تک وہ سب ایک وطن کی طرف منسوب ہوتے ہیں سب کے سب دوستی اور دشمنی میں برابر ہوتے ہیں۔

وطنیت کا یہ نظریہ تمام مسلم ممالک میں رائج ہے۔ ان تمام ممالک سے عقیدہ اور دین کی طرف نسبت، تقوی، حسن عمل اور حسن اخلاق کی بنیاد پر دوستی اور دشمنی کا معیار ختم ہو چکا ہے۔ اس نظریہ کے ذریعہ مسلمانوں پر ضروری ہو چکا ہے کہ وہ فاسق و فاجر ترین لوگوں سے اسی طرح محبت کریں جس طرح وہ متقی اور نیک ترین لوگوں سے کرتے ہیں۔ اور فاسق و فاجر لوگوں کو وہی حقوق دیں جو متقی اور پرہیزگار لوگوں کو دیتے ہیں۔ جب تک یہ فاسق و فاجر اور متقی و پرہیزگار ایک ہی وطن کے شہری ہیں دوستی اور دشمنی کا یہی معیار رہے گا۔

اس کے ساتھ ساتھ اس نظریہ سے یہ بات بھی لازم آتی ہے کہ جو شخص اس ملک کی جغرافیائی حدود سے باہر رہتا ہے، یا کسی دوسرے ملک کا باشندہ ہے خواہ وہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ نیک و صالح ہی کیوں نہ ہو اسے ان حقوق اور دوستی کا معمولی سا بھی حصہ نہیں دیا جا سکتا جو اس ملک کا شہری ہونے کی وجہ سے کسی شخص کو مل رہے ہوتے ہیں خواہ وہ سب سے بڑا فاسق و فاجر اور کافر ہی کیوں نہ ہو۔

اکثر ملکوں میں وطن کا یہی مفہوم رائج ہے اور اسی کے مطابق عمل کیا جاتا ہے۔اس حوالے سے یہ ایک ایسے بت کا روپ دھار چکا ہے جس کی اللہ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہے۔دوستی،دشمنی،محبت،عداوت، صلح،جنگ غرض ہر چیز کے لئے وطن کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔وطنیت پرستی کے بعض دعویدار تو اس حد تک دور جا پہنچے ہیں کہ انہوں نے ربوبیت کو صریحاً وطن کی طرف منسوب کر دیا ہے۔اور قربانی اور عبادات کی بہت سی اقسام انہوں نے وطن کے لئے خاص کر دی ہیں۔

مثال کے طور پر دیکھئے!احمد محرم مصری اپنے وطن مصر کے بارے میں کیا کہتا ہے:

اگر لوگ مجھ سے پوچھیں کہ مصر کی محبت کیا ہے؟(تو اس کا جواب یہ ہے کہ)مصر میرا خون،دل ،میرے جسم کا حصہ اور میرا سینہ ہے۔

میں اسی سے خوف کھاتا ہوں اور اسی سے امید رکھتا ہوں،اس کے نقصان سے میں ڈرتا ہوں اور یہی میری امیدوں کا مرکز ہے،یہ نہ تو کوئی راز کی بات ہے اور نہ ہی کوئی انوکھی بات ہے۔

اپنے پرستاروں کے لئے یہی زندگی ہے اور یہی موت ہے،یہی مالداری اور یہی فقیری ہے، یہی امن ہے اور یہی خوف ہے۔

یہی جاری چشمہ ہے،یہی ناراضگی اور یہی رضامندی ہے،یہی دین و دنیا ہے،اسی سے لوگ ہیں اور زمانہ ہے۔

ہمارا اسی پر ایمان ہے،ہمیں خواہشات کا غلام کہنے والے سن لے!ہم وطن پر ایمان لائے ہیں اور تیرا انکار کرتے ہیں۔

اسی طرح شوقی کہہ رہا ہے:

اے میرے وطن!میں نا امیدی کے بعد تجھ میں لوٹا ہوں،مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ جوانی کی حالت میں تجھ سے مل رہا ہوں(یعنی میری جوانی لوٹ آئی ہے)

ہر مسافر ایک نہ ایک دن تجھ میں واپس لوٹ ہی آئے گا،اگر اس کے مقدر میں زندگی اور واپس آنا لکھا ہوا ہے۔

اگر مجھے تیری طرف بلایا جاتا تو میں تجھے اپنا دین سمجھتا اور اس پکار پر ضرور لبیک کہتا۔

اگر میں اپنی زبان سے کلمہ شہادت اور توبہ کے کلمات بولوں تو بیت اللہ سے پہلے تیری طرف منہ کرتا ہوں۔

وطن کو اس قدر مقدس اور قابل تعظیم سمجھنا شرک اکبر کے زمرے میں آتا ہے۔ یہ چیز لوگوں کے عقائد و نظریات، اخلاق و عادات اور رویوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ حتی کہ اس حوالے سے بعض اوقات لوگ اس قدر متساہل ہو جاتے ہیں کہ وہ کہنا شروع کر دیتے ہیں: میں وطن کے لئے جہاد و قتال کرتا ہوں۔ میں وطن کے لئے مرتا ہوں۔ میں اپنا مال اور بیٹے وطن پر قربان کرتا ہوں۔ میں اپنی ہر چیز وطن کے لئے قربان کرتا ہوں۔ وطن اس قدر قیمتی ہے کہ ہماری طرف سے ہر قیمتی اور نفیس چیز کا مستحق ہے۔ وطن کے لئے ہر چیز کی قربانی دی جا سکتی ہے۔ وطن سے مقصود صرف وہی جغرافیائی حدود ہوتی ہیں جس کی طرف کوئی اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے۔ اگر اس کا وطن امن و سلامتی کے ساتھ ہے تو باقی مسلمان ملکوں کی کوئی پرواہ نہیں۔ دوسرے مسلمان ملکوں کی اس کے نزدیک کوئی حیثیت اور وقعت ہی نہیں ہوتی۔ اس کے ہاں اہمیت صرف اور صرف اس کے اپنے وطن کی ہی ہے۔ اس کے اپنے وطن کی اللہ تعالی حفاظت فرمائے اور مسلمانوں کے باقی ملکوں پر خواہ اللہ تعالی کی لعنت نازل ہو۔

وطن کی تعظیم و تقدیس کا یہ عقیدہ موجودہ دور کے تقریباً تمام عرب ممالک میں ایک دستوری حیثیت کے ساتھ موجود ہے۔ کیونکہ ہر ملک کا دستور اپنے ملک کے شہریوں کو صرف اپنے ملک کی حدود کے دفاع کی اجازت دیتا ہے۔ اس کے نزدیک دوسرے ممالک کے مسلمان خواہ کتنی بڑی تباہی سے کیوں نہ گذر جائیں انہیں اس کی کوئی پرواہ نہیں کیونکہ ان کے ملک کا دستور انہیں اس ملک کا دفاع کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ فلسطین، چیچنیا، افغانستان، کشمیر، فلپائن، اریٹیریا، سوڈان اور اس کے علاوہ بہت سے ایسے ممالک جو مسلم دشمن قوتوں کی طرف سے صریحاً ظلم و ستم کا سامنا کر رہے ہیں ان کے بارے میں بھی تمام مسلم ممالک کا تقریباً یہی موقف ہے۔

وطن، وطنیت اور وطن پرستی کے نام پر ان لوگوں نے مسلمانوں کے علاقوں کو مختلف خطوں میں تقسیم کر دیا

ہے۔ ہر ملک کی حدود جدا جدا ہیں اور دستور مختلف ہیں۔ ہر ملک ایک مختلف قومی ترانے کا حامل ہے جسے صرف اسی ملک کے باشندے یاد کرتے ہیں اور وہی اسے گاتے ہیں۔ وطنیت پرستوں نے اخوت اسلامی کو بکھرے ہوئے چند ملکوں میں تقسیم کر دیا ہے، جو اپنے دلوں میں نفرت کا جذبہ لئے باہم برسر پیکار ہیں۔ یہ سب کچھ امت مسلمہ کو اس کے دشمنوں کی نگاہوں میں کمزور، حقیر اور غیر اہم کرنے کا باعث ہے۔ ہم ایسے عقائد ونظریات سے اللہ تعالی کی پناہ پکڑتے ہیں۔

اللجنة الدائمه للبحوث العلميه والإفتاء کے فتوی نمبر ۱/۵۴۱ میں یہ بات مرقوم ہے: جس کسی نے یہودیوں، عیسائیوں اور تمام کافروں اور مسلمانوں کے درمیان صرف وطن کا ہی فرق رکھا، اگر وہ سبھی ایک ہی ملک کے باشندے ہوں تو ان پر ایک ہی قسم کے احکام لگائے وہ شخص کافر ہے۔

اسلام میں وطنیت کا مفہوم:

اسلام کی نگاہ میں وطن صرف وہی ہے جو اس کے احکام وقوانین کے تابع ہے۔ جو بھی وطن کسی بھی دور میں اسلام کے احکام وقوانین کے تابع ہو جائے وہ اسلام کا وطن ہے۔

یہ وہ وطن ہے جس کی حدود اسلامی عقیدہ پھیلنے کی وجہ سے اطراف عالم میں پھیلتی جاتی ہیں۔ جس علاقے میں اسلام کو غلبہ حاصل ہو وہ اسلام اور مسلمانوں کا وطن بن جاتا ہے۔

ہر وہ انسان: اس میں ذمی بھی شامل ہیں۔ جو اس اسلامی وطن کے احکام وقوانین کے تابع ہو جائے وہ اس ملک کا شہری ہے اور اسے اس ملک کی طرف سے تمام حقوق اور سہولیات فراہم کی جائیں گی۔ اس سب کی تفصیل فقہ الاسلامی کے متعلقہ باب میں موجود ہے۔

جس وطن کی ابھی خصوصیات ذکر کی گئی ہیں وہ شہریت، رنگ اور زبان کے اختلاف کے باوجود دنیا کے ہر مسلمان کا وطن ہے۔ تمام مسلمانوں کو یکساں طور پر اس ملک میں سہولیات اور حقوق ملیں گے۔

یہ وہ وطن ہے جس کے دفاع کے لئے ہر قیمتی سے قیمتی چیز بھی قربان کرنا ضروری ہے۔ اس وطن کو جو خطرہ بھی لاحق ہو خواہ وہ مادی خطرہ ہو یا معنوی خطرہ ان تمام خطرات سے اس وطن کی حفاظت کرنا لازمی ہے خواہ یہ خطرہ داخلی شمنوں کی طرف سے ہو جیسے دین اسلام سے متنفر تنظیمیں اسلام کے خلاف وار کرتی ہیں

یا یہ خطرہ کسی خارجی دشمن کی طرف سے ہو جو کہ اس وطن کے امن وسلامتی پر وار کرنا چاہتے ہیں۔اس وطن اسلامی کی خواہ ایک بالشت زمین کو ہی خطرہ کیوں نہ ہو اس کے دفاع کے لئے بھی کوشش کی جائے گی۔

اگر یہ سوال اٹھایا جائے کہ اس دور کے وہ مسلم ممالک جن پر کفر کی حکمرانی اور قوانین مسلط ہیں ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، اور اس بارے میں مسلمانوں کا کیا موقف ہے؟

اس کا جواب یہ ہے: کفر کے احکام کے نفاذ کی وجہ سے اگر چہ یہ مما لک دارالحرب شمار ہوتے ہیں لیکن ایک طرح سے یہ دارالاسلام بھی ہیں۔ کیونکہ یہ علاقے اصل میں مسلمانوں کے تھے اور ان سے چھینے گئے ہیں۔اور کفر نے ان پر ناحق اپنا تسلط جما رکھا ہے۔ان علاقوں کو کفر سے آزاد کروانا اور اسلام کے زیر نگیں لانا ضروری ہے۔اس کے لئے خواہ کتنی ہی قربانیاں کیوں نہ دینی پڑیں۔موجودہ دور کی تمام جہادی تنظیموں کا یہی ہدف ہے۔ ہر مخلص مسلمان اللہ کے دین اور حدوداللہ کے بارے میں بڑا غیور ہوتا ہے۔ یہ جہاد فی سبیل اللہ کا سب سے بلند ترین درجہ ہے۔ یہ جہاد ہر مسلمان پر حسب استطاعت اور غصب شدہ علاقے سے قربت کی نسبت سے واجب اور ضروری ہے۔

اسلام کے نزدیک وطنیت کا یہی مفہوم ہے۔یہی وہ اسلامی وطن ہے جس کی مدد ونصرت اور اس کا دفاع ضروری ہے۔

اگر یہ سوال اٹھایا جائے کہ مسلمانوں کے علاقوں کے دفاع اور ان کی حرمت اور آزادی کی حفاظت کے لئے اس قدر زیادہ اہتمام کیوں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ: وطن کی حرمت پامال ہونے سے انسان کی دوسری حرمتوں اور حقوق مثلا دین، مال، عزت اور نفس وغیرہ کے بھی پامال ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ان حرمتوں کی حفاظت کے لئے وطن کی حرمت اور امن وسلامتی کی حفاظت ضروری ہے۔ دین بھی دراصل انہیں حرمتوں کی حفاظت اور دفاع کے لئے ہی آیا ہے۔انسانی حرمتوں کو پامال ہونے سے بچانے کے لئے وطن ایک محفوظ اور پر امن پناہ گاہ ہے۔اسی وجہ سے اسلام نے مسلمانون کے وطنوں کو ہر قسم کے اندرونی اور بیرونی خطرات

سے محفوظ رکھنے کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ وطن کے امن وسلامتی پر کسی قسم کا حملہ ہی کیوں نہ ہو اور ایسا کرنے والے جو بھی لوگ ہوں ان سے اپنے وطن کو محفوظ کرنے کے لئے اور وطن کا دفاع کرنے کے لئے اپنی قیمتی سے قیمتی چیز بھی کیوں قربان کرنے پڑے اس سے گریز نہیں کرنا چاہیئے۔

وطنیت کا غلط مفہوم اس سے بچاؤ لازمی ہے:

موجودہ دور میں خاص طور پر مسلم ممالک میں وطنیت صرف اور صرف حاکم وقت اور طاغوتی نظام کے مفادات کے تحفظ کا نام ہے۔

جو کوئی جس قدر زیادہ حاکم وقت اور طاغوتی نظام کے مفادات کا تحفظ کرنے والا ہوگا وہ اسی قدر زیادہ محبّ وطن سمجھا جائے گا۔ اور جو جس قدر حاکم وقت اور طاغوتی نظام کا مخالف ہوگا اسے اسی قدر زیادہ وطن کا دشمن تصور کیا جائے گا۔

صرف اسی بنا پر ایسے شخص کو ان تمام معاشرتی اور سیاسی حقوق سے محروم کر دیا جاتا ہے جو اس ملک کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ہر شہری حاصل کر رہا ہوتا ہے۔

اگر آپ کی طرف سے حاکم وقت اور طاغوتی نظام کی سیاست پر معمولی اعتراض یا مخالفت ظاہر ہو تو آپ سے فوراً اس وطن کی شہریت سلب کر لی جائے گی۔ اور شہری ہونے کے معمولی حقوق سے بھی آپ کو محروم کر دیا جائے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رعایا اور ملک ان حکمرانوں، ان کے خاندانوں اور پارٹیوں کی ذاتی ملکیت ہیں اس لئے آپ کو وطن اور اس کے بلند ترین مفادات کا دشمن قرار دینے میں ذرا بھی تامل سے کام نہیں لیتے ہیں۔

یہ وطنیت کا جھوٹا اور غلط مفہوم ہے۔ یہ بات آپ کو طاغوتی قوتوں کے سامنے کلمۂ حق کہنے سے روک نہ دے۔ کیونکہ یہ طاغوتی قوتیں اللہ تعالی کی زمین پر بوجھ ہیں اور لوگوں کے حقوق اور عزتیں پامال کرنے والے ہیں۔

ایک شبہہ اور اس کا جواب:

کوئی کہنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے: ہم ان تمام باتوں میں کیسے موافقت پیدا کریں گے کہ ایک طرف

وطن کے لئے لڑنا مرنا اور قربانی جائز نہیں اور دوسری طرف یہ بھی ہے کہ اسلام کے وطن اور مسلمانوں کے وطنوں کا دفاع کرنا ایک دینی فریضہ ہے اور ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ اسی طرح یہ حدیث بھی ہے کہ جو اپنے مال اور عزت کے دفاع کی خاطر مارا گیا وہ شہید ہے...؟!

اس کا جواب یہ ہے: یہاں ہر دو معاملات کے درمیان کوئی تعارض نہیں کیونکہ اللہ تعالی کے راستے میں اور اس کی اطاعت میں کسی چیز کے دفاع کے لئے لڑنے اور اس کی طرف معاملہ لوٹائے بغیر کسی دوسرے کے راستے اور اس کی غیرت وحمیت کے لئے لڑنے میں بہت فرق ہے۔

پہلی چیز کو اسلام نے مشروع قرار دیا ہے اور اس کا حکم دیا ہے اور اسے اللہ تعالی کا قرب حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ قرار دیا ہے۔ جبکہ دوسری چیز ایک غلط طریقہ ہے اور شرک شمار کیا جاتا ہے کیونکہ اس سے اعمال کا غیر اللہ کی طرف پھیرنا لازم آتا ہے۔ اسی بنا پر کسی آدمی کا یہ کہنا: ہم وطن کے لئے لڑتے ہیں، ہم وطن کے لئے قربانی دیتے ہیں، اور اس طرح کے دوسرے الفاظ جو اس دور میں معروف ہیں یہ سبھی غلط الفاظ ہیں۔ البتہ یہ کہنا درست ہوگا: ہم اللہ کے راستے میں وطن کے دفاع کے لئے لڑتے ہیں، ہم اللہ کے راستے میں وطن کے دفاع اور اس کی عزت وحرمت کی حفاظت کے لئے لڑتے ہیں، یہ درست الفاظ ہیں اور ایسا کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح وطن کی محبت اور اس کی طرف شوق ظاہر کرنے میں جو کہ جائز ہے اور وطن کی طرف نسبت کو دوستی اور دشمنی کا معیار مقرر کرنے کے درمیان بہت فرق ہے۔ ثانی الذکر چیز ناجائز ہے۔ کیونکہ اس سے وطن کو اللہ کے ساتھ شریک کرنا لازم آتا ہے۔ اس کی تفصیل گذشتہ سطور میں گذر چکی ہے۔

④ قومیت کی بنا پر دوستی:

یہ وہ دوستی ہے جو کسی قوم کی طرف نسبت یا قومی روابط کی بنا پر ہوتی ہے۔ قومی روابط مندرجہ ذیل عناصر اور بنیادوں پر استوار ہوتے ہیں: جنس، تاریخ، زبان، مشترکہ مفادات اور زمین۔ اطراف عالم میں مختلف اقوام بکھری ہوئی ہیں، مثلاً: عرب قوم، فرانسیسی قوم اور ترک قوم وغیرہ۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئیے کہ دوستی کی یہ قسم بھی گذشتہ ذکر ہونے والی دوستی کی اقسام کی طرح ہی ہے۔ کیونکہ اس دوستی سے

بھی دین اور عقیدے کا عنصر مکمل طور پر خارج ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ قومیت پرستی اور قوم پرستوں کے نزدیک ایک یہودی، مجوسی، غالی باطنی، شرکیہ اور کفریہ عقائد کے حامل لوگوں اور ایک موحد مسلمان جب یہ ایک ہی قوم کی طرف منسوب ہوں تو ان کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

ایک قوم کا فرد ہونے کی وجہ سے جو سہولیات اور حقوق ایک کافر اور بے دین مشرک کو حاصل ہیں وہ حقوق اور سہولیات کسی متقی پرہیزگار مسلمان کو میسر نہیں آسکتیں جو اس قوم کا فرد نہیں ہے۔

مثال کے طور پر ایک ایسا عرب جو کہ بے دین اور مشرک ہو وہ خواہ کسی بھی دین سے تعلق رکھنے والا ہو اسے عرب قوم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے جو حقوق اور سہولیات میسر ہیں وہ کسی موحد پاکستانی مسلمان کو میسر نہیں آسکتیں جو کہ عرب قوم کی طرف منسوب نہیں ہے۔

قومیت کا یہ مفہوم جو کہ موجودہ دور میں مشہور ہے اور اسی کے مطابق عمل کیا جاتا ہے یہ صریح کفر ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالی کی حرام کردہ اشیاء کو واجب اور واجب کردہ اشیاء کو حرام ٹھہراتا ہے۔اس رابطے کا تعلق بھی زمانہ جاہلیت کے ان تمام روابط اور تعلقات سے ہے جن سے اسلام نے سختی سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (الحجرات:١٣)

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور اس لئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کنبے اور قبیلے بنا دیئے ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے: میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو اس آیت کے مطابق عمل کرتا ہو:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا﴾

کیونکہ ہر آدمی دوسرے سے کہتا ہے کہ میں تجھ سے زیادہ باعزت ہوں۔حالانکہ خوف خدا کے

علاوہ عزت کا کوئی دوسرا معیار نہیں ہوسکتا۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ☆ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ﴾ (القلم ۳۵-۳۶)

کیا ہم مسلمانوں کو مثل گناہ گاروں کے کردیں گے۔ تمہیں کیا ہوگیا، کیسے فیصلے کررہے ہو؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ صحیح حدیث ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ تعالی نے تم سے زمانہ جاہلیت کا کبر وغرور اور آباء واجداد کے ساتھ فخر کرنے کو ختم کر دیا ہے۔ مومن متقی ہے اور فاسق و فاجر بد بخت ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔ لوگوں کو چاہیئے کہ وہ قوموں کی بنیاد پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔ ایسے لوگ جہنم کا ایندھن ہونگے، یہ لوگ اللہ تعالی کے ہاں سیاہ رنگ کے بدبودار حشرات الأرض سے بھی زیادہ ذلیل ہیں۔ (أحمد، صحیح الجامع: ۱۷۸۷)

اور فرمایا:

جس نے زمانہ جاہلیت کے کسی تعلق کی تمنا کی وہ جہنم کے گروہوں میں سے ہے۔ ایک آدمی کہنے لگا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اگرچہ وہ شخص نماز پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگرچہ وہ نماز پڑھتا اور روزے رکھتا ہو۔ تم اللہ کی طرف اپنی نسبت کرو جس نے تمہارا نام "مسلمان"، "مومن" اور "اللہ کے بندے" رکھا ہے۔ (صحیح الترغیب والترھیب: ۵۵۳)

اور فرمایا:

ایسا شخص ہم میں سے نہیں جس نے اپنے آپ کو جاہلیت کی کسی بات کی طرف منسوب کیا۔ (صحیح سنن النسائی: ۱۷۵۶)

اسلام کے علاوہ ہر نسبت زمانہ جاہلیت کی نسبت ہے۔ ہر وہ تعلق جو عقیدہ، دین، عمل صالح اور خشیت الہی کے علاوہ کسی دوسری چیز پر قائم ہو وہ زمانہ جاہلیت کا گندہ تعلق ہے۔ اس تعلق کو ختم کر دینا اور اس سے براءت کا اظہار کرنا ضروری ہے۔

اور فرمایا:

تم میں سے میرے دوست وہ ہیں جو متقی ہیں، وہ جو کوئی بھی ہوں، اور جہاں کہیں کے رہنے والے ہوں۔ (اسے ابن ابی عاصم نے السنۃ میں ذکر کیا ہے اور شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔)

یعنی وہ جس کسی بھی جنسیت اور قومیت کے ہوں، جس کسی جگہ کے رہنے والے ہوں، جس کسی ملک کے شہری ہوں۔ وہ ہمارے پیغمبر اور اہل ایمان کے دوست ہیں۔ یہی لوگ متقی اور نیکوکار ہیں۔ یہی راہ حق ہے اور اس کے علاوہ ہر چیز باطل ہے۔

اور فرمایا:

کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر، اور نہ گورے کو کالے اور نہ کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل ہے، مگر فضیلت صرف تقوی کی بنیاد پر ہے۔ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔ (مسند احمد، یہ حدیث صحیح ہے۔)

ہر وہ نفی جس کے بعد استثناء واقع ہو انتہاء درجے کی قصر اور حصر کا فائدہ دیتی ہے۔ یعنی ایک چیز کو دوسری چیز پر اور دو چیزوں کو آپس میں تقوی کے علاوہ کسی دوسری بنیاد پر فضیلت حاصل نہیں۔

یہ حدیث مبارکہ ان تمام فضیلتوں اور روابط کو لغو قرار دیتی ہے جو زمانہ جاہلیت سے بنی نوع انسانیت کے درمیان رواج پذیر ہیں۔ یہ فضیلت خواہ قومیت کی بنا پر ہو یا کسی دوسری بنیاد پر ہو۔ یہ حدیث مبارکہ تمام بنی نوع انسانیت کو ایک ہی صورت میں جمع کرنا چاہتی ہے اور وہ صورت یہ ہے کہ افضلیت صرف اور صرف تقوی اور عمل صالح کی بنیاد پر ہے۔

⑤ کسی قبیلہ یا خاندان کی طرف نسبت کی بنیاد پر دوستی اور دشمنی کا معیار مقرر کرنا:

اس کی صورت یہ ہے کہ قبیلہ یا خاندان والوں کے ہاں دوستی اور دشمنی کا معیار دین اور اخلاق سے قطع نظر صرف اور صرف قبیلہ یا خاندان کی طرف نسبت ہو۔ صرف وہی شخص دوستی اور مدد کا مستحق ہو جو اپنے قبیلہ یا خاندان کی طرف منسوب ہو اور اس قبیلہ کے رسوم و رواج اور قوانین کو اپنانے والا ہو اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ اس مدد اور دوستی کا مستحق وہ شخص نہیں ہو سکتا جو اپنے قبیلہ سے تعلق رکھنے والا نہیں ہے خواہ

وہ بہترین مسلمان اور مومن ہی کیوں نہ ہو۔

اس صورت میں قبیلہ اور اس کے قوانین اہل قبیلہ کی نگاہ میں ایک ایسا معبود ہوتا ہے جس کی اللہ کے علاوہ عبادت کی جارہی ہوتی ہے۔ کیونکہ قبیلہ کے قوانین جس بات کو لازم ٹھہراتے ہیں اسے تسلیم کیا جاتا ہے اگرچہ وہ شریعت میں حرام ہی کیوں نہ ہو۔ جس بات سے قبیلہ کے قوانین روک دیں اس سے رک جایا جاتا ہے اگرچہ وہ کام شریعت میں واجب ہی کیوں نہ ہو۔ یہ ظاہری شرک وکفر ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَإِنۡ أَطَعۡتُمُوهُمۡ إِنَّكُمۡ لَمُشۡرِكُونَ﴾ (الأنعام:۱۲۱)

اور اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے۔

یعنی اگر اللہ کی حرام کردہ کو حلال کرنے اور اللہ تعالی کی حلال کردہ کو حرام کرنے میں ان کی بات مانو گے تو تم بھی انہیں کی طرح مشرک ہو گے۔

خاندانی اور قبائلی بنیاد پر محبت اور دوستی کے لئے یہ لازمی امر ہے کہ قبیلے کا ہر فرد دوسرے فرد کی صرف اس وجہ سے مدد کرتا ہے کہ وہ میرا ہم قبیلہ ہے، خواہ وہ سچا ہو یا جھوٹا، ظالم ہو یا مظلوم یہ مدد برقرار رہتی ہے۔

بعض قبائل اور خاندانوں میں دوستی اور محبت کی یہ صورت بھی معروف ہے کہ وہ اپنے آباء واجداد کے کارنامے بڑے فخریہ انداز سے بیان کرتے رہتے ہیں اس بات سے قطع نظر کہ وہ دین پر قائم بھی تھے یا نہیں۔ بلا شک وشبہہ اسلام نے اس بات سے منع کیا ہے اور بڑی سختی سے اس سے بچاؤ کی تلقین کی ہے۔

حدیث میں ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

موسی علیہ السلام کے زمانہ میں دو آدمیوں نے اپنا نسب نامہ بیان کیا۔ ایک کہنے لگا: میں فلاں ہوں اور فلاں کا بیٹا ہوں اپنی نو پشتیں گنوانے کے بعد دوسرے کو گالی دے کر کہنے لگا کہ تو کون ہے؟ دوسرا کہنے لگا: میں فلاں ہوں فلاں کا بیٹا اسلام کا بیٹا۔ اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ ان دونوں نسب بیان کرنے والوں سے کہہ دو: پہلا شخص جو نو لوگوں کی طرف اپنی

نسبت بیان کرنے والا ہے وہ نو لوگ سب کے سب جہنمی ہیں اور تو دسواں بھی ان کے ساتھ جہنمی ہے۔ دوسرا شخص جو دو کی طرف نسبت بیان کرنے والا ہے وہ دونوں جنتی ہیں اور یہ تیسرا بھی ان کے ساتھ جنتی ہے۔(أحمد،نسائی،طبرانی،صحیح الجامع:۱۴۹۲)

جو شخص فخر یہ انداز میں اپنا نسب نامہ بیان کرنا چاہتا ہے اور ایسا کرنے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ کار نہیں تو اسے چاہیئے کہ وہ اسلام اور اہل اسلام کی طرف اپنی نسبت بیان کرے۔

اللہ تعالی کی رحمت نازل ہو اس شخص پر جس نے یہ بات کہی:

اگر لوگ قیس اور تمیم کی طرف نسبت کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں تو میرا باپ اسلام ہے اس کے علاوہ میرا کوئی باپ نہیں۔

تنبیہ: اگر کسی قبیلہ یا خاندان کے لوگ آپس میں اس بات پر معاہدہ کرلیں کہ وہ ہمیشہ حق کی ہی مدد کریں گے وہ جہاں کہیں بھی ہو خواہ کسی دوسرے قبیلے میں ہی کیوں نہ ہو۔ اور ہمیشہ جھوٹ کے خلاف جنگ کی جائے گی اگرچہ اپنے اہل قبیلہ بھی اس کی زد میں کیوں نہ آتے ہوں۔ مومن سے دوستی رکھی جائے گی خواہ وہ کسی غیر قبیلہ سے تعلق رکھنے والا کیوں نہ ہو اور کافر ظالم سے دشمنی رکھی جائے گی خواہ اپنا اہل قبیلہ کیوں نہ ہو۔ ہر قسم کے اختلافات اور جھگڑوں کے حل کے لئے صرف کتاب وسنت کو ہی فیصل مانا جائے گا۔ ایسے قبیلے سے دوستی رکھنا قابل تعریف ہے اور اس قبیلے کا نظام بھی بڑا قابل تعریف ہے۔

اس قبیلے کے لوگوں کا شمار اللہ تعالی کے اس فرمان میں ذکر کردہ مومنین میں ہوگا:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾(التوبہ:۷۱)

مومن مرد وعورت آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار و معاون اور)دوست ہیں، وہ بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔

⑥ کسی بادشاہ یا حاکم کی طرف نسبت کی بنیاد پر دوستی اور دشمنی قائم کرنا:

مسلمان ملکوں میں دوستی کی یہ قسم کثرت کے ساتھ رواج پذیر ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ

تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی حاکم کا اطاعت گذار رہو اور اس سے محبت کا تعلق بھی قائم کرنے والا ہو۔ وہ اس حاکم کے احکامات کو نافذ بھی کرنے والا ہو اس بات سے قطع نظر کہ وہ احکام اللہ کی شریعت کے موافق ہیں یا مخالف۔ اس بادشاہ کے احکام کے نفاذ کے لئے صرف یہی بات کافی ہے کہ وہ احکام اس بادشاہ کی طرف سے جاری کئے گئے ہیں خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں۔

بلاشک وشبہ حاکم وقت کی اس طرح کی اطاعت باطل اور شرک کے زمرے میں آئے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ﴾ (الأنعام:۱۲۱)

اور اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

حکام میں سے جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دے اس کی ہرگز اطاعت نہ کرو۔ (سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ:۲۳۲۴)

اور فرمایا:

حاکم وقت جب تک اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم نہ دے اس کی اطاعت ہر بندۂ مسلم پر فرض ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کا حکم دے تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ (أحمد، ابن ماجہ، السلسلۃ الصحیحۃ:۲/۱۳۹)

اور فرمایا:

میرے بعد ایسے لوگ تمہارے حکمران ہوں گے جو سنت کو ختم کریں گے اور بدعت کو رواج دیں گے۔ نماز کو اس کے وقت مقررہ سے موخر کریں گے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ: اگر میں انہیں پالوں تو کیا کروں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے ام عبد کے بیٹے! تو پوچھتا ہے کہ تو کیا کرے؟ جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ (السلسلۃ الصحیحۃ:۵۹۰

اس قسم کی دوستی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ہر درست اور غلط بات میں حاکم کی حمایت کی جائے۔ یعنی بادشاہ اگر کبھی غلط اور ظالمانہ فیصلہ کرے تو اس کی اسی طرح مدد اور حمایت کی جائے جس طرح درست اور عادلانہ فیصلہ کرنے پر اس کی حمایت کی جاتی ہو۔ یہ لوگ بادشاہ کے دین، طریقے یا نظرے کی بنیاد پر اس سے محبت نہیں رکھتے بلکہ صرف اور صرف بادشاہ کی ذات اور شخصیت کی بنیاد پر اس سے دوستی رکھتے ہیں۔

اس دوستی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ بادشاہ کے حمایتیوں سے دوستی رکھی جائے اگرچہ وہ مشرک اور کافر ہی کیوں نہ ہوں اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھی جائے اگرچہ وہ راسخ العقیدہ مسلمان ہونے کی بنا پر ہماری طرف سے شرعی محبت اور دوستی کے مستحق ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ لوگ صرف بادشاہ کی ذات کو ہی دوستی اور دشمنی کا معیار سمجھتے ہیں۔ ان صفات کی وجہ سے ایسے لوگوں کے بارے میں تاتاریوں کے لشکری ہونے کا خدشہ ہے۔

ان کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: تاتاریوں کا طریقہ یہ تھا کہ جو بھی شخص سلطنت منگول کی طرف سے قتال کرتا اس کی تعظیم کرتے اگرچہ وہ کافر اور اللہ تعالی کا دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ جو شخص سلطنت منگول کے خلاف ہوتا یا ان سے دشمنی کا اظہار کرتا تو اس کے خلاف قتال کرتے اگرچہ وہ راسخ العقیدہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوتا۔

تاتاریوں کے عام لوگ مسلمانوں کی جان اور مال کو حرام نہیں سمجھتے تھے الا یہ کہ بادشاہ انہیں ایسا کرنے سے منع کر دے۔ وہ مجرد بادشاہ کا حکم سمجھتے ہوئے مسلمانوں کے جان و مال کا خیال رکھتے تھے۔ اسے دینی فریضہ نہیں سمجھتے تھے۔ (فتاوی ابن تیمیہ: ۲۸/۵۰۴)

موجودہ دور کی عرب افواج کے حالات پر غور کرنے سے یہی بات سامنے آتی ہے کہ ان کے اوصاف تاتاری افواج کے اوصاف سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہیں۔

ایسے لوگوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان صادق آتا ہے:

آخری زمانے میں ایسے سپاہی ہوں گے جو صبح بھی اللہ تعالی کی ناراضگی کے مستحق ہوں گے اور

شام کو بھی اللہ تعالی کی ناراضگی سمیٹیں گے۔ (طبرانی، حاکم، صحیح الجامع: ۳۶۶۶)

اس کی وجہ یہ ہے کیونکہ یہ لوگ بندوں پر ظلم کرنے میں طاغوت کے حمایتی ہیں اور اللہ تعالی کے بندوں کو ڈرا دھمکا کر طاغوت کا بندہ بنانے کے لئے اس کے آلہء کار ہوتے ہیں۔ امت اسلامیہ کے حالات پر اگر کوئی غور کرے تو اسے یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ امت کو ملنے والی ہر ذلت و رسوائی اور تباہی و بربادی کے پیچھے ایک عرب سپاہی کا ہی ہاتھ ہے۔ لا حول و لا قوة إلا بالله

⑦ انسانیت کو دوستی اور دشمنی کا معیار بنانا:

دوستی کی اس قسم کا دائرہ دوسری تمام اقسام سے زیادہ وسیع ہے۔ کیونکہ یہ رنگ و نسل، قوم و وطن کے اختلاف کے باوجود تمام بنی نوع انسان کو محیط ہے۔ کیونکہ اس دوستی کا تقاضا ہے کہ آدمی کافر اور مومن، فاسق و فاجر، اور متقی مسلمان کے درمیان فرق نہ کرے۔ اس کی نگاہ میں سبھی لوگ انسان ہونے کے ناطے دوستی اور محبت کے مستحق ہوں۔ اس بات سے قطع نظر کہ وہ کس دین اور عقیدے کے حامل ہیں۔

محبت کی یہ قسم دین کو نقصان دینے والی ہے اس لئے دین کی حفاظت کی ضرورت کے پیش نظر اسے باطل قرار دینا ضروری ہے۔ کیونکہ اس قسم کی محبت کے دعویداروں کے ہاں سید الکونین محمد الرسول اللہ ﷺ اور کفر کے سردار ابوجہل کے درمیان انسان ہونے کے ناطے کوئی فرق نہیں۔ اس لحاظ سے وہ دونوں ایک جیسی محبت، دوستی اور مدد کے مستحق ہیں۔ (نعوذ باللہ) یہ بات صرف کوئی زندیق کافر ہی کہہ سکتا ہے جسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ اس کی موت کس دین پر واقع ہونے والی ہے۔

اس قسم کی محبت کے نقصانات میں سے یہ نقصان بھی ہے کہ اس کے دعویدار جو بھی عمل کرتے ہیں اس میں انسانیت کو اللہ کا شریک بنا دیتے ہیں۔ ایسا شخص جب بھی کوئی رفاہ عامہ کا کام کرتا ہے تو اسے انسانیت کے نام پر کرتا ہے۔ اگر کبھی اپنا مال خرچ کرے تو انسانیت کے نام پر خرچ کرتا ہے۔ اگر قتال کرے تو انسانیت کے نام پر قتال کرتا ہے۔ اگر مر جائے تو انسانیت کے نام پر مرتا ہے۔ غرض جو بھی عمل کرتا ہے اسے انسانیت کے نام پر کرتا ہے۔ انسانوں کے ہاں انسانیت ایک الہ کا روپ دھار چکی ہے جسے وہ اللہ کے علاوہ پوجتے ہیں اور اسی کو دوستی اور دشمنی کا معیار مانتے ہیں۔

⑧ ذاتی مفادات کی بنا پر دوستی اور دشمنی قائم کرنا:

اگر چہ ظاہری طور پر اس قسم کی دوستی اور دشمنی کا کوئی بھی دعویدار موجود نہیں ہے لیکن عملی طور پر اس کا مظاہرہ اکثر لوگوں کی طرف سے بلکہ اکثر ملکوں کی طرف سے دیکھنے میں آتا ہے۔ یہ سبھی ذاتی مفادات کی بنیاد پر دوستی اور دشمنی قائم کرتے ہیں۔ جب تک ذاتی اور مادی مفاد پورا ہوتا رہے دوستی قائم رہتی ہے اور جب فائدہ ملنا ختم ہو جائے تو دوستی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ دوستی کرتے ہوئے اس چیز کا بالکل خیال نہیں رکھا جاتا کہ جس سے دوستی کی جا رہی ہے وہ شرعی طور پر میری طرف سے دوستی کا مستحق بھی ہے یا نہیں۔

اس قسم کی دوستی کا حامل شخص درہم و دینار کے ساتھ گھومتا رہتا ہے۔ جہاں کہیں سے اسے یہ رقم ملتی ہے اسی طرف پھر جاتا ہے۔ ایسے لوگ چند روپوں کی خاطر جو انہیں بطور تنخواہ ملتے ہیں

طاغوت کے راستے میں قتال کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ کبھی کبھی صرف اپنی ناجائز خواہشات کو پورا کرنے کے لئے دشمنوں سے دوستی بھی کرتے ہیں اور انتہائی ذلیل و رسوا ہو کر ان کی بات بھی مانتے ہیں۔ یہ لوگ صرف اور صرف اپنی ذاتی مصلحت، مفادات اور مال کی منطق بولتے ہیں۔ انہیں صرف اپنا مفاد ہی عزیز ہوتا ہے اگر چہ ایسا کرنے سے پورے ملک اور معاشرے کی عزت اور سلامیت ہی کیوں نہ داؤ پر لگ جائے۔

ایسے لوگوں کے بارے میں منافق ہونے کا شبہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ انہیں لوگوں کے بارے میں ارشاد باری تعالی ہے:

﴿فَإِن كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّهِ قَالُواْ أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ وَإِن كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُواْ أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُم مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ فَاللّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَن يَجْعَلَ اللّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلاً﴾ (النساء:۱۴۱)

پھر اگر تمہیں اللہ فتح دے تو یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھی نہیں اور اگر کافروں کو تھوڑا سا غلبہ مل جائے تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہ بچایا تھا؟ پس قیامت میں خود اللہ تعالی تمہارے درمیان فیصلہ

کرے گا اور اللہ تعالی کافروں کو ایمان والوں پر ہرگز راہ نہ دے گا۔

ان لوگوں کے ہاں اہم چیز صرف اور صرف غنیمت کے مال کا حصول ہوتا ہے۔ وہ کہیں مال سے محروم نہ رہ جائیں یہ بات انہیں خلوص کے ساتھ ایک گروہ کا ساتھی بننے سے روکتی ہے۔ وہ دونوں گروہوں کے درمیان اٹکے رہتے ہیں، نہ مکمل طور پر مومنوں کے ساتھی بنتے ہیں اور نہ مکمل طور پر کافروں کے ساتھی بنتے ہیں۔ بلکہ وہ اپنے مالی مفادات کی خاطر کبھی یہاں اور کبھی وہاں ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

﴿مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذَلِكَ لاَ إِلَى هَـؤُلاء وَلاَ إِلَى هَـؤُلاء وَمَن يُضْلِلِ اللّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ سَبِيْلاً﴾ (النساء:۱۴۳)

وہ درمیان میں ہی معلق ڈگمگا رہے ہیں، نہ پورے ان کی طرف نہ صحیح طور پر ان کی طرف اور جسے اللہ تعالی گمراہی میں ڈال دے تو تو اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا۔

یہ مرض جس طرح افراد کی سطح پر عام دیکھنے میں ملتا ہے اسی طرح بہت سے ملک اور تنظیمیں بھی اس مرض کا شکار ہیں۔ کتنے ہی ملک اور تنظیمیں ایسی ہیں جو اپنے موہوم مفادات اور مٹھی بھر ڈالروں کی خاطر جو انہیں اسلام دشمن ظالم عالمی طاقتوں کی طرف سے ملنے کی امید ہوتی ہے یا اپنے اقتدار کو مضبوط رکھنے کے وعدے پر اپنے بنیادی عقائد ونظریات اور منشور سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم بادلیل اور تفصیل سے گفتگو کرنا چاہیں تو اس کے لئے بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ مشرکین سے موافقت اختیار کرنے کے مسئلہ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

جو کوئی ظاہری طور پر مشرکین کا دوست بن جائے اگرچہ باطنی طور پر ان کا مخالف ہی کیوں نہ ہو، چونکہ وہ مشرکین کے زیر تسلط نہیں ہے بلکہ وہ ان سے دوستی صرف اور صرف اپنے ذاتی مفادات یا مال اور حکمرانی کے حصول کی خاطر یا اپنے مال کو ان سے محفوظ رکھنے کی خاطر کرتا ہے، ایسا شخص اس صورت میں مرتد تصور کیا جائے گا اور باطنی طور پر مشرکین سے اظہار نفرت اسے کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ ایسا شخص انہیں لوگوں میں شمار ہوگا جن کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّواْ الْحَيَاةَ الْدُّنْيَا عَلَى الآخِرَةِ وَأَنَّ اللّهَ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ (النحل:۱۰۷)

یہ اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت سے زیادہ محبوب رکھا۔ یقیناً اللہ تعالی کافر لوگوں کو راہ راست نہیں دکھاتا۔ (مجموعۃ التوحید:۲۹۶)

ہر وہ دوستی اور دشمنی جو اللہ کے لئے یا اللہ کے نام پر نہ ہو اس سے طائفہ منصورہ کا اظہار براءت:

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ طائفہ منصورہ ہر اس دوستی اور دشمنی سے بیزار ہے جو اللہ کے لئے یا اللہ کے نام پر نہ ہو۔ یہ طائفہ منصورہ کی ایک لازمی صفت ہے۔ یہ صفت ان اہم ترین صفات میں سے ایک ہے جن سے اس جماعت کی پہچان ہوتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿لا تَجِدُ قَوْماً يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءهُمْ أَوْ أَبْنَاءهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُوْلَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُوْلَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (المجادلہ: ۲۲)

اللہ تعالی پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبہ (قبیلے) کے (عزیز) ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالی نے ایمان کو لکھ دیا ہے اور جن کی تائید اپنی روح سے کی ہے اور جنہیں ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے خوش ہیں یہ خدائی لشکر ہے، آگاہ رہو بیشک اللہ کے گروہ والے ہی کامیاب لوگ ہیں۔

جو لوگ اللہ کے دشمنوں سے صرف اپنے ہم وطن، ہم قوم، ہم قبیلہ اور ہم جماعت ہونے کی بنا پر، یا زمانہ

جاہلیت کے تعلقات میں سے جو کہ صرف پانی اور مٹی کی بنا پر قائم تھے کسی تعلق کی بنا پر دوستی کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو طائفہ منصورہ کہنا تو کجا انہیں مومن بھی نہیں کہا جاسکتا۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءٰؤُا مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَداً حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ﴾ (الممتحنۃ:۴)

(مسلمانو!) تمہارے لئے ابراہیم میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں۔ ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کے لئے بغض وعداوت ظاہر ہوگئی۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات اور دلائل ہیں جن سے اس صفت کے طائفہ منصورہ کے ساتھ لزوم کا ثبوت ملتا ہے۔

تنبیہ: یہ بات سب کے علم میں ہونی چاہیئے کہ کفار کو مسلمانوں کی طرف سے سب سے زیادہ قلق، پریشانی اور خطرہ ان کے دوستی اور دشمنی کے معیار سے ہے جو اسلام نے ان کے لئے مقرر کیا ہے، اور انہیں مسلمانوں کی طرف سے دوسرا خطرہ جہاد فی سبیل اللہ سے ہے۔

انہیں مسلمانوں کی طرف سے جسقدر خطرہ ان کے عقیدالولاء والبراء اور عقیدہ جہاد فی سبیل اللہ سے ہے وہ ان کی کسی دوسری چیز سے اسقدر خطرہ محسوس نہیں کرتے۔

ہر وہ اسلام جو عقیدہ الولاء والبراء اور عقیدہ جہاد فی سبیل اللہ سے خالی ہے وہ کافر اقوام کو قابل قبول ہے۔ ان کے ہاں یہ جدت پسند اور آزاد اسلام ہے اس لئے اس کے مکمل خوشی اور سہولت کے ساتھ گزارہ ہو سکتا ہے۔

جو بھی جماعت یا تنظیم عقیدہ الولاء والبراء اور جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ دے اور ان دونوں کو اپنے منشور

سے باہر نکال دے اس جماعت کو کافر اقوام کی طرف سے ہر قسم کی سہولیات، معاشی آزادی، دوستی اور تقرب میسر آئے گا۔

آپ اسلام کے جن شعائر کو چاہیں زندہ کر لیں یا جن کے مطابق چاہیں عمل کر لیں کفار کی طرف سے آپ پر کوئی قدغن نہیں آپ کو اس کی مکمل آزادی اور حق حاصل ہے۔لیکن شرط یہ ہے کہ آپ ہر طرح اپنے آپ کو عقیدہ الولاء والبراء اور جہاد فی سبیل اللہ کے حق میں بولنے اور ان کے احیاء کے لئے کوشش کرنے سے اپنے آپ کو بچا کر رکھیں۔

آپ کو اس بات کا مکمل حق اور آزادی ہوگی کہ آپ کفار کے بحری بیڑوں پر نماز پڑھیں، اسلامی عمامہ پہنیں، اگر چاہیں تو اپنی داڑھی جسقدر چاہیں بڑھا لیں، رمضان کے روزے رکھیں، ان کے پاس اس بات کی مکمل تیاری ہوتی ہے کہ وہ آپ کو اسلامی طریقہ کے مطابق تیار شدہ کھانا مہیا کر سکیں۔لیکن ان کی شرط یہ ہوتی ہے کہ آپ ان سے دوستی کر لیں اور جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ دیں۔

آپ کو ان کے بحری بیڑوں پر نماز پڑھنے کی مکمل آزادی ہوگی۔لیکن شرط یہ ہے کہ جب ان کے بحری بیڑوں سے میزائل چلائے جا رہے ہوں جو کہ مسلمانوں کے گھروں کو منہدم، اور ان کے بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو شہید کر رہے ہوں تو آپ انہیں ایسا کرنے سے نہ روکیں۔

وہ آپ کو اسلامی طریقہ اور حلال طریقہ سے ذبح شدہ سر بمہر کھانا پیش کریں گے جس پر حلال ذبیحہ کی مہر لگی ہوگی لیکن شرط یہ ہوگی کہ آپ انہیں مسلمانوں کو ذبح کرنے سے مت روکیں۔

انہیں جدت پسند، ڈھیلا ڈھالا، کھلے ذہن کا امریکہ سے درآمد شدہ اسلام پسند ہے۔ایسا اسلام جو کہ عقیدہ الولاء والبراء اور جہاد فی سبیل اللہ سے مکمل طور پر دستبردار ہو۔

کافر اقوام آپ کی ہر بات سن سکتے ہیں لیکن الولاء والبراء اور جہاد فی سبیل اللہ کے بارے کچھ بھی سننا ان کے لئے ممکن نہیں۔

اگر آپ کی طرف سے عقیدہ الولاء والبراء کا اظہار ہو یا آپ جہاد فی سبیل اللہ کے موضوع پر گفتگو کریں تو آپ کو فی الفور متشدد، متعصب اور بنیاد پرست کے القابات سے نواز دیا جائے گا۔

اسلام کی ساری تاریخ میں کفر کی طرف سے اسلام کے خلاف جاری سرگرمیوں اور پروپیگنڈہ کا مقابلہ جسقدر عقیدہ الولاء والبراء اور جہاد فی سبیل اللہ نے کیا ہے دین کے کسی دوسرے رکن نے اس کا اسقدر شدت سے مقابلہ نہیں کیا۔

جب کبھی کفار کی طرف سے یہ بات اٹھائی جاتی ہے کہ مسلمان بچوں کو پڑھائے جانے والے نصاب تعلیم میں کمی بیشی کی جانی چاہیئے یا اس میں تبدیلی اور جدت پیدا کی جانی چاہیئے تو اس کا واحد مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس تبدیلی کے دوران الولاء والبراء اور جہاد فی سبیل اللہ کے متعلقہ ابواب کو یا تو نصاب تعلیم سے سرے سے خارج ہی کر دیا جائے یا کم از کم اس میں کمی تو ضرور کر دی جائے۔ تا کہ امت سے اللہ کے لئے دوستی اور دشمنی کرنے کا تصور اور جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ نکل جائے۔

موجودہ دور میں دہشت گردی کے خلاف جنگ کا جو نعرہ بلند کیا جاتا ہے اس کی سوائے اس کے اور کیا حقیقت ہے کہ الولاء والبراء اور جہاد فی سبیل اللہ پر ضرب لگائی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ یہ سبھی پورے زور وشور اور اپنی لمبی زبان سے یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ یا تم ہمارے ساتھی بن جاؤ یا ہمارے مخالف ہونے کا اعلان کر دو، تمہارے لئے کوئی درمیانی راستہ نہیں ہے۔ اگر آپ ہمارے ساتھی ہونے کا اعلان نہیں کریں گے تو ہمارے نزدیک آپ دہشت گرد ہیں۔ اور دہشت گردی کے خلاف جاری ہماری اس جنگ کا آپ بھی نشانہ بنیں گے۔

ایسا کیوں ہے؟ یہ لوگ ہمارے عقیدہ، ہمارے دین، عقیدہ الولاء والبراء اور جہاد فی سبیل اللہ سے اسقدر سختی کیوں برتتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم ان کے غلام ہیں اور ہمیں اپنے بہترین دین کے مطابق اپنی مرضی سے دوستی اور دشمنی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

ایسا کیوں ہے کہ تمام اقوام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی خواہشات اور اپنے منصوبوں کے تحفظ اور ان کی تکمیل کے لئے قتال بھی کر سکتے ہیں اور افواج بھی بھرتی کر سکتے ہیں۔ اور ہمیں بطور مسلمان یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ہم اپنے عقائد ونظریات اور بنیادی ارکان جو کہ ہمارا دین حنیف لے کر آیا ہے ان کی تکمیل اور نفاذ کے لئے جہاد وقتال کر سکیں؟

ایسا کیوں ہے کہ ہمارے مخالفین کا جہاد جو کہ شیطان کے راستے میں ہوتا ہے اسے ان کا حق سمجھا جاتا ہے ۔اور مسلمان اگر اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے جہاد کے بارے میں صرف سوچنا ہی چاہے تو اس کی یہ سوچ ہی اس کا جرم بن جاتی ہے جس بنا پر اسے دہشت گرد کا خطاب دے کر اسے روندڈالا جاتا ہے؟

یہ سب کچھ اس لئے ہے تاکہ جہادی تحریک کمزور ہو جائے اور امت کی قوت مدافعت ہی ختم ہو جائے اور کفار کے لئے مسلمانوں کا مقابلہ کرنا اوران کے علاقوں کو منہدم کرنا آسان ہو جائے۔اور دوبدو لڑائی سے پہلے مسلمانوں کو فکری اور نظریاتی طور پر بالکل کمزور کر دیا جائے۔تاکہ اپنی مرضی کے دین کے ساتھ کفار کے لئے گذارہ کرنا آسان ہو جائے جس میں ان کے لئے کوئی روک تھام نہ ہو اوران پر تھوڑا سا بھی اعتراض نہ کیا جاسکے۔ یہ مسلمانوں سے لڑائی کرتے رہیں اوران کے علاقوں کو مسمار کرتے رہیں انہیں ایسا کرنے سے بالکل نہ روکا جائے۔

یہ امت اسلامیہ کے عقیدہ واخلاق اور نظریات کو تباہ کرتے رہیں اور امت کے آخری قلعہ تک کو مسمار کردیں اورانہیں اس بات سے نہ روکا جائے۔

یہ امت اسلامیہ کے خزانوں کو لوٹتے رہیں اورانہیں اپنے بنکوں اور جیبوں میں ٹھونستے رہیں اورانہیں اس سے بالکل نہ منع کیا جائے۔

تاکہ عقیدہ ولاء والبراء اور جہاد فی سبیل اللہ مسلمانوں کے شعور، اعتقاد اور عملی زندگی سے بالکل خارج ہو جائے، ایسے مردہ جسم کا حامل اسلام جس کے وجود میں ان کی شیطانی خواہشات کی تکمیل کے علاوہ کوئی حرکت نہ ہوان کی زندگی کی ضمانت ہے۔ یہ لوگ چوپایوں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔

کیا مسلمانوں کی عزت وحرمت کے لٹیرے، اوران کے عوام اور ملکوں کو پامال کرنے والے صیہونی یہودیوں کے ساتھ صلح جوئی اور امن کے ساتھ رہنے کا تصور کیا جاسکتا ہے؟ یہودیوں کی طرف سے مسلمانوں کی عزت کی پامالی کے بعدان کے ساتھ صلح صرف اور صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ عقیدہ ولاء والبراء اور جہاد فی سبیل اللہ مسلمانوں کے شعوروجدان اور عقیدہ سے بالکل ختم ہو جائے۔

اسلام کی ساری تاریخ پر نظر ڈال کر دیکھ لیجئے! امت اسلامیہ کو کسی بھی دور میں جب بھی کوئی نقصان پہنچا

ہے وہ صرف اورصرف عقیدہ ولاء والبراءاور جہاد فی سبیل اللہ سے انحراف کی وجہ سے ہی پہنچا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان بالکل سچا ثابت ہو چکا ہے:

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم سودی کاروبار کروگے، بیلوں کی دمیں پکڑ لوگے، کھیتی باڑی کے ساتھ راضی ہوجاؤ گے اور جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ دو گے تو اللہ تعالی تم پر ذلت ورسوائی مسلط کردے گا۔ اس ذلت کو تم سے اس وقت تک دور نہیں کرے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف واپس نہ پلٹ آؤ گے۔

اگرصرف جہاد سے انحراف کا نتیجہ اسقدرزیادہ ذلت ورسوائی کی صورت میں نکلنے والا ہے تو اگر اس کے ساتھ عقیدہ ولاء والبراء سے انحراف کو بھی شامل کردیا جائے تو اس کی ذلت ورسوائی کی کیا کیفیت ہوگی؟ اس صورت میں یہ مرکب رسوائی کی ایک صورت ہوگی جس میں ایک رسوائی دوسری سے بڑھ کر رسوا کن ہوگی۔ یہ دین سے انحراف کی ایک صورت ہے جو انسان کو کفر کے درجہ تک پہنچا دینے والی ہے۔ نعوذ بالله من ذلك۔

ایسے خوش فہمی میں مبتلا انسانوں کو پیغام دے دیجئے جو ایسے اسلام کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں جو عقیدہ ولاء والبراء اور جہاد فی سبیل اللہ سے کوسوں دور ہو۔ پھر بھی وہ سمجھتے ہیں کہ وہ درست راہ پر گامزن ہیں اور وہ اچھے اعمال کررہے ہیں۔ ہم انہیں مکمل وضاحت کے ساتھ، نہایت ہی مشفقانہ اور ناصحانہ انداز سے یہ کہتے ہیں کہ تم ہرگز درست راہ پر نہیں ہو اگرچہ تم جھوٹ موٹ اپنے آپ کو مسلمان کہتے رہو، اپنے نام مسلمانوں والے رکھتے رہو اور مسلمانوں کے علاقوں کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے رہو۔ تمہارے پاس عقیدہ ولاء والبراء ہی نہیں ہے تم کس بنا پر جنت میں داخل ہوگے۔

تم اپنے دین پر نظر ثانی کرو۔ کتاب اللہ کا نئے سرے سے مطالعہ کرو۔ اللہ تعالی سے ہدایت اور توفیق مانگو۔

یہی وجہ ہے کہ کافر اقوام ہمیشہ سے اس بات کی کوشش کرتی آئی ہیں اور کرتی رہیں گی کہ مسلمانوں سے ان کے عقیدہ ولاء والبراء کو ختم کرکے انہیں دوبارہ پھر جاہلیت کے گندے تعلقات اور بندھنوں میں جکڑ

دیں۔جن کے بارے میں اللہ تعالی نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔

کافر اقوام کی اس کوشش سے مسلمانوں کے درمیان باہمی انتشار،تفرقہ بازی اور کمزوری ہی میں اضافہ ہوگا۔ان میں سے بعض چیزوں کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔کفار کی ان تمام کوششوں کا مقصد یہی ہے کہ مسلمانوں کو ان کے دین سے اور دوستی اور دشمنی کے اس معیار سے پھیر دیا جائے جس کی اسلام نے ابتدا کی ہے۔

یہ مسلمانوں کی بہت بڑی بدقسمتی ہے کہ کفار اپنے اس مقصد میں بڑی حد تک کامیاب جا رہے ہیں۔کفار اپنے ان مقاصد کو پورا کرنے کے لئے کمینگی کی آخری حدوں کو چھو لینے میں بھی شرم محسوس نہیں کرتے۔ جو کوئی ترغیبات اور رقم وغیرہ کے لالچ کے ذریعے ان کا ساتھ نہ دے اسے دھمکی اور ڈراوے کے ذریعے سے رام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اللہ تعالی کی عطا کی ہوئی توفیق اور ثابت قدمی کے بغیر ان کے دام تزویر سے بچاؤ ممکن نہیں۔(یہ بات ذہن میں رہنی چاہیئے کہ تمام اقوام کفر بالعموم اور بالخصوص یہود ونصاری کے ہاں بھی دین اور مسلک ہی دوستی اور دشمنی کا معیار ہے،اگرچہ ظاہری طور پر وہ اس بات کا اظہار نہ بھی کریں۔دنیا میں رونما ہونے والا کوئی بھی واقعہ جس کا تعلق مسلمانوں سے ہو اس کے بارے میں یہود ونصاری کا موقف ان کے اس رویے کی چغلی کھاتا ہے۔نقشہ ء عالم پر رونما ہونے والے تمام واقعات پر گہری نظر رکھنے والے ہر شخص پر اس بات کی حقیقت بالکل عیاں ہو جائے گی۔ماضی میں جو کچھ بوسنیا اور ہرزگونیا میں ہوا اور جو کچھ فلسطین،افغانستان،چیچنیا،کشمیر اور دوسرے ایسے بے شمار مسلم ممالک جن میں مسلمانوں کو کفار کی طرف سے مزاحمت کا سامنا ہے میں ہو رہا ہے۔یہ سب کچھ اس بات کی سچی دلیل ہے کہ یہود ونصاری صرف اور صرف دین کی بنیاد پر دوستی اور دشمنی روا رکھے ہوئے ہیں۔وہ ویسے ہی ہیں جیسا کہ اللہ تعالی نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:﴿وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا﴾(البقرۃ:۲۱۷)

یہ لوگ تم سے لڑائی بھڑائی کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کر دیں۔

اور فرمایا:﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّاراً حَسَداً مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ﴾(البقرۃ:۱۰۹)

ان اہل کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق واضح ہو جانے کے محض حسد وبغض کی بنا پر تمہیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں۔

اور فرمایا:﴿ وَلَن تَرْضَى عَنكَ الْيَهُودُ وَلاَ النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ﴾(البقرۃ:۱۲۰)

آپ سے یہود ونصاری ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے تابع نہ بن جائیں۔)

محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ پر اللہ تعالی اپنی رحمتیں نازل فرمائے وہ فرماتے ہیں: اے میرے بھائیو! اپنے دین کی اصل یعنی کلمہء توحید کو تھامے رکھو۔ یہی تمہارے دین کا اول وآخر ہے اور اسی میں تمہارے دین کے اصول وفروعات ہیں۔ اس کے معانی اور مفہوم کو پہچانو۔ اس سے بھی محبت رکھو اور اس کے پڑھنے والوں سے بھی محبت رکھو۔ انہیں اپنا بھائی سمجھو اگر چہ وہ دور دراز علاقوں میں کیوں نہ رہنے والے ہوں۔ طواغیت کا انکار کرو اور ان کے ساتھ بغض وعداوت رکھو۔ ان کے دوستوں، حمایتیوں اور ان کا انکار نہ کرنے والوں سے بھی بغض رکھو۔ جو شخص طاغوت کے بارے میں یہ کہے کہ اللہ تعالی نے اس بارے میں مجھ پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں کی ایسا شخص اللہ تعالی پر جھوٹ باندھتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے ہر مومن پر طاغوت کا انکار کرنا اور اس سے براءت کا اظہار کرنا فرض ٹھہرایا ہے اگر چہ یہ ان کے بھائی اور بیٹے ہی کیوں نہ ہوں۔

اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ۔ اللہ تعالی ہمیں مسلمان فوت کرنا اور نیکوکاروں کا ساتھ عطا فرمانا۔ (مجموعۃ التوحید، صفحہ:۱۱۱)

ولاء والبراء کے بارے میں سید قطب رحمہ اللہ کے کلام سے انتخاب:

صفت ولاء والبراء جس سے طائفہ منصورہ متصف ہے کے بارے میں اپنی بات ختم کر کے دوسرے صفحے پر منتقل ہونے سے پہلے ہم نے اس بات کو ترجیح دی کہ ”فی ظلال القرآن“ سے سید قطب رحمہ اللہ کے کلام کا انتخاب پیش کریں۔ وہ فرماتے ہیں: یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ ایک دل میں اللہ پر ایمان کی حقیقت اور اس کے ان دشمنوں کی محبت اکٹھی ہو جائے جنہیں فیصلہ کروانے کے لئے اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے اور وہ منہ پھیر لیتے ہیں اور اعراض کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے بڑے سخت انداز میں یہ تنبیہ ذکر کی گئی ہے کہ وہ مسلمان دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے جو ایسے لوگوں سے دوستی رکھتا ہے جو اپنی زندگی میں قرآن کریم سے فیصلہ کروانا پسند نہیں کرتے۔ یہ دوستی خواہ دلی محبت کی صورت میں ہو یا دشمن کی

مدد کرنے یا اس سے مدد طلب کرنے کی صورت میں ہو اس کا جرم اور سزا برابر ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿لَّا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ﴾ (آل عمران:۲۸)

مومنوں کو چاہیئے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ تعالی کی کسی حمایت میں نہیں۔

ایسے شخص کا اللہ تعالی سے کوئی تعلق نہیں۔نہ قرابت داری کے حوالے سے، نہ نسبت کے حوالے سے، نہ دین اور نہ عقیدے کے حوالے سے۔یہ اللہ سے دور ہے اور اس کے ہر قسم کے تعلقات اللہ تعالی سے منقطع ہیں۔

اس راستے کا سب سے پہلا اقدام یہ ہے کہ داعی میں جاہلیت کے تصور، منہج اور طور طریقوں سے مکمل طور پر جدائی اختیار کرنے کا شعور بیدار کیا جائے۔یہ علیحدگی داعی کو جاہلیت سے اس قدر دور کر دے کہ دعوت کے اس سفر کے نصف راستے میں بھی جاہلیت کے ساتھ ملنا اس کے لئے محال ہو۔تعاون صرف اس صورت میں ممکن ہو کہ اہل جاہلیت مکمل طور پر جاہلیت سے دستبردار ہو کر اسلام کی طرف منتقل ہو جائیں۔

جاہلیت خواہ اپنے اوپر اسلامی لباس پہن لے یا وہ اپنے اسلامی ہونے کا جسقدر شدت سے چاہے دعوی کر لے۔پھر بھی دعوت کے سفر کے دوران اس کے ساتھ نہ تو الحاق ہو سکتا ہے اور نہ اسلام میں جاہلیت کی پیوندکاری کی جا سکتی ہے۔

اس احساس کو ایک داعی کے شعور میں اجاگر کرنا سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔اسے یہ شعور دلانا کہ وہ ان سے ممتاز شخصیت کا حامل ہے۔ان کا دین جدا ہے اور اس کا دین جدا ہے۔ان کا دستور دوسرا ہے اور اس کا دستور دوسرا ہے۔اسے اس بات کا ذرہ برابر بھی اختیار نہیں کہ ان کے ساتھ ان کے طریقے کے مطابق ایک قدم بھر بھی چل سکے۔اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ یہ اپنے دین کے ہر چھوٹے یا بڑے رکن

سے مداہنت اختیار کئے بغیر اور اسے چھوڑے بغیر انہیں اپنے راستے پر چلانے کی کوشش کرے۔ ورنہ ان سے مکمل طور پر علیحدگی اور جدائی اختیار کرلے۔ ﴿لَكُمۡ دِينُكُمۡ وَلِيَ دِينِ﴾

ہر مسلمان کو اہل کتاب کے ساتھ عفوو درگذر اور حسن سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں ان کے ساتھ ایسی دوستی اختیار کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے جس کا نتیجہ ان کی مدد اور نصرت کی صورت میں نکلتا ہو۔ اگر ہم یہ سمجھیں کہ دین کو کفر اور الحاد پر غالب کرنے کے لئے ہمارا اور اہل کتاب کا ایک ہی راستہ ہے تو یہ بہت بڑی غفلت ہے۔

الحاد اور بے دینی کا مقابلہ کرنے کے لئے اسلام اپنے علاوہ کسی دوسری جماعت سے مدد نہیں لے سکتا۔ وہ جماعت خواہ مذہب کا لبادہ ہی کیوں نہ اوڑھے ہوئے ہو۔ کیونکہ تیسرا کوئی راستہ نہیں یا تو دین ہے اور وہ اسلام ہے اور یا پھر لادین ہے اور وہ اسلام کے علاوہ ہر مذہب ہے۔ لادینیت میں شامل کچھ مذاہب ایسے ہیں جن کی اصل آسمانی احکام پر مشتمل ہے لیکن بعد میں ان میں تحریف کردی گئی ہے۔ کچھ مذاہب ایسے ہیں جن کی بنیاد بت پرستی پر ہے اور وہ اپنی بت پرستی پر قائم ہیں۔ لادینی کی ایک صورت الحاد ہے جو کہ تمام ادیان کا منکر ہے۔ یہ مذاہب جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اسی طرح یہ تمام مذاہب اسلام سے مختلف ہیں۔ یہ مذاہب نہ تو اسلام کے حلیف بن سکتے ہیں اور نہ ہی ان سے دوستی کی جاسکتی ہے۔

اسلام ہر مسلمان کو اس بات کا مکلّف ٹھہراتا ہے کہ تمام لوگوں کے ساتھ اس کے تعلقات صرف اور صرف عقیدہ کی بنیاد پر ہوں۔ مسلمان کے ذہن میں دوستی اور دشمنی کا تصور بھی صرف اور صرف عقیدہ کی بنیاد پر ہی ہونا چاہیئے۔ مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان کسی صورت بھی دوستی قائم نہیں ہوسکتی اور نہ ہی ان سے مدد طلب کی جاسکتی ہے اگرچہ کفر اور لادینیت کا مقابلہ کرنے کی صورت میں دونوں کا ایک ہی مشن کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ ہم میں سے بعض متساہل قسم اور قرآن کا علم نہ رکھنے والے لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ اس صورت میں اہل کتاب سے مدد لی جاسکتی ہے۔ اگر صورت حال اس قدر گھمبیر ہے تو اس صورت میں جبکہ مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان کوئی مشترکہ مشن بھی نہ ہو ان سے کیونکر مدد لی

جا سکتی ہے۔

جو لوگ دین اسلام کے علمبردار ہیں وہ اس وقت تک صحیح معنوں میں مومن نہیں بن سکتے اور نہ غلبہ اسلام کی اس تحریک کو وہ مکمل کر سکتے ہیں جب تک وہ اسلام اور اسلام کے خلاف علمبردار تمام تحریکوں کے درمیان مکمل جدائی نہ پیدا کر دیں۔

قرآن کے نزول کا مقصد مسلمانوں کو اس اجر و ثواب سے خبردار کرنا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ان سے کفار کے ساتھ معرکہ گرم رکھنے کی صورت میں وعدہ کر رکھا ہے۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ایک مسلمان اور ہر اس شخص کے درمیان جدائی ڈال دی جائے جو اپنے آپ کو مسلمانوں کی جماعت کی طرف منسوب نہیں کرتا۔ لیکن یہ جدائی ایسی ہو جس سے مسلمانوں کے عفو و درگذر اور اخلاقی اقدار پر کوئی زد نہ آئے کیونکہ خوش اخلاقی ایک مسلمان کی دائمی صفت ہے۔ البتہ قرآن ایک مومن کے دل سے کفار کے بارے میں الفت و محبت کے اس جذبہ کو ختم کرتا ہے جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اہل ایمان کے لئے ہونا چاہیئے۔ قرآن ہر مسلمان کے دل میں کفار سے علیحدگی اختیار کرنے کا وہ شعور اور وجدان پیدا کرنا چاہتا ہے جو ہر دور اور ہر علاقے کے مسلمانوں کے لئے ضروری ہے۔

یہاں سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے راستے جدا ہو جاتے ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ایک مسلمان کے شعور سے یہ بات ختم ہو جائے کہ اس کے اور ہر اس شخص کے درمیان مکمل جدائی ضروری ہے جو کہ منہج اسلام پر چلنے والا نہیں ہے اور اسلام کا علمبردار نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسلام کی ترویج و اشاعت کے لئے کارہائے نمایاں سرانجام دے اور اسلام کے اہداف و مقاصد کو پورا کرنے کی کوشش کرے جس کا اولیں مقصد زمین میں اس منفرد اور ممتاز نظام کا قیام ہے جو کہ دوسرے تمام نظاموں سے مختلف اور جداگانہ حیثیت کا حامل ہے۔

تمام بنی نوع بشر کو دو بڑے گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک اللہ کا گروہ، دوسرا شیطان کا گروہ۔ اسی طرح اس کائنات میں دو ہی علم ہیں، ایک علم حق اور دوسرا علم باطل۔ اگر تو کوئی آدمی اللہ کے لشکر میں سے ہے تو وہ حق کے جھنڈے کے نیچے کھڑا ہے۔ اور اگر کوئی شیطان کے لشکر میں سے ہے تو وہ باطل

کے جھنڈے کے نیچے کھڑا ہے۔ یہ دونوں گروہ ایک دوسرے سے ممتاز حیثیت رکھتے ہیں نہ تو آپس میں گھل مل سکتے ہیں اور نہ ہی یہ دونوں بالکل ختم ہو کر ایک حیثیت اختیار کر سکتے ہیں۔ان کے درمیان نہ کوئی تعلق ہے، اور نہ کوئی قرابت داری ہے اور نہ ہی کوئی رشتہ داری ہے۔ یہ سب تعلقات نہ تو ہم جنس، ہم قوم ہونے کی وجہ سے قائم ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ہم وطن ہونے کی وجہ سے۔ یہ سب تعلقات صرف اور صرف عقیدہ کی بنیاد پر ہی قائم ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالی ہر مومن کو اس بات سے منع فرماتے ہیں کہ وہ اپنے سے مختلف عقیدہ اور منہج رکھنے والے لوگوں سے دوستی اور مشاورت کا کوئی تعلق قائم کرے۔ ہم ہر دور میں دشمنوں سے دوستی کرنے کے تلخ تجربے سے گذرتے ہیں لیکن پھر بھی نہیں سمجھتے۔ ہر دور میں ہمیں کفار کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف مختلف پردوں میں چھپی ہوئی سازشوں کے بارے میں علم ہوتا ہے لیکن ہم پھر بھی عبرت نہیں پکڑتے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ان کی زبانیں لڑکھڑا جاتی ہیں اور وہ ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جن سے ان کا اندرونی بغض و کینہ ظاہر ہو جاتا ہے، لیکن ہم پھر بھی اپنی اصلاح نہیں کرتے۔اس تمام کچھ کے باوجود ہم دوبارہ پھر ان کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور ان کے لئے اپنے سینے اور دل کھلے رکھتے ہیں۔اور اپنی زندگی کے سفر میں انہیں اپنا ہم سفر بنا لیتے ہیں۔ان کے ساتھ دشمنی رکھنا ہمارے لئے روحانی اذیت کا باعث ہوتا ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم اپنی زندگی میں دوستی اور دشمنی کے اسلامی معیار کو بطور منہج نہیں اپناتے۔ اگر ہم اسے اپنا لیں تو ہمیں اپنی تاریخ میں کسی صدام کا منہ نہیں دیکھنا پڑے گا جو کہ کبھی ہمارے اسلاف میں موجود تھا۔اس طرح گھات لگائے بیٹھے ان دشمنوں سے ہم بچے رہیں گے۔

یہ کفار سے دوستی لگانے کا ہی نتیجہ ہے کہ ہم اس سزا کے مستحق ہوتے جا رہے ہیں جو اللہ تعالی کے باغیوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ ہمارے دشمنوں نے ہمارے لئے جو جال بچھا رکھے ہیں ہم ان میں پھنستے جا رہے ہیں۔قرآن کریم نے جس انداز سے صحابہ کرامؓ کی تربیت کی تھی بالکل اسی انداز میں وہ ہماری بھی تربیت کر رہا ہے تا کہ ہم دشمنوں کے مکروفریب سے بچے رہیں، ان کی تکلیفوں کا مقابلہ کرتے رہیں اور ان کے دلوں میں چھپے ہوئے دشمنی کے جذبہ سے نجات پا جائیں۔ارشاد ربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ﴾ (آل عمران:۱۱۸)

اے ایمان والو! تم اپنا دلی دوست ایمان والوں کے سوا کسی کو نہ بناؤ۔ (تم تو) نہیں دیکھتے دوسرے لوگ تمہاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے، وہ تو چاہتے ہیں کہ تم دکھ میں پڑو، ان کی عداوت تو خود ان کی زبان سے بھی ظاہر ہو چکی ہے اور جو ان کے سینوں میں پوشیدہ وہ بہت زیادہ ہے، ہم نے تمہارے لئے آیتیں بیان کر دیں۔ اگر عقلمند ہو (تو غور کرو)

ارشاد ربانی ہے:

﴿أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعاً وَيُذِيقَ بَعْضَكُم بَأْسَ بَعْضٍ﴾ (الأنعام:۶۵)

''یا کہ تم کو گروہ گروہ کر کے سب کو بھڑا دے اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی چکھا دے۔

ہر علاقے میں بسنے والی مسلمانوں کی جماعت کے لئے مذکورہ آیت میں بیان ہونے والے عذاب سے اس وقت تک چھٹکارا ممکن نہیں جب تک مسلمانوں کی جماعت فکری اور شعوری لحاظ سے مکمل طور پر اہل جاہلیت سے جدائی نہ اختیار کر لے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالی کے حکم سے کوئی اسلامی حکومت قائم ہو جائے اور سبھی مسلمان اس کے ساتھ چمٹ جائیں۔

اگر امت مسلمہ کفار سے جدائی اختیار نہیں کرے گی اور ان سے متمیز نہیں ہوگی تو یہ اللہ کے عذاب کی مستحق ہو جائے گی۔ عذاب کی یہ صورت ہوگی کہ مسلمان آپس میں مختلف جماعتوں میں بٹ جائیں گے اور آپس میں الجھتے رہیں گے، اور اپنوں اور غیروں کے ہاں مسلمان اپنی پہچان کھو دیں گے۔ اگر مسلمان اپنی اس حالت پر قائم رہیں گے تو بجائے اس کے کہ ان پر اللہ کی مدد نازل ہو وہ اللہ تعالی کے عذاب میں گرفتار رہیں گے۔

مسلمان اگر کفار سے جدائی اور دشمنی کا اظہار کریں گے تو اس کے لئے انہیں بڑی قربانیاں دینی پڑیں گی اور بڑی مشقت اٹھانی پڑے گی۔ لیکن یہ بات ذہن میں رہنی چاہیئے کہ کفار کی طرف سے ملنے والی

مشقت اور عذاب اس مصیبت سے زیادہ نہیں ہے جو ان سے دوستی کرنے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے تفرقہ اور قلق سے حاصل ہونے والی ہوتی ہے۔

رنگ ونسل، زبان ووطن اور اس قسم کی دوسری فضیلتوں میں سے کسی فضیلت اور بڑائی کو اللہ کے ہاں کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ اللہ تعالی کے ہاں صرف ایک ہی میزان اور کسوٹی ہے جسے پر لوگوں کی اہمیت اور فضیلت کو جانچا اور پرکھا جاتا ہے۔ وہ میزان تقوی اور خشیت الہی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّ أَكۡرَمَكُمۡ عِندَ اللَّهِ أَتۡقَاكُمۡ﴾ (الحجرات:۱۳)

اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

درحقیقت معزز وہی ہے جو اللہ کے ہاں معزز ہے۔ اللہ تعالی اپنے علیم وخبیر ہونے کی وجہ سے اپنے متعین کردہ میزان میں لوگوں کا وزن کرتے رہتے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (الحجرات:۱۳)

''یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے''۔

اس بنا پر تمام قسم کی فضیلتیں اور خصلتیں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں، صرف ایک ہی اہمیت اور میزان باقی رہے گا اسی میزان اور ترازو میں ساری انسانیت کو تولا اور پرکھا جائے گا۔

اس طرح زمین میں موجود لڑائی جھگڑے کے تمام اسباب ختم ہوجائیں گے اور فضیلت کے وہ تمام جھوٹے معیار بھی ختم ہوجائیں گے جن کے حصول کے لئے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ جنگ کرتے تھے۔ الفت ومحبت کا صرف ایک ہی معیار قائم ہوجائے گا وہ معیار یہ ہے کہ سبھی لوگ اللہ کی الوہیت کا اقرار کریں اور یہ تسلیم کریں کہ ان سب کی اصل ایک ہے۔ ایک ہی جھنڈا سربلند کیا جائے گا جس کا نام تقوی ہے اور وہ بھی اللہ تعالی کے حکم کے مطابق سربلند ہوگا۔ سبھی لوگ اسی ایک جھنڈے کے نیچے اکٹھے ہونے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کریں۔ یہی وہ جھنڈا ہے جسے اسلام نے سربلند کیا ہے تاکہ وہ انسانیت کو ملک وقوم، رنگ ونسل اور علاقہ وغیرہ کے تعصّبات کی مصیبتوں سے

چھٹکارا دلا دے۔ یہ تمام عصبیتیں زمانہ جاہلیت کی نشانیاں ہیں اور اسی کی طرف بلاتی ہیں۔ یہ سب کچھ خواہ مختلف قسم کے لباسوں میں ملبوس ہو جائے اور اپنے آپ کو مختلف ناموں کے ساتھ موسوم کر لے یہ جاہلیت ہے اور اسلام سے عاری ہے۔

④ چوتھی صفت: شمولیت (مکمل اسلام کا احاطہ کرنا):

اس سے مراد یہ ہے کہ طائفہ منصورہ کی صفات میں ہے کہ وہ بغیر کسی افراط وتفریط اور ایک ہی طرف جھکاؤ کے مکمل اسلام کا احاطہ کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس بات کی انہیں مکمل سمجھ ہوتی ہے کہ اسلام کے کون سے ارکان زیادہ اہمیت کے حامل ہیں اور شرعی مصلحت کے تحت کن ارکان کو مقدم کیا جائے گا اور کن کو مؤخر کیا جائے گا۔ اور جب بہت سے اہمیت والے امور ایک ہی وقت میں جمع ہو جائیں سب سے اہم ترین معاملے کو اس طریقے سے مقدم کیا جائے کہ دوسرے اہم ترین امور کی اہمیت پر کوئی آنچ نہ آئے اس بات کا انہیں مکمل طور پر ادراک ہوتا ہے۔

وہ ایسی جماعت نہیں ہے کہ صرف دعوت وتبلیغ اور وعظ ونصیحت ہی جس کا منہج ہو اور اس کی تمام سرگرمیاں صرف اسی بات پر مرتکز ہوں۔

اسی طرح وہ ایسی جماعت بھی نہیں ہے کہ اس کا منہج صرف جہاد پر قائم ہو اور اس کی تمام کوششیں صرف اسی پر مرتکز ہوں۔

اسی طرح وہ ایسی جماعت بھی نہیں ہے کہ اس کا منہج صرف اور صرف حصول علم اور تفقہ فی الدین پر مبنی ہو اور اسے دین کے دوسرے امور کو پورا کرنے یا اس علم کے مطابق عمل کرنے کے بارے میں کوئی خیال تک نہ آئے۔

اسی طرح وہ ایسی جماعت بھی نہیں ہے کہ جس کا منہج صرف اور صرف کثرت عبادت، کثرت ذکر اور تزکیہ نفوس پر مبنی ہو۔

اسی طرح وہ ایسے بھی نہیں ہیں کہ ان کی زندگی کا مقصد عظیم صرف اور صرف سیاسی اور ملکی معاملات میں شمولیت ہو اور وہ دین کے دوسرے تمام امور سے غافل ہوں۔

کوئی خاص جھنڈا ان کی پہچان نہیں ہوتا اور نہ ہی دین کے بقیہ امور کو چھوڑ کر صرف ایک امر پر وہ اسقدر شدت سے زور دیتے ہیں وہ ان کی علامت بن جائے۔ وہ ایسی جماعت ہے جس میں دین کے تمام امور اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ موجود ہوتے ہیں۔ وہ دین کی حصہ بندیاں نہیں کرتے اور نہ ہی ایک رکن کو دوسرے سے جدا کرتے ہیں۔ اگر آپ ان کی طرف دیکھیں تو آپ کو ان میں اسلام کامل اور اکمل حیثیت سے نظر آئے گا۔

ایک طرف تو وہ دین حق کے داعی ہیں جو اپنے علم وفقہ اور حکمت وموعظہ حسنہ کی بنیاد پر دعوت وتبلیغ کو بہترین طریقے سے انجام دے رہے ہوتے ہیں۔

اور دوسری طرف وہ نیکی کا حکم دینے والے، برائی سے روکنے والے اور اللہ تعالی کے راستے میں جہاد کرنے والے ہوتے ہیں اور اللہ تعالی کے راستے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے خوف نہیں کھاتے۔

ایک طرف آپ انہیں دیکھیں گے کہ علم وفقہ کے حصول کے لئے بڑے حریص ہیں وہ یا تو علماء ہیں یا پھر طالب علم، اس کے ساتھ ساتھ وہ معاشرتی معاملات اور امت کے حالات پر مکمل نظر رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ کفار کی طرف سے چلی جانے والے ہر وہ چال جس کا نشانہ اسلام اور اہل اسلام بننے والے ہوتے ہیں وہ اس کا توڑ کرتے ہیں اور دشمنوں کو سبق سکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ كَذَلِكَ نفَصِّلُ الآيَاتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ (الأنعام:٥٥)

اسی طرح ہم آیات کی تفصیل کرتے رہتے ہیں اور تا کہ مجرمین کا طریقہ ظاہر ہو جائے۔

اللہ تعالی آیات کو تفصیل سے بیان کرنے کا مقصد یہ بیان کر رہے ہیں تا کہ مجرمین کا راستہ واضح ہو جائے، تا کہ ان سے جدائی اختیار کی جا سکے اور ان سے بچاؤ اور اجتناب ممکن ہو سکے۔

اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی اور دوسروں کی تربیت کا بھی بہت اہتمام کرتے ہیں۔ اس کے لئے وہ ہر قسم کے ایسے وسائل اختیار کرتے ہیں جن کی مشروعیت قرآن وسنت سے ثابت ہوتی ہے۔ وہ رات کے وقت عبادت میں دن کو جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول رہتے ہیں۔

یہ تمام خصائل ان کی زندگی کا ایک لازمی خاصہ ہوتے ہیں۔ وہ ان کے درمیان نہ تو فرق کرتے ہیں اور نہ ہی ایک خوبی کو دوسری سے جدا کرتے ہیں۔ اور نہ ہی کسی ایک رکن کی اہمیت بھی ان کے ہاں کم ہوتی ہے۔ وہ ہر عبادت کو اپنے وقت اور مناسبت سے مکمل خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ﴾ وہ تمام چیزیں جو وہ اپنے رب کی طرف سے لائے ہیں، ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑا جائے گا۔

﴿وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾ (الحشر ۷)

تمام چیزیں جن سے وہ تم کو روک دیں۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے جب نبی کریم ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا: ''آپ ﷺ کا اخلاق قرآن تھا'' یعنی مکمل قرآن اپنی تمام تعلیمات اور اوامر و نواہی کے ساتھ۔ سیدہ رضی اللہ عنہم نے یہ نہیں فرمایا کہ ان کا خلق قرآن میں سے سورۃ بقرہ، سورۃ توبہ یا سورۃ انفال پر مشتمل تھا۔

اہل ایمان کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں کامل اور بہترین نمونہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ (الأحزاب:۲۱)

یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا ہے۔

طائفہ منصورہ کی یہ صفت ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام امور میں خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاشرتی، سیاسی، معاشی یا جہادی امور سے ہو نبی کریم ﷺ سے رہنمائی لیتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی کے تمام اقوال وافعال اور امور میں اقتداء اور التزام کے لئے حتی الوسع صرف نبی کریم ﷺ کی سنت کو ہی تلاش کرتے ہیں۔ ان کی خوبی یہ ہے کہ یہ متبع سنت ہیں اور اہل بدعت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

یہ وہی لوگ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے تعریف بیان فرمائی ہے: ارشاد ربانی ہے:

﴿فَالَّذِينَ آمَنُواْ بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُواْ النُّورَ الَّذِيَ أُنزِلَ مَعَهُ أُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾(الأعراف:۱۵۷)

سو جولوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اوران کی حمایت کرتے ہیں اوران کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جوان کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔

اور فرمایا:

﴿وَمَن يُطِعِ اللّهَ وَالرَّسُولَ فَأُوْلَـئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاء وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَـئِكَ رَفِيقاً﴾(النساء:۶۹)

اور جو بھی اللہ تعالی کی اور رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرے، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالی نے انعام کیا ہے، جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، یہ بہترین رفیق ہیں۔

اور فرمایا:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّهُ﴾(آل عمران:۳۱)

کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالی سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالی تم سے محبت کرے گا۔

جولوگ دین کو حصوں میں بانٹ دیتے ہیں یعنی کچھ کو مان لیتے ہیں اور کچھ کا انکار کر دیتے ہیں یا کچھ حصے پر عمل کر لیتے ہیں اور کچھ کو چھوڑ دیتے ہیں، وہ ان لادین لوگوں کی طرح ہیں جو دین کو سیاست اور دنیاوی امور سے جدا سمجھتے ہیں۔ان لوگوں پر اللہ تعالی کا یہ فرمان بالکل سچ ثابت آتا ہے:

﴿أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاء مَن يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنكُمْ إِلاَّ خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَى أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾(البقرہ:۸۵)

کیا بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ تم میں سے جو بھی ایسا کرے، اس کی سزا اس کے سوا کیا ہو کہ دنیا میں رسوائی اور قیامت کے دن سخت عذاب کی مار، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔

اور ارشاد ربانی ہے:

﴿وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُواْ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلاً☆ أُوْلَـئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقّاً وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَاباً مُّهِيناً﴾(النساء:۱۵۰-۱۵۱)

اور جو لوگ کہتے ہیں کہ بعض نبیوں پر تو ہمارا ایمان ہے اور بعض پر نہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے اور اس کے بین بین کوئی راہ نکالیں☆ یقین مانو کہ یہ سب لوگ اصلی کافر ہیں، اور کافروں کے لئے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے۔

اور ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمِنَ الَّذِينَ قَالُواْ إِنَّا نَصَارَى أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُواْ حَظّاً مِّمَّا ذُكِّرُواْ بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاء إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾(المائدہ:۱۴)

اور جو اپنے آپ کو نصرانی کہتے ہیں ہم نے ان سے بھی عہد و پیمان لیا، انہوں نے بھی اس کا بڑا حصہ فراموش کر دیا جو انہیں نصیحت کی گئی تھی، تو ہم نے بھی ان کے آپس میں بغض و عداوت ڈال دی جو تا قیامت رہے گی۔

مسلمانوں کو یہ تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اگر تم بھی عیسائیوں کی طرح دین کے بعض حصے کو بھلا دو گے، کچھ حصے پر عمل کرو گے اور کچھ کو چھوڑ دو گے تو تمہیں بھی اختلاف وافتراق اور بغض وعداوت کے اس عذاب سے دوچار کیا جائے گا جس عذاب سے عیسائیوں کو دوچار کیا گیا تھا۔

موجودہ دور میں مسلمان ذلت ورسوائی اور افتراق وانتشار کے جس عذاب سے دوچار ہیں اس کا یہی سبب ہے کہ وہ دین اور توحید کا ایک وافر حصہ فراموش کر چکے ہیں۔ اور دین کے کچھ حصے پر عمل کرتے ہیں اور کچھ کو چھوڑ دیتے ہیں۔

مسلمانوں کی طرف سے دین کے کچھ حصے پر عمل کرنا اور کچھ کو چھوڑ دینا اس کے دو بنیادی سبب ہیں:

پہلی وجہ: موجودہ دور میں مختلف فقہی مذاہب کا وجود، جو کہ ارادتاً یا غیر ارادی طور پر دین کو جدا جدا کرنے پر جتے ہوئے ہیں۔ دین کے کچھ احکام کو خاص اہمیت دیتے ہیں اور کچھ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ بات مسلمانوں کے فکر و کردار اور زندگی پر منفی اثرات مرتب کرتی ہے۔ خاص طور پر طالب علم اس سے بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر مسلمانوں میں ایک جماعت ہے جو کہ دعوت و تبلیغ کا خاص اہتمام کرتی ہے اور مبالغہ کی حد تک اسے اہمیت دیتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین کے دوسرے ارکان بالکل ہی چھوٹ جاتے ہیں۔ اگر اس جماعت کے پیروکاروں کی توجہ دین کے ان چھوڑ دیئے گئے ارکان کی طرف مبذول کروائی جائے تو اسقدر شدومد کے ساتھ ان ارکان کا غیر اہم ہونا ثابت کریں گے گویا کہ یہ ارکان دین میں شامل ہی نہیں ہیں۔

اسی طرح ایک ایسی جماعت ہے جو روحانی تربیت پر بہت زیادہ زور دیتی ہے۔ اور مبالغہ کی حد تک اس کی اہمیت بیان کرتی ہے۔ اس نظریے کے پیروکار بعض اوقات اس حد تک جا پہنچتے ہیں کہ ان کے ہاں دین سارے کا سارا اس ایک نظریے کے گرد ہی گھومتا ہے۔ ان کے ہاں دین کے باقی ارکان کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی۔ یہ بالکل غلط نظریہ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ لوگ ارادتاً یا غیر ارادی طور پر دین کے دوسرے ارکان کے بارے میں سستی اور کوتاہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

دوسری طرف ایک ایسی جماعت ہے جو صرف علم کے حصول، علمی موضوعات کی تحقیق و تخریج اور حفظ پر مبالغہ کی حد تک توجہ دیتی ہے۔ یہ صرف اپنی تحقیق و تخریج میں مگن ہوتے ہیں اور امت کے حالات و واقعات، مشکلات و آلام کی انہیں کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ لوگ بھی دین کے بارے میں اسی کوتاہی کا شکار ہو جاتے ہیں جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ یعنی دین کے بعض امور کو لازم پکڑ لیتے ہیں اور بعض کو چھوڑ دیتے ہیں۔

ایک ایسی جماعت ہے جس کی بنیاد صرف جہاد و قتال پر ہوتی ہے اور وہ مبالغہ کی حد تک صرف اسے ہی

اہمیت دیتے ہیں۔نتیجتاًوہ دین کےان ارکان کے بارے میں سستی اورکوتاہی کا شکار ہوجاتے ہیں جوکہ حقیقت میں جہاد کےلوازمات اوراسکی قبولیت اورکامیابی کی شرائط میں سے ہوتے ہیں۔

کچھ لوگ صرف عقیدہ کے گردہی گھومتے رہتے ہیں اوراسی کی اہمیت بیان کرتے رہتے ہیں۔اگرآپ غور سے دیکھیں کہ آخران کی اس دعوت کا مقصد کیا ہےتو پتا چلے گا کہ وہ تو صرف توحید کے بعض پہلوؤں کواپناتے ہیں اوربعض کوچھوڑ دیتے ہیں۔اگر وہ توحید ربوبیت کی دعوت دیں گےتو توحید الوہیت اورتوحیداسماء والصفات سے بالکل ہی بے بہرہ ہونگے اورانہیں بے وقعت سمجھیں گے۔اور بعض اوقات وہ قدیم وجدیدمنکرین کے رد کے لئے اسماء والصفات کی بحث میں اس قدر مشغول ہو جاتے ہیں کہ توحید ربوبیت اورتوحیدالوہیت سے بالکل ہی غافل ہوجاتے ہیں حالانکہ توحید کی یہ اقسام بہت زیادہ توجہ اوراہتمام کی طلبگار ہیں۔

وہ توحید الوہیت اورتوحید ربوبیت کے بارے میں گفتگوکریں گےتو اس میں بھی وہ صرف بعض پہلوؤں کی طرف توجہ دیں گےاوربعض کوچھوڑ دیں گے۔توحیدالوہیت میں وہ صرف عبادات،قربانی، دعاواستعانت اورتوکل وغیرہ کی طرف ہی توجہ دیں گے،جبکہ تحکیم،شریعت سازی،اطاعت واتباع اور ولاء والبراء سے بالکل ہی بے بہرہ ہونگے۔

اسی طرح ایسا شخص جب شرک کےنقصانات بیان کرے گا اوراس سے بچاؤ کا درس دے گا تو صرف قبروں سے متعلقہ شرک اور بدعات وخرافات سے متعلقہ شرک کی طرف ہی توجہ دے گا۔اورایسا وہ اس تربیت کی بناپرکرے گا جس طریقے پراس کی تربیت کی گئی ہےاوراسے وعظ ونصیحت کا جوطریقہ سکھایا گیا ہے۔اسے اس شرک کی کوئی پرواہ ہی نہیں ہوگی جوتحکیم،شریعت سازی،اطاعت واتباع اورولاءوالبراء میں اللہ تعالی کا شریک بنانے کی صورت میں موجود ہوتا ہے۔ایسا اس وقت ہوگا جب وہ ذاتی طور پر دانستہ یانادانستہ طورپرشرک کی اس قسم میں ملوث نہ ہوگا۔

جیسا کہ پہلے بھی ذکرہوچکا ہے کہ یہ تمام باتیں طائفہ منصورہ کےمنہج کے خلاف ہیں۔طائفہ منصورہ تو اسلام کوبغیرکسی افراط وتفریط اورایک ہی طرف جھکاؤ کےبغیرہی قبول کرتی ہے۔

دوسری وجہ: دین کے کچھ امور کو مان لینا اور کچھ کو چھوڑ دینا اس کا دوسرا سبب یہ ہے کہ اکثر مسلمانوں کو شیطان نے خفیہ طور پر اپنے جال میں الجھا رکھا ہے۔ جس کی بنا پر وہ انہیں زیادہ اہم کو چھوڑ کر کم اہم کی طرف متوجہ کرواتا ہے اور فرائض کو چھوڑ کر ان کی توجہ نوافل کی طرف مبذول کرواتا ہے۔ دین پر کلی طور عمل کرنے کے بجائے وہ انہیں دین کی جزئیات میں سے کسی جزو میں الجھا دیتا ہے۔ ایک لمبے عرصے کے لئے ان کی یہی کیفیت رہتی ہے۔ بعض اوقات تو یوں ہوتا ہے کہ کسی کی تمام عمر ہی اس حالت میں گذر جاتی ہے کہ وہ دین کے ایک ہی جزو پر ٹھہرا ہوا ہوتا ہے۔ دین کے دوسرے اجزاء اور اطراف کی طرف اس کی کوئی توجہ نہیں ہوتی۔ اس طرح وہ دین کے کچھ حصے کو مان کر اور کچھ کو چھوڑ کر دانستہ یا غیر دانستہ طور پر ایک غلطی کا مرتکب ہوتا رہتا ہے۔

اسے مثال کے طور پر یوں سمجھ لیجئے کہ اس قسم کا کوئی شخص جس کے لئے شیطان نے اس کے اعمال مزین کئے ہوتے ہیں وہ شعر و شاعری اور ادب و سخن میں ہی اپنی ساری زندگی گذار دیتا ہے، اور اسی کی درس و تدریس میں ایک لمبے عرصے تک مشغول رہتا ہے۔ اس کے مقابلے میں آپ دیکھیں گے کہ اسے معلوم تک نہیں ہوتا کہ لا الہ الا اللہ کا معنی و مفہوم کیا ہے، اس کی شروط، مطالبات اور نواقض کیا ہیں۔

اسی طرح بعض لوگ قرآن کریم کی تلاوت، اس کی آیات میں تدبر، کتب حدیث کی تفہیم و تشریح کو چھوڑ کر شعر و شاعری میں مگن رہتے ہیں۔ حالانکہ اہمیت اور نفع کے لحاظ سے قرآن وسنت کے علوم شعر و شاعری سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ یہ شخص ایسا کر کے اپنی صلاحیتوں اور اپنی عمر کو ضائع ہی کرتا رہتا ہے۔ اس طرح کا کوئی شخص اگر کسی ثقافتی یا فکری سرگرمی میں شریک ہوتا ہے اور اپنی سوچ و فکر کا اظہار کرتا ہے تو اس کی سوچ اور فکر اسلامی سوچ اور فکر کے بالکل متضاد ہوتی ہے۔ یہ سب کا سب اس کی ایک خاص نہج پر حاصل کی گئی تعلیم کا نتیجہ ہے کیونکہ برتن سے وہی چیز چھلکتی ہے جو اس کے اندر موجود ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے وہ خود بھی دکھ اٹھاتا ہے اور دوسروں کو بھی تکلیف میں مبتلا کرتا ہے۔

یہ بھی شیطان کا ایک داؤ ہی ہے کہ کوئی شخص دین کے صرف ایک مسئلے میں الجھ کر اپنی ساری زندگی گنوا دے اور سارا وقت برباد کر دے اور دین کے دوسرے مسائل کے بارے میں اسے ادنی سی معلومات

بھی نہ ہوں۔آپ دیکھ سکتے ہیں کہ کتنے ہی دین کے داعی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اپنی ساری زندگی ایک مخصوص مسئلے یا ایک مخصوص منہج کی ترویج میں گذار دیتے ہیں۔جب ان کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو اچانک انہیں اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ انہوں نے تو اپنے نفس کے لئے آگے کچھ بھیجا ہی نہیں۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ اللہ تعالی کی مطلق عبادت کرنے والوں کی صفات کے بارے میں رقمطراز ہیں:

دوسری نشانی، یہ کہنا کہ: وہ کسی نام وغیرہ کی طرف منسوب نہیں ہوتے ،یعنی مختلف اصحاب طرق کی پہچان کے لئے جو نام وغیرہ مشہور ہو چکے ہیں ان میں سے کسی نام کی طرف یہ لوگ منسوب نہیں ہوتے۔اس کے ساتھ وہ اپنے آپ کو صرف ایک ہی عمل کے ساتھ مقید نہیں کرتے کہ اس عمل کے ساتھ ان کا نام چلے اور یہ ان کے نام کی پہچان بن جائے۔یہ چیز عبادت کے اندر ایک بہت بڑی مصیبت ہے۔کیونکہ یہ ایک مقید عبادت ہوگی

جبکہ مطلق عبادت یہ ہے کہ: عبادت گذار عبادت کے حوالے سے کسی مخصوص نام کے ساتھ موسوم نہ ہو اور وہ اختلاف کے باوجود عبادت کی طرف بلانے والے ہر داعی کی آواز پر لبیک کہے۔اس کا تعلق ہر عبادت گذار مسلمان کے ساتھ ہو اور وہ اس کی محنت میں اس کا شریک کار ہو۔وہ کسی خاص نشان، اشارہ ،نام یا لباس کے ساتھ مقید نہ ہو۔اور نہ ہی وہ کسی مخصوص بناوٹی راستے پر چلنے والا ہو۔بلکہ اس کی کیفیت یہ ہو کہ اگر اس سے پوچھا جائے کہ تیرا شیخ کون ہے؟ تو وہ جواب دے: محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔اگر اس سے اس کے طریق کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ کہے: اتباع۔اگر اس کے لباس کے بارے میں پوچھا جائے تو کہے: تقوی کا لباس۔اگر اس کے مذہب کے بارے میں پوچھا جائے تو کہے: سنت پر عمل۔اگر اس سے مقصد حیات کے بارے میں پوچھا جائے تو اس کا جواب ہو رضائے الٰہی کا حصول۔اگر اس کی تربیت گاہ اور خانقاہ کے بارے میں پوچھا جائے تو اس کا جواب ہو:

﴿فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ☆ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ﴾(النور: ۳۶-۳۷)

ان گھروں میں جن کے بلند کرنے ،اور جن میں اپنے نام کی یاد کا اللہ تعالی نے حکم دیا ہے وہاں صبح وشام اللہ تعالی کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔

اگر اس سے اس کا نسب پوچھا جائے تو کہے:

جب لوگ قیس اور تمیم کے ساتھ فخر کر رہے ہوں تو میرا باپ اسلام ہی ہے اور اس کے علاوہ میرا کوئی باپ نہیں۔

اس سے اس کے کھانے پینے کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو اس کا جواب ہوتا ہے کہ آپ کا اس سے کیا تعلق؟ اس کے پہننے اور کھانے پینے کا سامان اس کے ساتھ ہی ہوتا ہے، کسی چشمے کا پانی پی کر اور کسی درخت کا پھل کھا کر وہ گذارہ کر لیتا ہے۔ اپنے رب سے ملاقات تک ان کی یہی کیفیت رہتی ہے۔

اے افسوس! اس عاجزی اور سستی کی حالت میں عمر ختم ہوگئی اور اس کے لمحات گذر گئے۔

قوم نے نجات کا دروازہ پالیا ہے لیکن وہ اس اعلی اور ارفع مقصد کے حصول کی طرف بہت آہستگی سے رواں دواں ہیں۔

مطلق عبادت کی صفت کے حامل لوگوں کا یہ نظریہ ہوتا ہے کہ امت پر جسقدر آفات نازل ہوئی ہیں ان سب کا سبب سوائے اور کچھ نہیں کہ امت نے اپنے آپ کو مختلف فرقوں میں تقسیم کر لیا ہے۔ ہر گروہ اپنے مخصوص نشان کے اندر مقید ہے اور اس کا ایک علیحدہ ہی راستہ ہے اس صورت حال نے مخلوق کے اکثر حصے کو اللہ تعالی سے کاٹ کر رکھ دیا ہے

کسی امام صاحب سے پوچھا گیا کہ: سنت کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: سنت وہ ہے جس کا سنت کے علاوہ کوئی دوسرا نام نہ ہو۔ یعنی اہل سنت کے ہاں نسبت کے لئے سنت کے علاوہ کوئی دوسرا نام نہیں ہوتا۔ بعض لوگ اپنے لئے کسی ایک لباس کو مخصوص کر لیتے ہیں اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا لباس نہیں پہنتے۔ یا کسی ایک جگہ پر بیٹھنا مخصوص کر لیتے ہیں اور اس کے علاوہ کسی دوسری جگہ پر نہیں بیٹھتے۔ یا کوئی خاص چال ڈھال مخصوص کر لیتے ہیں اور اس کے علاوہ کسی دوسرے طریقے سے نہیں چلتے۔ یا اپنے لئے کوئی خاص شکل وصورت مخصوص کر لیتے ہیں اور اس کے اندر تبدیلی نہیں کرتے۔ یا اپنے لئے کسی ایک

عبادت کو مخصوص کر لیتے ہیں اور اس کے علاوہ کوئی دوسری عبادت نہیں کرتے اگر چہ وہ اس سے اعلی اور ارفع ہی کیوں نہ ہو۔ یا اپنے لئے کسی ایک بزرگ کو مخصوص کر لیتے ہیں اور اس کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف توجہ نہیں دیتے اگر چہ وہ اس کی نسبت اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کا زیادہ مقرب ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے تمام لوگ اپنی زندگی کے اعلی ترین مقصد کے حصول میں ہمیشہ ناکام رہتے ہیں۔ کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کی اتباع کے راستے کو چھوڑ کر کسی دوسری منزل کے راہی بن چکے ہوتے ہیں۔ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو خلوت پسند ہوتے ہیں اور خالی دل سے اللہ تعالی کی عبادت میں مشغول رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ وہ حصول علم کو اپنے لئے چوری اور ڈاکے کے مترادف سمجھتے ہیں۔ اگر انہیں حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کے بارے میں کہا جائے یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ترغیب دلائی جائے تو اسے فضول اور برا کام سمجھتے ہیں۔ اگر اپنے میں سے کسی کو یہ فریضہ سرانجام دیتے ہوئے دیکھ لیں تو اسے اپنے گروہ میں سے نکال دیتے ہیں اور اسے اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ تعالی سے سب سے زیادہ دور ہیں۔ (مدارج السالکین: ۳/ ۱۷۴-۱۷۶)

تنبیہ: بعض لوگ دعوت وتبلیغ میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس سے کم اہمیت والے امور اور نفل عبادات کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں۔ ان میں سے کسی شخص کی توجہ اگر کسی نفل عبادت کی طرف مبذول کروائی جائے تو فوراً اعتراض کر دیں گے کہ اس وقت زیادہ اہمیت والے امور اور فرائض پر توجہ دینے کی زیادہ ضرورت ہے جبکہ آپ ابھی تک کم اہمیت کے حامل ان امور میں الجھے ہوئے ہیں۔ وہ لوگ آپ کو بھی اس بات کی دعوت دیں گے کہ آپ بھی نوافل کو چھوڑ کر صرف فرائض کی طرف ہی توجہ دیں۔ شیطان کے جال میں پھنسنے والوں کے لئے یہ بھی ایک شیطانی چال ہے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ بستر مرگ پر حالت نزع میں مبتلا ہیں۔ اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ امت کے لئے وصیت کے کچھ کلمات ارشاد فرما دیں۔ لیکن انہوں نے اس حال میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کو نہ چھوڑا، جب انہوں نے اپنے ساتھ ملاقات اور عیادت کے لئے آنے والوں میں ایک شخص کے تہہ بند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکتا ہوا دیکھا تو اسے فوراً بغیر کسی تردد کے کپڑا اوپر اٹھانے کا حکم دیا۔ عمر

فاروق رضی اللہ عنہ اللہ تعالی سے سب سے زیادہ ڈرنے والے تھے اور ان کا دامن گناہوں سے سب سے زیادہ صاف تھا۔

جو بات یہاں پر کہنی چاہئیے وہ یہ ہے کہ: اہم ترین امور اور واجبات کو سرانجام دینے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان نوافل کو بالکل ہی چھوڑ دے۔ البتہ ایسا اس وقت ہوسکتا ہے جب فرائض اور نوافل، کم اہمیت والے اور زیادہ اہمیت والے امور ایک ہی وقت میں آپس میں مزاحم ہوجائیں اور ایک وقت میں صرف ایک ہی کام کی انجام دہی ممکن ہو تو اس وقت فقہ اس بات کی متقاضی ہے کہ زیادہ اہمیت والے امور کو کم اہمیت والے اور فرائض کو نوافل پر مقدم کیا جائے اس جگہ یہ ہمارا موضوع نہیں اس قسم کی معلومات قاری کو فقہ اور اصول فقہ کی کتابوں میں مل سکتی ہے۔ ان کی طرف رجوع کر لینا زیادہ بہتر ہے۔

فقہ الواقع: (حالات حاضرہ سے آگاہی)

ہم اس موضوع کو ایک مستقل عنوان کے تحت بیان نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن یہ بات اس کے بیان کا سبب بن گئی کہ موجودہ زمانہ میں بہت سے ایسے لوگ ہمارے مشاہدہ میں آئے جو حالات حاضرہ سے آگاہی اور ان کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کو بے فائدہ سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اس علم کا حصول عوام الناس تو کجا علماء اور طلاب علم کے لئے بھی ضروری نہیں۔ بعض نے تو اس علم کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے اس قدر مبالغہ کا اظہار کر دیا کہ اس علم کے حصول کو بالکل بے فائدہ اور وقت کا ضیاع سمجھنا شروع کر دیا۔

بعض لوگوں نے بڑے فخریہ انداز سے صراحتاً یہ بات بھی کہی کہ وہ شرعی علوم میں مشغول ہونے کی وجہ سے اخبار تک کا مطالعہ نہیں کرتے اور نہ ہی خبریں وغیرہ سنتے ہیں۔

اس معاملے کی قباحت جس چیز سے اور زیادہ بڑھ جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس قسم کے لوگ اپنے اس نظریے کو سلف صالحین اور سلفی منہج کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس سے بھی دو ہاتھ آگے بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو اس علم کی ضرورت اور اہمیت کے قائلین کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ سلفی ہی نہیں کیونکہ یہ سلف صالحین کے منہج سے ہٹ چکے ہیں۔

اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ طائفہ منصورہ کی صفات اور خصوصیات بیان کرتے ہوئے ضمناً اس شبہ کا بھی جواب دیا جائے تاکہ کتاب وسنت کی نصوص اور سلف صالحین کے عمل کی روشنی میں اس مسئلہ کی درست صورت سامنے آسکے۔

قبل اس کے کہ ہم اس علم کے حصول کی اہمیت اور اس میں ضروری اور غیر ضروری امور پر روشنی ڈالیں ضروری ہے کہ ہم اس علم کی مشروعیت اور ضرورت کو بیان کر دیں۔

حالات حاضرہ سے آگاہی کی مشروعیت اور اہمیت:

مسلمانوں کے لئے اپنے حالات، اپنے ارد گرد رونما ہونے والے واقعات اور اپنے خلاف جاری کفر کی معاندانہ سرگرمیوں سے آگاہی حاصل کرنا ایسا معاملہ ہے جس کی مشروعیت کا ثبوت کتاب وسنت کے دلائل اور سلف صالحین کے طریقے سے ملتا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَ كَذَٰلِكَ نفَصِّلُ الآيَاتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ (الأنعام:۵۵)

اسی طرح ہم آیات کی تفصیل کرتے رہتے ہیں اور تاکہ مجرمین کا طریقہ ظاہر ہو جائے۔

ابن کثیر رقمطراز ہیں: اس آیت کا مفہوم یہ ہے تاکہ رسولوں کی مخالفت کرنے والے مجرموں کا راستہ ظاہر ہو جائے۔ (تفسیر ابن کثیر:۲/۱۴۱)

تاکہ ہم اسے پہچان کر اس سے علیحدگی اختیار کریں۔ اس سے ہم خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچنے کی تلقین کریں۔ کیونکہ کسی چیز سے ناواقف شخص کے لئے اس چیز کے جال میں پھنسنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ وہ اچھے کام کر رہا ہے۔

ہر چیز کی قدر و قیمت کی پہچان اس کی ضد سے ہوتی ہے۔ ہمارے سامنے باطل کی قباحت اور اس کے تباہ کن اثرات جسقدر رشدت کے ساتھ ظاہر ہونگے ہمیں اسی قدر حق کی قدر و قیمت اور اس کے نفع مند اثرات کا احساس ہوگا۔

سید قطب رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: اس منہج کا صرف یہی تقاضا نہیں ہے کہ خالی حق کو ہی وضاحت سے بیان

کیا جائے تاکہ مومنین صالحین کا راستہ واضح ہو جائے، بلکہ اس منہج کا یہ بھی تقاضا ہے کہ باطل کو بھی کھول کر بیان کر دیا جائے تاکہ گمراہ ہونے والے مجرموں کا راستہ بھی واضح ہو جائے۔ مومنین کے راستے کی وضاحت کے لئے مجرموں کے راستے کی وضاحت ضروری ہے۔

ایمان، نیکی اور اصلاح کی وضاحت کے لئے کفر، برائی اور جرائم کو کھول کر بیان کر دینا ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے آیات کو تفصیل سے بیان کرنے کے جو اہداف بیان کئے ہیں ان میں ایک ہدف مجرمین کے راستے کو وضاحت سے بیان کرنا بھی ہے۔ کیونکہ مجرمین کے راستے اور ان کے موقف کے بارے میں کوئی اوجھل پن اور شبہ مومنین کے راستے اور ان کے موقف میں اوجھل پن اور شبہ کا باعث ہوگا۔ اس لئے ہر تحریک کے لئے ضروری ہے کہ وہ ابتداء سے ہی مومنین اور مجرمین کے راستوں کا تعین کر لے۔ (فی ظلال القرآن: ۲/ ۱۱۰۵-۱۱۰۷)

قرآن کریم ایسی آیات سے بھرا ہوا ہے جو کہ منافقین، یہود و نصاری، مشرکین اور بت پرستوں جیسے مجرموں کے راستوں کی وضاحت کرتی ہیں اور ان کی حقیقت حال کھول کر بیان کرتی ہیں۔ یہ آیات ان بری باتوں اور کینے وغیرہ کو بھی ظاہر کرتی ہیں جو مجرم لوگ اسلام اور اہل اسلام کے خلاف اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہوتے ہیں۔ حتی کہ قرآن کے ایک ایسی سورت بھی موجود ہے جس کا نام ہی ''الفاضحۃ'' (یہ سورۃ التوبہ ہے۔) یعنی عیب ظاہر کر کے رکھ دینے والی رکھ دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس سورۃ مبارکہ میں کثرت کے ساتھ ایسی آیات موجود ہیں جو منافقین کے عیوب ظاہر کرتی ہیں، ان کی حقیقت واضح کرتی ہیں اور ان کی خفیہ سازشوں کو بے نقاب کرتی ہیں۔ یہ سب کا سب فقہ الواقع سے تعلق رکھتا ہے اور اس میں شامل ہے۔

سنت نبوی ﷺ سے بڑے صریح انداز میں اس بات کی وضاحت ملتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے علم کی اس قسم کا بہت زیادہ اہتمام فرمایا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ میں سے کمزور لوگوں کو کسی اور طرف جانے کی بجائے صرف حبشہ کی طرف ہی ہجرت کر جانے کا حکم دیتے ہیں۔ یہ اس بات کی ایک روشن دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے ارد گرد رونما ہونے والے واقعات، ارد گرد بسنے والے بادشاہوں

اور ہم عصر اقوام کے حالات سے پوری طرح واقف تھے۔

آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو فارس یا روم وغیرہ کی طرف کیوں نہ بھیجا اوران کے لئے صرف حبشہ ہی کو کیوں پسند فرمایا؟

اس کی وضاحت نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے: ''وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوسکتا''۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ شاہ حبشہ کے حالات، سیرت اور صفات سے پوری طرح باخبر تھے۔ اوراس بات سے باخبر تھے کہ شاہ حبشہ آپ ﷺ کے اصحاب کے تحفظ کا بھی پورا پورا اہتمام کرسکتا ہے۔

ذرا تصور کیجئے! اگر حبشہ کو اختیار کرنے کے بارے میں آپ ﷺ کا فیصلہ درست نہ ہوتا تو اس کا نتیجہ کس قدر بھیانک نکلتا اور مسلمانوں کو کس قدر ہولناک مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا؟

ہم دیکھتے ہیں کہ دعوت وتبلیغ کے مرحلہ میں نبی کریم ﷺ اس تحریک کو اپنے وقت کے تقاضوں کے مطابق چلاتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ اپنی ہجرت کے لئے مدینہ کو پسند فرماتے ہیں۔ مدینہ میں اوراس کے اردگرد موجود تمام غیر مسلم اقوام اور قبائل سے مناسب طریقے سے میل جول اور معاہدے کرتے ہیں جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو اسے کہا: تو اہل کتاب کی ایک قوم کے پاس جانے والا ہے۔ یہ ہر ملک کے حالات سے آپ کی آگاہی کا نتیجہ ہی تھا کہ آپ ﷺ نے معاذؓ سے فرمایا تھا: تو انہیں سب سے پہلے جس بات کی طرف بلائے گا وہ لا الہ الا اللہ کی گواہی ہونی چاہئیے۔

اسی طرح ہمیں نبی کریم ﷺ کے غزوات اور مختلف اقوام، بادشاہوں اور قبائل کی طرف لکھے گئے آپ کے خطوط میں اس علم کی چھاپ بہت نمایاں انداز میں ملتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے باہر سے آنے والے وفود کا جس قدر احسن انداز سے استقبال کیا ہے اوران کے مراتب اور مقام کے مطابق انہیں جسقدر عزت واکرام کے ساتھ ٹھہرایا ہے اس سے بھی اس علم کے بارے میں آپ ﷺ کی آگاہی کا ثبوت ملتا ہے۔

اسی طرح حالات حاضرہ سے آگاہی کی اہمیت اوراس کی مشروعیت پروہ احادیث نبویہ بھی دلالت کرتی

ہیں جن سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں، جب اس کے ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو سارا جسم بخار اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے بیدار رہتا ہے۔ مسلمان کو اہل ایمان کے مصائب سے اسی طرح تکلیف ہوتی ہے جس طرح جسم کے دوسرے اعضاء کی تکلیف کو سر اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔ اگرچہ مسلمانوں کے درمیان علاقوں اور مسافتوں کی دوری ہی کیوں نہ ہو، یا وہ مختلف رنگ و نسل اور زبان سے ہی کیوں نہ تعلق رکھتے ہوں۔ شریعت کے اس مقصد کا حصول اور اس کی عملی تصویر اطراف عالم میں بسنے والے مسلمانوں کے حالات سے آگاہی حاصل کئے بغیر کس طرح ممکن ہے۔

کتنی المناک بات ہے کہ چین اور ہندوستان میں ہمارے مسلمان بھائی کفار کے ظلم و ستم کا شکار ہو جاتے ہیں اور ہمیں اس بارے میں پانچ سال بعد پتہ چلتا ہے۔ اس وجہ سے ہم اپنے بھائیوں کی مدد اور کرنے اور ان کا دفاع کرنے کے فریضہ سے محروم رہ جاتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

> ایک مومن کا دوسرے اہل ایمان کے ساتھ ایسا تعلق ہوتا ہے جس طرح سر کا تعلق جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ مومن کو دوسرے اہل ایمان کے مصائب اسی طرح تکلیف میں مبتلا کر دیتے ہیں جس طرح سر جسم کے دوسرے اعضاء کی تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔ (أحمد، صحیح الجامع: ٦٦٥٩)

اور فرمایا:

> آپ مومنوں کو آپس کی رحم دلی، محبت اور الفت میں ایک جسم کی طرح پائیں گے، جب اس کا ایک عضو تکلیف میں مبتلا ہو تو اس کی وجہ سے سارا بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے اور بیمار رہتا ہے۔ (متفق علیہ)

اور فرمایا:

> تمام مومن ایک آدمی کی مانند ہیں، جب اس کے سر میں تکلیف ہو تو سارا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے۔ اگر اس کی آنکھ میں تکلیف ہو تو سارا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے۔ (أحمد، صحیح الجامع: ٦٦٦٨)

یعنی جب کوئی ایک کسی ظلم وستم کا شکار ہونے کی وجہ سے تکلیف میں مبتلا ہو تو اطراف عالم میں موجود تمام مسلمان انتہائی غیظ وغضب سے اس پر ہونے والے ظلم کا بدلہ لینے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس وقت تک ان کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کے نفس مطمئن ہوتے ہیں جب تک یہ ظالم سے بدلہ لے کر مظلوم کو انصاف نہ دلا دیں۔

اتفاق واتحاد کے اس شعور کی بیداری حالات حاضرہ سے آگاہی حاصل کئے بغیر کس طرح ممکن ہے۔ کیونکہ حالات حاضرہ سے آگاہی حاصل کرنے کے ذریعے ہی ہمیں مسلمانوں کے حالات اور کفار کی طرف سے ان پر مسلط کی گئی ہلاکت و بربادی کا پتہ چل سکے گا۔اور ایسے واقعات آج کل کس قدر کثرت سے رونما ہو رہے ہیں؟

ہمارے آج کے دور میں کتنے مسلمان ایسے ہیں جن کی عزتیں پامال کردی گئیں اور ان کے مقامات مقدسہ مسمار کردیئے گئے،اور عالم اسلام میں موجود ان کے دوسرے بھائی ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔اگر کچھ جانتے بھی ہیں تو ان کے دفاع کے لئے کوئی تحریک برپا نہیں کرتے۔ان کے پاس صرف یہی دلیل ہوتی ہے کہ اس قسم کے امور میں مشغول ہونا ان کے لئے ضروری نہیں یا یہ ان کا موضوع نہیں۔

حالات حاضرہ سے آگاہی کے متعلق سلف صالحین کے طریق سے بھی بہت سے دلائل ملتے ہیں جنہیں ان اوراق میں شمار کرنا ممکن نہیں۔اہل روم اور اہل فارس کے مابین جنگ کے متعلق صحابہ کرام کا جو موقف ہمارے سامنے موجود ہے وہ گویا سلف صالحین کی طرف سے حالات حاضرہ سے آگاہی حاصل کرنے کے اہتمام کی سب سے بڑی دلیل ہے۔اس جنگ مشرکین مکہ یہ چاہتے تھے کہ اہل فارس اہل روم پر غالب آجائیں کیونکہ وہ آگ کے پجاری ہونے کی وجہ سے بت پرستی کے زیادہ قریب تھے۔ جبکہ مسلمان یہ چاہتے تھے کہ اہل روم اہل فارس پر غالب آجائیں کیونکہ وہ اہل کتاب ہیں۔اہل کتاب کا کفر اور دین سے انحراف جس قدر بھی بڑھ جائے لیکن پھر بھی وہ کفر کے لحاظ سے بت پرستوں اور آتش پرستوں سے کم ہی ہوتے ہیں۔(دیکھئے تفسیر ابن کثیر)

اہل فارس اور اہل روم کے درمیان جاری ہونے والی اس جنگ میں صحابہ کرامؓ نے اس قدر زیادہ دلچسپی کا مظاہر کیا کہ ابوبکر صدیقؓ مشرکین مکہ سے اس پر شرط باندھ لیتے ہیں- کیونکہ شرط باندھنا اس وقت تک حرام نہیں تھا- کہ چند ہی سالوں میں فارسی رومیوں کے حلیف بن جائیں گے۔ارشاد ربانی ہے:﴿الم ☆ غُلِبَتِ الرُّومُ ☆فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ ☆ فِي بِضْعِ سِنِينَ لِلَّهِ الْأَمْرُ مِن قَبْلُ وَمِن بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ ☆بِنَصْرِ اللَّهِ يَنصُرُ مَن يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ☆﴾(الروم:۵-۱)

الم☆ رومی مغلوب ہوگئے☆ نزدیک کی زمین پر اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے☆ چند سال میں ہی۔اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی اختیار اللہ تعالی ہی کا ہے۔اس روز مسلمان شادمان ہوں گے☆ اللہ کی مدد سے، وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اصل غالب اور مہربان وہی ہے۔

صحابہ کرام کی حالات حاضرہ اور اپنے اردگرد رونما ہونے والے واقعات سے آگاہی پر یہ ایک بہت بڑی دلیل ہے۔

ہمارے سلف صالحین نے اپنے دور میں رونما ہونے والے گمراہ فرقوں کا جس قدر شدت سے مقابلہ کیا ہے، ان کے عقائد اور شبہات کا رد کیا ہے اور ان کی ضلالت اور گمراہی کو جسقدر کھول کر بیان کیا ہے اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حالات حاضرہ پر ہمارے اسلاف کی گرفت کس قدر مضبوط تھی۔انہیں تمام لوگوں میں سب سے بڑھ کر حالات سے آگاہی ہوتی تھی کیونکہ وہ اس علم کو مقاصد شریعت میں شمار کرتے تھے۔

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: میں دھوکے باز نہیں ہوں اور نہ ہی کوئی دھوکا باز مجھے دھوکا دے سکتا ہے۔مسلمان ذہین اور عقلمند ہوتا ہے، وہ ایک ہی سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔کسی مسلمان کو یہ شعور اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک وہ حالات حاضرہ سے باخبر اور اپنے اردگرد رونما ہونے والے واقعات سے پوری طرح باخبر نہ ہو۔

اس کا حکم:

حالات حاضرہ سے آگاہی کی مشروعیت اور اہمیت بیان کرنے کے بعد یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا حکم بھی بیان کردیا جائے کہ کیا اس علم کا حصول واجب ہے یا یہ مندوب ہوگا؟

جواب میں ہم یہ کہیں گے: حالات حاضرہ سے آگاہی کی مختلف صورتیں ہیں۔ کچھ واجب ہیں، کچھ مندوب ہیں، کچھ جائز ہیں اور کچھ گناہ اور حرام ہیں۔

① جس صورت کا حصول واجب ہے: ہر وہ علم جس کا تعلق عقیدہ سے ہے، یا وہ عقیدہ توحید کی سلامتی کے لئے بطور شرط شمار ہوتا ہے اس کا حصول واجب ہے۔ جس طرح موجودہ دور میں لوگوں میں شرک کی بہت سی اقسام رواج پذیر ہیں۔ اور اسی طرح اللہ تعالی کے علاوہ مختلف معبودان باطلہ کو مقرر کیا گیا ہے ان سب سے آگاہی مسلمانوں کے ہر خاص و عام کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ اس بات کا امکان ہے کہ اس آگاہی کے بغیر وہ نادانستہ طور پر شرک اکبر میں مبتلا ہو سکتے ہیں جسے اللہ تعالی توبہ کے بغیر کے معاف نہیں فرمائیں گے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حالات حاضرہ سے آگاہی نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان غیر مسلموں اور اللہ کے باغیوں کے صرف اس وجہ سے دوست اور حمایتی بن جاتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے مددگار ہونے کی وجہ سے ہماری حمایت اور دوستی کے مستحق ہیں۔ بلا شک وشبہ اس خطرے کا توڑ واجب ہے۔ اور ایسا اللہ تعالی کے علاوہ پوجے جانے والے طاغوتوں اور ان کی طرف سے جاری ہونے والی کفریہ اور شرکیہ رسوم و عادات کی حقیقت جانے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ اگر اس حقیقت تک نہ پہنچا جائے تو آدمی طاغوت کو جانے بغیر اس کا انکار کیسے کرسکتا ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس چیز کے بغیر واجب کی ادائیگی ممکن نہ ہو اس کا اختیار کرنا بھی واجب ہے۔ ضروری علم کی یہ قسم اللہ تعالی کے اس فرمان میں بالاولی داخل ہے:

﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (محمد:۱۹)

سو (اے نبی!) آپ یقین کرلیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اور فرمایا:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولاً أَنِ اعْبُدُواْ اللّهَ وَاجْتَنِبُواْ الطَّاغُوتَ ﴾(النحل:٣٦)
ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔

اور طاغوت سے اجتناب اس کی حقیقت، صفات اور اقسام جانے بغیر ممکن ہی نہیں۔

اکثر مسلمانوں کی طرف سے علم کی اس قسم سے سستی کرنے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بعض لوگ اور ان میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو اہل علم سمجھتے ہیں نادانستہ طور پر شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ ان سے سوال کریں تو ان کا یہی جواب ہوگا کہ وہ تو درست عقیدے کے حامل ہیں اور ان کا عقیدہ توحید اس قدر پختہ ہے کہ اس میں شرک کا شائبہ تک نہیں۔ بلکہ وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اپنے آپ کو طائفہ منصورہ تصور کرتے ہیں۔

اسی طرح ہر عام وخاص کی طرف سے جمہوریت کی بحالی کا جو واویلا کیا جاتا ہے یہ بھی شرک کی ایک قسم ہے کیونکہ اس میں عوام کو اللہ کا شریک بنا دیا جاتا ہے۔ اور شریعت سازی اور قانون سازی جو کہ الوہیت کی بڑی بڑی خصوصیات ہیں میں عوام بھی اللہ تعالیٰ کی شریک ہو جاتی ہے۔

اس سے پہلے یہ لوگ اشتراکیت، قومیت، وطنیت کا نعرہ لگاتے آئے ہیں، یہ بھی موجودہ دور کے بڑے بڑے طاغوت ہیں کیونکہ ان سب کی بنیاد اس نظریے پر ہے کہ دین اللہ کا ہے اور وطن سب کا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وطن اور اہل وطن کے معاملات میں اللہ کا کوئی عمل دخل نہیں۔ موجودہ دور میں بھی ابھی تک ایسے لوگ موجود ہیں جو ان نظریات کے حامی ہیں وہ انہیں کی بنیاد پر دوستی اور دشمنی کرتے ہیں اور بندوں کے درمیان ان کا پرچار بھی کرتے ہیں۔ اس سب کے باوجود وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔

حالات حاضرہ کی آگاہی کے حوالے سے جو چیزیں وجوب میں شامل ہیں ان میں ایک چیز یہ بھی ہے کہ ہر وہ چیز جس کا علم حاصل کرنا واجب کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ واجب کی ادائیگی کے لئے جو چیز ضروری ہو اسے اختیار کرنا بھی واجب ہے۔ جیسا کہ تمام مسلمانوں کے لئے

ایک دوسرے کی مدد کرنا اوران کی حرمتوں کو پامال کرنے والوں سے ان کا دفاع کرنا واجب ہے۔ یہ وجوب پراس وقت تک عمل کرنا ممکن نہیں جب تک مسلمانوں کے حالات سے مکمل آ گاہی نہ ہواور اس بات کا پتہ نہ چلے کہ ان کے دشمن کون کون ہیں اوران کے خلاف کیا کیا تدابیر اختیار کئے ہوئے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ تو وہ خود اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہے ہی اسے دشمن کے حوالے کرتا ہے۔(متفق علیہ)

یعنی اگر مسلمان اپنے بھائی کا دفاع کرنے اوراس کی مدد کرنے پر قدرت رکھتا ہوتو اسے کبھی دشمن کے سپرد نہیں کرتا تا کہ وہ اس پر ظلم وستم ڈھائے۔

اورفرمایا:

تو اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو۔ایک آدمی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! (یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ) میں اپنے مظلوم بھائی کی مدد کروں،لیکن میں اپنے ظالم بھائی کی کس طرح مدد کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اسے ظلم کرنے سے روک، یہ تیری اپنے بھائی کی مدد ہوگی۔(متفق علیہ)

اورفرمایا:

جواپنے بھائی کی عزت کا دفاع کرے گا اللہ تعالی قیامت کے دن اس سے جہنم کی آگ کو دور کردے گا۔ (أحمد، ترمذی، صحیح الجامع:٦٢٦٢)

اورفرمایا:

جس نے کسی مومن کو کسی منافق سے بچایا اللہ تعالی قیامت کے دن اس کے لئے ایک فرشتہ مقرر کردے گا جواس کے گوشت کو جہنم کی آگ سے بچائے گا۔ (صحیح سنن أبوداؤد:٤٠٨٦)

اورفرمایا:

ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہوتا ہے، ایک مومن دوسرے مومن کا بھائی ہوتا ہے وہ اس

کے ذرائع گذر اوقات کا دفاع کرتا ہے اور اس کی غیر موجودگی میں اس کے اہل وعیال کی حفاظت کرتا ہے۔(صحیح سنن أبوداؤد:۴۱۱۰)

اور فرمایا:

جو بھی شخص مسلمان کو اس جگہ پر ذلیل کرتا ہے جہاں اس عزت وحرمت پامال ہورہی ہو تو اللہ تعالی ایسے شخص کو اس جگہ ذلیل ورسوا کرتا ہے جہاں وہ بہت قابل عزت بننا چاہتا ہو۔اور جو کوئی کسی مسلمان کی وہاں پر مدد کرے گا جہاں اس کی عزت وحرمت کو پامال کیا جارہا ہو اللہ تعالی اس جگہ پر اس کی مدد فرمائے گا جہاں وہ قابل عزت بننا چاہتا ہو۔(أحمد،أبوداؤد،صحیح الجامع: ۵۶۹۰)

اس قسم کے بہت سے دلائل ہیں جو کہ ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کی مدد اور اس کی عزت وحرمت کے دفاع کے وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے: ہم اس فریضے کا کس طرح احیاء کرسکتے ہیں اگر ہم مسلمانوں کے حالات اور ان کے خلاف ڈھائے جانے والے مظالم سے بے خبر ہوں، اور ان کی خبریں سننے اور ان کے حالات جاننے کو ہم بے فائدہ اور وقت کے ضیاع کا باعث سمجھتے ہوں۔

حالات حاضرہ سے آگاہی حاصل کرنے کا جو علم ہے اس کے حوالے سے بہت سے ایسے مسائل ہیں جو واجب کے حکم میں داخل ہیں۔ان میں بعض ایسے ہیں جو ہر خاص وعام پر واجب ہیں، اور بعض ایسے ہیں جو صرف اہل علم کے لئے ضروری ہیں۔اور بعض ایسے ہیں جو فرض کفایہ کے حکم میں ہیں کہ اگر امت کے کچھ لوگ اس کو ادا کردیں تو باقی لوگوں سے اس کے وجوب کا حکم ساقط ہوجائے گا۔اس تقسیم کے تحت مسائل کو اگر ہم تفصیل سے ذکر کرنا شروع کردیں تو بات بہت لمبی ہوجائے گی اور ہم اپنے اصل موضوع اور اس کی غرض وغایت سے بہت دور نکل جائیں گے۔کیونکہ ہمارا اصل موضوع تو طائفہ منصورہ جس کی تعداد کو بڑھانا ضروری کی صفات ذکر کرنا ہے۔

(۲) جس قسم کے علوم کا حصول مندوب ہے: ہر وہ قسم جس کا تعلق نفع مند دینی علوم سے ہو مثلاً علوم

عسکریہ، معاشی علوم اور صنعتی علوم وغیرہ جب تک ان کو علوم کو مسلمانوں کے کچھ لوگ حاصل کرتے رہیں اس وقت ان علوم کا حصول باقی لوگوں کے لئے مندوب کے درجے میں ہوگا۔ اگر مسلمانوں میں سے کوئی بھی ان علوم کو حاصل نہ کرے تو تمام مسلمانوں پر اس کا حصول واجب ہوگا اور نہ کرنے کی صورت میں سبھی مجرم ہونگے۔ واللہ أعلم

③ جس قسم کے علوم کا حصول گناہ اور حرام ہے: ایسے تمام امور جو معاشرے والوں کی نگاہ میں حرام ہوں، یا وہ حرام تک پہنچنے کا ذریعہ ہوں، یا اس علم میں مشغولیت کا نقصان اس کے فوائد سے زیادہ ہو۔ اس موضوع کے تحت اس قسم کے بے شمار علوم ہیں۔ خاص طور پر موجودہ دور میں ایسے بے شمار شیطانی جال اور علوم ہیں اور جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے دین سے دور کرنے کا باعث ہیں۔ اس قسم کے تمام علوم اگرچہ ان کا تعلق حالات حاضرہ کی قسم سے ہی کیوں نہ ہو ان کا حصول حرام اور گناہ کا کام ہوگا۔ البتہ اگر ان علوم کے حصول کا مقصد امت کو ان کے نقصانات سے آگاہ کرنا ہو تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن پھر بھی ایک خاص دائرے میں رہ کر یہ علم حاصل کئے جائیں گے تاکہ انسان شیطان کے بچھائے ہوئے جال میں نہ پھنس جائے۔

جس قسم کے علوم کا حصول جائز ہے: گذشتہ ذکر کی گئی تمام اقسام کے علاوہ دوسرے علوم، یعنی وہ علوم جو وجوب، مندوب اور حرام کے حکم سے خارج ہیں وہ تمام جواز کے حکم کے تحت آتے ہیں۔ ان کی بھی اسی طرح بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

خلاصہء کلام:

مندرجہ بالا ذکر کی گئی تفصیل کے مطابق حالات حاضرہ سے آگاہی ایک بہت ہی وسیع علم ہے جس کی کچھ اطراف واجب ہیں، کچھ مندوب، کچھ جائز اور کچھ گناہ اور حرام ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس علم کے حصول کو مطلقا واجب کہنا بھی درست نہیں اور مطلقا حرام کہنا بھی درست نہیں۔ جبکہ درست طریقہ یہ ہے کہ اس مسئلہ کی تفصیل بیان کی جائے جو واجب ہو اسے واجب سمجھا جائے اور جو حرام ہو اسے حرام سمجھا جائے جیسا کہ گذشتہ اوراق میں اس کی وضاحت گذر چکی ہے۔ واللہ أعلم

⑤ پانچویں صفت: میانہ روی اور اعتدال پسندی:

طائفہ منصورہ جن صفات کی وجہ دوسرے گروہوں سے ممتاز ہوتی ہے ان میں ایک نمایاں ترین صفت ''میانہ روی اور اعتدال پسندی'' بھی ہے۔ وہ اپنے دینی اور دنیاوی تمام امور میں میانہ روی اور اعتدال پسندی کا راستہ اپناتے ہیں۔ نہ غلو اور زیادتی کرتے ہیں، نہ افراط وتفریط کا شکار ہوتے ہیں نہ حد سے تجاوز کرتے ہیں اور نہ ہی ان میں کمی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً﴾ (البقرہ:۱۴۳)

ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو جائیں۔

جب ہم طائفہ منصورہ کی صفت ''میانہ روی'' کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس سے ہماری مراد وہ عادات اور خصائل ہوتے ہیں جو شریعت کی نگاہ میں میانہ روی کے اہم ترین خصائل اور لوازمات ہوتے ہیں۔ یہ خصائل مندرجہ ذیل ہیں:

① بہترین اور عادل ہونا: جیسا کہ بخاری وغیرہ میں ذکر ہونے والی حدیث کے الفاظ ہیں:

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن نوح علیہ السلام کو آواز دی جائے گی۔ وہ کہیں گے: اے اللہ میں حاضر ہوں۔ اللہ تعالی پوچھیں گے: اے نوح! کیا تو نے میرا پیغام پہنچا دیا تھا؟ تو وہ جواب دیں گے: جی ہاں۔ ان کی امت سے پوچھا جائے گا: کیا نوح نے تم تک اللہ تعالی کا پیغام پہنچا دیا؟ وہ سبھی کہیں گے: ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ اللہ تعالی نوح علیہ السلام سے پوچھیں گے: تیری گواہی کون دے گا؟ تو وہ جواب دیں گے: محمد ﷺ اور ان کی امت میری گواہی دیں گے۔ تو محمد ﷺ اور آپ کی امت ان کی گواہی دیں گے۔

اسی بنا پر اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً﴾ (البقرہ:۱۴۳)

ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو جائیں۔

الوسط سے مراد عدل وانصاف ہے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: اس آیت کریمہ میں وسط بہترین ہونے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ: قریش نسب اور گھر کے لحاظ سے اوسط یعنی بہترین ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر:۱/۱۹۶)

ابن قتیبہ رقمطراز ہیں: وسط سے مراد منصف ہونا ہے اور بہترین ہونا ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿قَالَ أَوْسَطُهُمْ﴾ (القلم:۲۸)

ان میں سے جو بہتر تھا اس نے کہا۔

یعنی ان میں سب سے زیادہ انصاف پسند اور بہترین شخص نے کہا۔

اس امت وسط کے بہترین ہونے کی تاکید اس فرمان الہی سے ہوتی ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّهِ﴾ (آل عمران:۱۱۰)

تم بہترین امت ہو جو لوگ کے لئے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو، اور اللہ تعالی پر ایمان رکھتے ہو۔

ابن کثیر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ ''لوگوں میں سب سے زیادہ بہترین'' اس سے مراد یہ ہے کہ وہ تمام امتوں میں بہترین ہیں اور لوگوں کے لئے سب سے زیادہ فائدہ مند ہیں۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً﴾ (البقرہ:۱۴۳)

ہم نے تمہیں ایک بہترین امت بنایا ہے۔(تفسیر ابن کثیر:۱/۳۹۹)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

تم ستر امتوں کا تتمہ ہو،تم ان سب میں سب سے زیادہ بہتر اور اللہ تعالی کے ہاں ان میں سب سے زیادہ معزز ہو۔(ابن ماجہ،ترمذی،مشکاۃ المصابیح:۶۲۸۵)

یہ بہتری اور شرف نسب کی وجہ سے یا کسی خاص جنس سے تعلق کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ اس امت کے کثرت کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صفت سے متصف ہونے کی وجہ سے ہے۔

اور فرمایا:

مجھے وہ فضائل عطا کئے گئے ہیں جو کسی نبی کو عطا نہیں کئے گئے۔ہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول وہ کون سے خصائل ہیں: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے ، مجھے زمین کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں، میرا نام احمد رکھا گیا ہے، میرے لئے مٹی کو پاک بنا دیا گیا ہے اور میری امت کو تمام امتوں سے بہتر بنایا گیا ہے۔(تفسیر ابن کثیر:۱/۴۰۰، اس سند کے ساتھ امام احمد اس کے ساتھ منفرد ہیں اور اس کی اسناد حسن ہے۔)

میرا یہ نظریہ ہے: تمام امت محمدیہ میں بہترین اور عادل ہونے کی صفت کے لحاظ سے طائفہ منصورہ سب سے افضل ہے۔کیونکہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے رہتے ہیں ، اور دین کی عزت وحرمت کے دفاع کے لئے سب سے بڑھ کر کوشش کرتے ہیں۔جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

طائفہ منصورہ کے لئے عدل کی صفت کو ثابت کرتے ہوئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ قارئین کی توجہ اس طرف بھی مبذول کروادوں کہ طائفہ منصورہ کی یہ بھی خصلت ہے کہ وہ تمام لوگوں کو برابر انصاف اور ان کا جائز مقام مہیا کرتے ہیں اس بات سے قطع نظر وہ دوست ہیں یا دشمن۔اس کے ساتھ ساتھ وہ بغیر کسی افراط وتفریط اور ظلم وزیادتی کے نیک کو نیک اور برے کو برا کہتے ہیں وہ کوئی بھی ہو اور کسی بھی قوم سے کیوں نہ تعلق رکھتا ہو۔

یہ عظمت کی نشانی نہیں ہے کہ صرف خوشی اور صلح کی صورت میں دوسروں سے انصاف کیا جائے بلکہ عظمت یہ ہے ناراضگی اور جنگ کی صورت میں بھی انصاف کیا جائے۔اوران کے ساتھ بغیر کسی جھکاؤ کے مکمل انصاف کا سلوک کیا جائے۔ یہ سعادت صرف اہل اسلام کو ہی حاصل ہے۔ارشادربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ (المائدہ:۸)

اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہوجاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کردے، عدل کیا کرو جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے، اوراللہ تعالی سے ڈرتے رہو، یقین مانو کہ اللہ تعالی تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

۲ نبوی منہج یعنی صراط مستقیم پر استقامت:

یہ بھی وسطیت کے خصائص میں سے ایک اہم ترین خصوصیت ہے جن کے ساتھ طائفہ منصورہ متصف ہے۔ارشادربانی ہے:

﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً﴾ (البقرہ:۱۴۳)

''ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا ہے''۔

یہ صراط مستقیم پر التزام کی وجہ سے امت وسط شمار ہوتی ہے۔

سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ☆صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ (الفاتحہ:۶-۷)

ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا☆ ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا ان کی نہیں جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کی۔☆

صراط مستقیم دوراستوں کے درمیان ایک راستے کا نام ہے۔ایک راستہ ان لوگوں کا ہے جواللہ تعالی کے غضب کے مستحق ہیں اور یہ یہودی ہیں جنہوں نے اللہ تعالی کے حقوق اور انبیاء علیہم السلام کے حقوق میں افراط وتفریط کا مظاہرہ کیا ہے ۔ دوسرا راستہ گمراہوں کا ہے جنہوں نے ترہیب میں غلو کیا ہے اور عیسی علیہ السلام کے بارے میں ایک ناحق بات کہی ہے۔ان دونوں راستوں کے درمیان صراط مستقیم ہے۔

طبری اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں: اللہ تعالی نے امت محمدیہ کو صفت وسط سے متصف کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے وہ دین میں وسطیت یعنی میانہ روی کا راستہ اپناتے ہیں۔ نہ وہ عیسائیوں کی طرح غلو کرتے ہیں جنہوں نے ترہیب میں بہت غلو کا مظاہرہ کیا اور عیسی علیہ السلام کے بارے میں ناحق باتیں کیں۔اور نہ ہی یہ یہودیوں کی طرح دین میں کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں،جنہوں نے اللہ کی کتاب کو بدل ڈالا اور اپنے انبیاء کو قتل کیا،اپنے رب پر جھوٹ باندھا اور اس کے ساتھ کفر کیا۔امت محمدیہ اعتدال اور میانہ روی کا راستہ اپناتی ہے اسی لئے اللہ تعالی نے انہیں اس صفت کے ساتھ متصف کیا ہے۔کیونکہ اللہ تعالی کے ہاں میانہ روی والے امور پسندیدہ ہیں۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا﴾ (هود:١١٢)

پس آپ جمے رہیئے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی جو آپ کے ساتھ توبہ کر چکے ہیں،خبردار تم حد سے نہ بڑھنا۔

اور فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ﴾ (فصلت:٣٠)

(واقعی) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اسی پر قائم رہے ان کے پاس فرشتے (یہ کہتے ہوئے) آتے ہیں کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو (بلکہ) اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم وعدہ دیئے گئے ہو۔

اور فرمایا:

﴿أَنَّمَا إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ﴾ (فصلت:٦)

''کہ تم سب کا معبود ایک اللہ ہی ہے سو تم اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے گناہوں کی معافی چاہو۔

اور فرمایا:

﴿وَأَنَّ هَـٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (الأنعام:١٥٣)

اور یہ کہ یہ دین میرا سیدھا راستہ ہے جو مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس کا تم کو اللہ تعالی نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیز گاری اختیار کرو۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ایک دن ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح اپنے سامنے خط کھینچا اور فرمایا: یہ اللہ عزوجل کا راستہ ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دائیں اور بائیں خط کھینچے اور فرمایا یہ شیطان کے راستے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درمیانی خط پر اپنا دست مبارک رکھا اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿وَأَنَّ هَـٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ﴾ الأنعام:١٥٣ (اسے ابن ابی عاصم نے السنۃ میں ذکر کیا ہے، اور شیخ البانی اسے التخریج میں صحیح کہا ہے:١٦)

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا استقامت کے بارے میں قول ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے اوامر اور نواہی پر قائم رہو اور لومڑی کی طرح مکاری سے خفیہ طور پر ادھر ادھر مت ہو جاؤ۔

حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے: امت محمدیہ اللہ کے حکم پر ڈٹ گئی، اسی کی اطاعت اور اس کی نافرمانی سے انھوں نے اجتناب کیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے: امت محمدیہ اللہ تعالی کی محبت اور عبادت پر ڈٹ گئی اور انہوں نے اس سے ذرہ برابر بھی دائیں یا بائیں التفات نہ کیا۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ کا قول ہے: استقامت ایک بہت ہی جامع کلمہ ہے جو کہ دین کے تمام امور کو شامل ہے۔اس کا مطلب ہے: سچائی کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے اور وعدہ پورا کرتے ہوئے اللہ تعالی کے سامنے کھڑے ہو جانا۔

استقامت کا تعلق اقوال، افعال، حالات اور نیات سبھی امور کے ساتھ ہے۔ دین میں استقامت کا مطلب یہ ہے کہ اس دین پر اللہ تعالی کی رضا حاصل کرنے کے لئے اس کے حکم کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: استقامت کو لازم پکڑنا شرف کا سب سے اعلی ترین معیار ہے۔(مدارج السالکین:۲/۱۰۴-۱۰۵)

طبری رحمہ اللہ فرمان الٰہی: ﴿اهْدِنَــــا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ میں الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کا معنی ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: تمام مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ صراط مستقیم سے مراد وہ سیدھا اور واضح راستہ ہے جس میں کسی قسم کا ٹیڑھا پن نہ ہو۔(تفسیر طبری:۱/۷۳)

ابن کثیر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: الصِّرَاطَ کی تفسیر میں متقدمین اور متاخرین مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، لیکن خلاصہء کلام کے حوالے سے سبھی اس بات پر متفق ہیں کہ اس سے مراد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع ہے۔(تفسیر ابن کثیر:۱/۲۹)

یہ بات پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ طائفہ منصورہ استقامت اور اللہ اور اس کے رسول کی اتباع کے حوالے سے تمام لوگوں میں سب سے بلند مرتبے پر فائز ہے۔

۳ آسانی پیدا کرنا اور دین میں تشدد اور غلو سے اجتناب کرنا:

دین میں آسانی پیدا کرنا اور غلو اور تشدد سے اجتناب کرنا وسطیت یعنی کے میانہ روی کے مفہوم میں شامل ہے، تشدد اور غلو سے اجتناب سے ہی میانہ روی قائم رہے اور اس روگردانی کی صورت میں میانہ روی

ختم ہو جائے گی۔

نبی کریم ﷺ نے دین میں غلو اور تشدد سے منع فرمایا ہے اور اسے ان لوگوں کی خصلت قرار دیا ہے جن کا دین میں کوئی حصہ نہیں۔ مثلاً خوارج اور ان جیسے بہت سے گمراہ فرقے وغیرہ۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

دین میں غلو کرنے سے اپنے آپ کو بچا کر رکھو، تم سے پہلے لوگ دین میں غلو کرنے کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئے ہیں۔ (اسے ابن ابی عاصم نے السنۃ میں ذکر کیا ہے، اور شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔)

ہر وہ چیز جو شریعت سے ثابت نہ ہو وہ غلو شمار کیا جائے گا۔

اور فرمایا:

دو آدمی میری شفاعت سے محروم رہیں گے، ایک ظالم حکمران اور دوسرا دین میں غلو کرنے والا اور اس سے نکل جانے والا۔ (اسے ابن ابی عاصم نے السنۃ میں ذکر کیا ہے، اور شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔)

اور فرمایا:

جو اس دین کو مغلوب کرنے کی کوشش کرے گا یہ دین اسے مغلوب کر دے گا۔ (اسے ابن ابی عاصم نے السنۃ میں ذکر کیا ہے، اور شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔)

اور فرمایا:

درمیانے درجے کی قربانی کی لازم پکڑو، کیونکہ جو اس دین پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرے گا یہ دین اس پر غلبہ حاصل کر لے گا۔ (اسے ابن ابی عاصم نے السنۃ میں ذکر کیا ہے، اور شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔) درمیانے درجے کی قربانی سے مراد یہ ہے کہ اس میں افراط و تفریط نہ ہو۔

اور فرمایا:

تم میانہ روی کو اپناؤ، تم میانہ روی کو اپناؤ، منزل تک پہنچ جاؤ گے۔ (بخاری)

یعنی غلو اور شدت کی طرف مائل ہونے کی بجائے میانہ روی اور اعتدال کی راہ اپناؤ، تم نجات حاصل کرلو گے اور جنت کے اعلیٰ درجات تک پہنچ جاؤ گے۔

نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ تین دفعہ یہ کلمات ارشاد فرمائے: غلو کرنے والے ہلاک ہو گئے۔ (مسلم)

امام نووی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین میں غلو کرنے والے اور اپنے اقوال و افعال میں حدود اللہ سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ (شرح صحیح مسلم: ۱۶/۲۲۰)

نبی کریم ﷺ تین آدمیوں کے اس گروہ کے بارے میں ارشاد فرمایا جنھوں نے نبی کریم ﷺ کے مقابلے میں اپنی عبادتوں کو بہت کمتر سمجھا تھا اور آگے بڑھنے کی کوشش کی تھی: تم نے یہ بات کہی تھی؟ اللہ کی قسم! میں تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور تم میں سب سے زیادہ اس کا خوف رکھتا ہوں، اس کے باوجود میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کر لیتا ہوں، رات کو تہجد بھی پڑھتا ہو اور سو بھی جاتا ہوں، اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں۔ جس نے میری سنت سے اعراض کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ (متفق علیہ)

اس حدیث مبارکہ میں وسطیت کے تمام پہلو اور مفاہیم بڑی وضاحت کے ساتھ ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ خوارج جو کہ دین میں غلو کرنے والے ہیں اور مسلمانوں کو کفر سے کمتر گنا ہوں اور شبہ اور ظن کی بنا پر کافر کہنے والے ہیں ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

عنقریب میری امت میں سے ایک ایسا گروہ نکلے گا جو اس قدر قرآن پڑھیں گے کہ تمھیں ان کی قراءت کے مقابلہ میں اپنی قراءت حقیر معلوم ہوگی، اور ان کی نمازوں کے مقابلے میں تمھیں اپنی نمازیں حقیر معلوم ہوں گی، اور ان کے روزوں کے مقابلے میں تمھیں اپنے روزے حقیر معلوم ہوں گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے اور سمجھیں گے کہ یہ ان کے حق میں ہے لیکن وہ ان کے خلاف ہوگا، قرآن ان کے حلق سے تجاوز نہیں کر سکے گا۔ وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ (مسلم)

اور فرمایا:

وہ (خوارج) اہل اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔ اگر میں نے ان کو پا لیا تو انہیں قوم عاد کی طرح قتل کردوں گا۔ (متفق علیہ)

وہ اہل اسلام کو اس لئے قتل کریں گے کیونکہ وہ ناحق غلو کرتے ہوئے انہیں کافر قرار دیں گے، جبکہ کسی کو کافر قرار دینے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اب اس کا خون اور اس کی حرمت جائز اور حلال ہو چکے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

مسلمان کو کافر قرار دینا اسے قتل کرنے کے مترادف ہے۔

نبی کریم ﷺ نے خوارج کے بارے میں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

وہ دین میں اس قدر شدت کا مظاہرہ کریں گے کہ دین سے نکل ہی جائیں گے، وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسا کہ تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ (اسے ابن ابی عاصم نے السنۃ میں ذکر کیا ہے، اور شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔)

اور فرمایا:

تم میں ایک ایسی قوم ہوگی جس قدر عبادت گذار ہونگے کہ لوگوں کو بہت بھلے محسوس ہونگے اور انہیں اپنا آپ بھی بہت بھلا محسوس ہوگا۔ لیکن وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ (أبو یعلی، السلسلۃ الصحیحۃ: ۱۸۹۵)

مسلم بن ابوبکرہ اپنے باپ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں:

ایک دفعہ نماز کی طرف جاتے ہوئے نبی کریم ﷺ کا گذر ایک ایسے شخص کے پاس سے ہوا جو سجدہ میں گرا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نماز مکمل کرنے کے بعد واپس لوٹے تو وہ اسی حالت میں سجدے میں پڑا ہوا تھا۔ نبی کریم ﷺ ٹھہر گئے اور فرمانے لگے: اسے کون قتل کرے گا؟ ایک آدمی کھڑا ہوا اس نے اپنی تلوار سونت لی اور اسے حرکت دی، پھر کہنے لگا: اے اللہ کے نبی ﷺ میں اس آدمی کو کیسے قتل کرسکتا ہوں جو سجدہ کر رہا ہو اور کلمہء توحید کا اقرار کرنے والا ہو۔ آپ

ﷺ نے دوبارہ فرمایا: اسے کون قتل کرے گا؟ ایک دوسرا آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اسے میں قتل کروں گا۔اس نے اپنی تلوار سونت کر اسے حرکت دی تو اس کے ہاتھ کپکپا گئے۔ کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میں اس آدمی کو کیسے قتل کر سکتا ہوں جو سجدہ کر رہا ہو اور کلمہء توحید کا اقرار کرنے والا ہو۔تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے: اگر تم اسے قتل کر دیتے تو یہ پہلا اور آخری فتنہ ہوتا۔(احمد، السلسلۃ الصحیحۃ: ۲۴۹۵)

اسی طرح کی ایک اور حدیث ہے جسے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے:

ایک دن ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! فلاں وادی سے میرا گذر ہوا تو وہاں میں نے ایک آدمی کو بڑے خشوع و خضوع سے نماز پڑھتا ہوا پایا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس آدمی کی طرف جاؤ اور اسے قتل کر آؤ۔ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس آدمی کی طرف گئے جب اسے اسی حالت میں پایا تو اسے قتل کرنا ناپسند جانا، اور نبی کریم ﷺ کے پاس واپس لوٹ آئے۔ نبی کریم ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم جاؤ اور اس آدمی کو قتل کر آؤ۔عمر رضی اللہ عنہ گئے تو انہوں نے بھی اس شخص کو اسی حالت میں پایا جس حالت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تھا۔انہوں نے بھی اسے قتل کرنا ناپسند جانا۔وہ نبی کریم ﷺ کے پاس واپس آئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ: میں نے اسے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے پایا تو اسے قتل کرنا اچھا نہیں سمجھا۔نبی کریم ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: تم جاؤ اور اسے قتل کر کے آؤ۔علی رضی اللہ عنہ گئے لیکن انہیں وہ شخص نہیں ملا۔علی رضی اللہ عنہ واپس لوٹ آئے اور عرض کی کہ مجھے وہ شخص نہیں ملا۔تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مذکورہ شخص اور اس کے ساتھی قرآن پڑھتے ہیں لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔پھر وہ دین میں واپس نہیں لوٹیں گے حتی کہ تیر اپنی کمان میں واپس لوٹ آئے۔انہیں قتل کر دو۔یہ مخلوق کے بدترین لوگ ہیں۔(أحمد، السلسلۃ الصحیحۃ ۵/ ٦٥٩)

غور کیجئے! کس طرح ان لوگوں نے دین میں غلو اور تشدد کی بنا پر اپنی دنیا اور آخرت کو برباد کر لیا۔

دین میں آسانی پیدا کرنے کے مستحب بلکہ واجب ہونے اور بندوں سے تنگی دور کرنے کے بارے میں مندرجہ ذیل دلائل ہیں۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج:۷۸)

''اور تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی''۔

اور فرمایا:

﴿مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَـكِن يُرِيدُ لِيُطَهَّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ (المائدہ:۶)

اللہ تعالیٰ تم پر کسی قسم کی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ اس کا ارادہ تمہیں پاک کرنے کا اور تمہیں اپنی بھر پور نعمت دینے کا ہے، تاکہ تم شکر ادا کرتے رہو۔

اور فرمایا:

﴿لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ﴾ (النور:۶۱)

اندھے پر، لنگڑے پر اور بیمار پر (مطلقا) کوئی حرج نہیں۔

اور فرمایا:

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ﴾ (البقرہ:۱۷۳)

''پھر جو مجبور ہو جائے اور وہ حد سے بڑھنے والا اور زیادتی کرنے والا نہ ہو، اس پر کوئی گناہ نہیں''۔

اور فرمایا:

﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ﴾ (الأنعام:۱۱۹)

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب جانوروں کی تفصیل بتا دی ہے جن کو تم پر حرام کیا ہے، مگر وہ بھی جب تم کو سخت ضرورت پڑ جائے تو حلال ہے۔

اور فرمایا:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرہ:۲۸۶)

''اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا''۔

اور فرمایا:

﴿يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرۃ:۱۸۵)

''اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے، سختی کا نہیں''۔

اور فرمایا:

﴿وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَى﴾ (الأعلیٰ:۸)

ہم آپ کے لئے آسانی پیدا کر دیں گے''۔

اور فرمایا:

﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً ☆ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً﴾ (الم نشرح:۵-۶)

''پس یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے☆ بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے''۔

اس کے علاوہ اور بہت سی ایسی آیات ہیں جو دین میں آسانی پیدا کرنے کی ترغیب دلاتی ہیں، اور دین میں تشدد اور غلو کرنے سے اجتناب کا حکم دیتی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے آسانی پیدا کرنا پسند فرمایا ہے اور مشکل پیدا کرنا مکروہ سمجھا ہے ۔(طبرانی، صحیح الجامع:۱۷۶۹)

اور فرمایا:

لوگوں کو دعوت دو، خوشخبری دو اور نفرت مت پھیلاؤ، آسانی پیدا کرو مشکلات مت کھڑی کرو۔

(مسلم، صحیح الجامع:۲۴۴۶)

اور فرمایا:

اللہ تعالی نے مجھے ترش رو اور سختی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا، بلکہ اللہ تعالی نے مجھے سکھلانے والا اور آسانی پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

اور فرمایا:

دین آسان ہے، جو کوئی اس میں مبالغہ آرائی کرتا ہے یہ دین اس پر غلبہ پا لیتا ہے۔ دین پر قائم رہو، آپس میں قربت پیدا کرو اور خوشخبری دو۔ (بخاری)

اور فرمایا:

تمہارا بہترین دین آسان ترین دین ہے آپ ﷺ نے دو مرتبہ یہ کلمات ارشاد فرمائے۔ (مسند امام احمد)

اور فرمایا: اگر میں اپنی امت پر گراں نہ سمجھتا تو انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ (متفق علیہ)

اور فرمایا:

میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں تو لمبی نماز پڑھانے کا ارادہ ہوتا ہے۔ لیکن جب میں بچوں کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو ان کی ماؤں کو مشقت میں ڈالنا ناپسند سمجھتا ہوں۔ (بخاری)

اور فرمایا:

تم میں سے بعض امام لوگوں کو متنفر کرنے والے ہیں۔ تم میں سے جو بھی امامت کروائے اسے چاہیئے کہ وہ ہلکی پھلکی نماز پڑھائے، کیونکہ اس کے پیچھے بوڑھے، کمزور اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔ (متفق علیہ)

آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو اقوال ملتے ہیں ان میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: تم تکلفات میں پڑنے اور کسی چیز کی گہرائی میں جانے سے بچو اور عمدہ اور احسن امور کو لازم پکڑو۔

عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ہمیں تکلف سے روکا گیا ہے۔ایک دفعہ وہ ایک راستے سے گذر رہے تھے تو کسی مکان کے پرنالے سے ان پر کچھ پانی گر گیا۔ان کے ساتھ موجود ایک شخص کہنے لگا: اے پرنالے والے! اس پرنالے کا پانی پاک تھا یا ناپاک تھا؟ عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے پرنالے والے تو ہمیں مت بتانا اوراس راہ سے گذر گئے۔

ایک دفعہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے اس پنیر کے بارے میں پوچھا گیا جسے مجوسی بناتے تھے۔تو انہوں نے جواب دیا: میں مسلمانوں کے بازار میں جو چیز پاتا ہوں اسے خرید لیتا ہوں اوراس کے بارے میں پوچھ گچھ نہیں کرتا۔

امام شعبی رحمہ اللہ کا قول ہے: اگر دو معاملات کے درمیان اختلاف پڑ جائے تو ان میں سے آسان ترین معاملہ حق زیادہ قریب ہوگا۔کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرۃ ۱۸۵)

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول ہے: اگر تمہارے سامنے دو معاملے پیش آجائیں تو ان دونوں میں آسان ترین اللہ تعالی کو پسندیدہ ہوگا۔

مجاہد، قتادہ اور عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہم سے بیان کیا گیا ہے: دو امور میں افضل ترین معاملہ آسانی والا معاملہ ہوگا۔

کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرۃ ۱۸۵)

آسانی کی طلب کا یہ مطلب نہیں کہ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ مسنون اعمال کو چھوڑنے کا ذریعہ بنالیا جائے۔جیسا کہ اکثر بیمار دل والے ایسا ہی کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک طریقہ تھا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو امور کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسان ترین کام کو پسند فرماتے جب تک وہ اللہ تعالی کے حکم کے مخالف نہ ہوتا۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ مسنون اعمال پر بغیر کسی افراط وتفریط کے عمل کرنے کا نام غلو اور سختی نہیں رکھا جا سکتا۔جیسا کہ آسانی کی طلب کے زعم میں شریعت کی قیود سے جان چھڑانے والے

بعض لوگ ایسا کرتے ہیں۔

جو لوگ سنت کا التزام کرتے ہیں اور اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کرتے انہیں غالی اور متشدد کہنا یہ الزام ہی بذات خود غلو اور تشدد ہے۔ کیونکہ اس الزام سے اللہ تعالی کی شریعت اور نبی کریم ﷺ کی ذات کا غالی اور متشدد ہونا لازم آتا ہے۔ جو شخص اللہ تعالی اور نبی کریم ﷺ پر غلو کا الزام لگاتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہی ہے جو اللہ تعالی اور نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ میں کسی نقص اور کمی کا قائل ہے۔ ایسا کہنا صریح کفر اور دین سے نکل جانے کا سبب ہے۔

اس لئے لوگوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اچھی طرح سوچ بچار کے بعد ہی کسی چیز کے بارے میں فیصلہ دیں کسی چیز کے بارے میں فیصلہ دیں کہ یہ غلو ہے یا نہیں ہے۔ کیونکہ کبھی کبھار آدمی ایسا کلمہ کہہ جاتا ہے جس کے کہنے میں وہ کوئی حرج نہیں سمجھتا لیکن وہ کلمہ اسے ستر سال کے عرصہ تک کے لئے جہنم میں پھینکے جانے کا سبب بن جاتا ہے۔

④ دو بری عادات کے مابین درمیانی راہ: وسطیہ کا ایک یہ بھی مفہوم ہے کہ ایسی دو عادات جو دونوں بری ہوں ان کے درمیان حق اور درست راہ اختیار کی جائے۔ کیونکہ حق بغیر کسی کمی یا زیادتی کے دو باطل چیزوں کی درمیانی راہ کا نام ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ عقیدہ طحاویہ کے متن میں رقمطراز ہیں: آسمان وزمین میں اللہ تعالی کا ایک ہی دین ہے اور وہ دین اسلام ہے۔ دین اسلام نام ہے افراط وتفریط، تشبیہ اور تعطیل، جبر اور قدر اور بے خوفی و ناامیدی کی درمیانی راہ کا۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ کا قول ہے: سلف میں سے کسی کا قول ہے: اللہ تعالی کے ہر حکم میں شیطان انسان کو دو طریقوں سے گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یا تو اس حکم میں زیادتی کے ذریعے یا پھر اس حکم میں کمی کے ذریعے۔ اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ کس طریقے کے ذریعے کامیاب ہوتا ہے۔ کمی کے ذریعے یا زیادتی کے ذریعے۔ (مدارج السالکین: ۲/ ۱۰۸)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے: فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت اس پر اسی طرح ایمان رکھتے ہیں

جس طرح اللہ تعالی نے اس کے بارے اپنی کتاب میں خبر دار کیا ہے۔ وہ تحریف، تعطیل، تکییف اور تمثیل میں سے کسی گمراہی کے مرتکب نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ امت کے تمام گروہوں میں سے درمیانی راہ پر چلنے والے ہیں جس طرح یہ امت تمام امم میں درمیانی راستے کی حامل ہے۔

اہل السنۃ والجماعۃ اللہ تعالی کے اسماء وصفات کے بارے میں اہل تعطیل یعنی جہمیہ اور اہل تمثیل یعنی مشبہہ کے عقائد کی درمیانی راہ اپنانے والے ہوتے ہیں۔اسی طرح وہ اللہ تعالی کے افعال کے بارے میں جبریہ اور قدریہ وغیرہ کے عقائد کی درمیانی راہ اپنانے والے ہوتے ہیں۔اسی طرح اللہ تعالی کی وعید کے بارے میں مرجئہ اور قدریہ وعیدیہ گروہ کے عقائد کی درمیانی راہ اپنانے والے ہوتے ہیں۔ ایمان اور دین کے اسماء کے بارے میں حروریہ، معتزلہ، مرجئہ اور جہمیہ کے عقائد کی درمیانی راہ کے حامل ہوتے ہیں۔اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں روافض اور خوارج کے عقائد کی درمیانی راہ کے حامل ہوتے ہیں۔(شرح العقیدۃ الواسطیۃ:۱۲۴-۱۳۲)

امام طبری رحمہ اللہ کا قول پہلے گذر چکا ہے جوکہ اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں: اللہ تعالی نے امت محمدیہ کو صفت وسط سے متصف کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے وہ دین میں وسطیت یعنی میانہ روی کا راستہ اپناتے ہیں۔نہ وہ عیسائیوں کی طرح غلو کرتے ہیں جنہوں نے ترہیب میں بہت غلو کا مظاہرہ کیا اور عیسی علیہ السلام کے بارے میں ناحق باتیں کیں۔اور نہ ہی یہ یہودیوں کی طرح دین میں کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں، جنہوں نے اللہ کی کتاب کو بدل ڈالا اور اپنے انبیاء کو قتل کیا، اپنے رب پر جھوٹ باندھا اور اس کے ساتھ کفر کیا۔ امت محمدیہ اعتدال اور میانہ روی کا راستہ اپناتی ہے اسی لئے اللہ تعالی نے انہیں اس صفت کے ساتھ متصف کیا ہے۔کیونکہ اللہ تعالی کے ہاں میانہ روی والے امور پسندیدہ ہیں۔(تفسیر طبری:۲/۶)

تنبیہ: گذشتہ عبارات سے وحدت الوجود اور حلول کے قائل لوگوں کا بطلان ثابت ہوتا ہے۔ جو کہ دین میں میانہ روی کے نام پر اس عقیدے کو اپنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ اسے حق اور باطل ،اور شریعت کے ہاں پسندیدہ اور ناپسندیدہ امور کی درمیانی راہ تصور کرتے ہیں۔انہوں نے اپنے باطل نظرے کو ثابت کرنے کے لئے اور دین میں میانہ روی کے نام پر حق وباطل اور ایمان اور کفر کو آپس میں

ملا دیا ہے۔اسی طرح وہ جب بھی دین کے کسی مسئلے سے فرار چاہتے ہیں تو اسے دین میں میانہ روی کا نام دیتے ہوئے اس مسئلے سے جان چھڑا لیتے ہیں۔ جب ان سے اس بارے میں پوچھا جائے تو کہتے ہیں: اسلام نے ہمیں میانہ روی اور اعتدال کا حکم دیا ہے اور ہم میانہ روی اور اعتدال کا راستہ اپنانے والے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا﴾ (الکهف:٥)

یہ تہمت بڑی بری ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے وہ نرا جھوٹ بک رہے ہیں۔

اسلام میں اعتدال اور میانہ روی کا اعلان ایک حق کلمہ تھا لیکن انہوں نے اسے جھوٹ کا رنگ دے دیا اور جھوٹ کی ترویج کا ذریعہ بنا لیا۔

ان کی یہ میانہ روی دین کی میانہ روی کی نگاہ میں افراط وتفریط اور ظلم وزیادتی کے سوا کچھ نہیں۔ یہ ایسا گناہ ہے جو اس شخص کے گناہ سے بھی بڑا ہے جو علی الاعلان دین میں کمی زیادتی کا مرتکب ہوتا ہے۔

خلاصہء کلام: اسلام میں میانہ روی طائفہ منصورہ کی نمایاں ترین صفات اور خصوصیات میں سے ہے۔ یہی خصوصیت اور صفت اسے دوسری تمام جماعتوں سے ممتاز کرتی ہے۔ کیونکہ اس بات کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ ایک طائفہ منصورہ ہو جس کے ہاتھوں اللہ تعالی اس دین کو فتح ونصرت اور عزت وغلبہ عطا کرنے والے ہوں لیکن ان کے عقائد ونظریات، عادات واطوار اور دین کی فہم ایسی ہو کہ وہ میانہ روی اور اعتدال کے راستے سے انحراف کرنے والے ہوں اور تشدد اور غلو کا راستہ اپنانے والے ہوں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ طائفہ منصورہ ایسی ہوگی۔ اور یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ ان عادات کے حامل ہوتے ہوئے فتح ونصرت اور کامیابی اور کامرانی کو حاصل کر سکیں۔ ہم اللہ تعالی سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل کرے جو افراط وتفریط کے راستے سے ہٹ کر میانہ روی اور اعتدال کی راہ اپنانے والے ہیں۔ (آمین)

⑥ چھٹی صفت: علم

اسی طرح علم بھی طائفہ منصورہ کی ایک اہم ترین صفت ہے۔ یہ اپنے دینی اور معاشی امور کو ہر لحاظ سے جاننے والے ہوتے ہیں۔ کیونکہ گذشتہ ذکر ہونے والی تمام صفات کے لئے ایک لازمی امر یہ بھی ہے کہ وہ علماء بھی ہوں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ طائفہ منصورہ کے تمام افراد علماء ہوں اور تحصیل علم میں نام پیدا کرنے والے ہوں، اور علم اور حصول علم میں وہ سب ایک ہی درجہ پر فائز ہوں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی صف باعمل اور ربانی علماء سے کبھی خالی نہیں ہوتی۔ اس نظریے کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ طائفہ منصورہ کی یہ صفات ہیں کہ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، اور اللہ تعالی کے راستے میں قتال کرتے ہیں، اور دین ان ہی کی وجہ سے قائم اور غالب ہے، وہ میانہ روی اور اعتدال پسندی کی راہ پر گامزن ہیں، وہ قرآن وسنت کی اتباع کے راستے پر گامزن ہیں، یہ تمام ایسے امور ہیں جسے باعمل علماء اور شریعت کے علم کا وافر حصہ رکھنے والے لوگ ہی لے کر کھڑے ہو سکتے ہیں۔ ورنہ کسی چیز سے بے خبر انسان اسی طرح ہے گویا کہ اس سے وہ چیز گم ہو چکی ہے اور وہ چیز اسے مل نہیں سکتی۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (آل عمران:۱۰۴)

تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو بھلائی کی طرف لائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے، اور یہی لوگ فلاح ونجات پانے والے ہیں۔

الأمۃ کی تفسیر میں ضحاک رقمطراز ہیں: صحابہ اور رواۃ میں سے اکابر لوگ اس سے مراد ہیں، یعنی مجاہدین اور علماء۔ (تفسیر ابن کثیر:۱/ ۳۹۸)

امام قرطبی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: اس کا معنی یہ ہے کہ ضروری ہے کہ نیکی کا حکم دینے والے علماء ہوں، تمام لوگ علماء نہیں ہوتے۔ (تفسیر قرطبی:۴/ ۱۶۵)

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ كَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ﴾ (آل عمران:١٤٦)

بہت سے نبیوں کے ہم رکاب ہو کر، بہت سے اللہ والے جہاد کر چکے ہیں، انہیں بھی اللہ کی راہ میں تکلیفیں پہنچیں لیکن نہ تو انہوں نے ہمت ہاری نہ سست رہے اور نہ دبے، اور اللہ صبر کرنے والوں کو (ہی) چاہتا ہے۔

یہ قتال کرنے والی طائفہ منصورہ کی صفت ہے۔ حسن رحمہ اللہ کا قول ہے: ربیون سے مراد صبر کرنے والے علماء ہیں۔ (تفسیر قرطبی:۴/۲۳۰)

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر طائفہ منصورہ کے تمام افراد علماء نہ ہوں تو ان کی صفوں میں چند باعمل علماء ضرور ہونے چاہئیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے: دعوت و تبلیغ وغیرہ کے امور جو کہ ہر مومن پر واجب ہیں ان کی ادائیگی کے لئے چند شرائط ہیں جنہیں پورا کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ نیکی کے امور کو بھی جاننے والا ہو جس کا وہ حکم دینے والا ہے اور برائی کے امور کو بھی جاننے والا ہو جن سے وہ منع کرنے والا ہوتا ہے۔ نیکی کا حکم دینے کے بارے میں نرمی کا برتاؤ کرنے والا ہو اور برائی سے روکنے کے بارے میں نرمی کا برتاؤ کرنے والا ہو۔ نیکی کا حکم دینے کے بارے میں بھی بردباری کا مظاہرہ کرنے والا ہو اور برائی سے روکنے کے بارے میں بھی بردباری کا مظاہرہ کرنے والا ہو۔

ان تمام امور کو شروع کرنے سے پہلے ان کی سمجھ بوجھ اور علم ضروری ہے تاکہ نیکی کی پہچان حاصل کر کے اس اچھا سمجھے اور برائی کی پہچان حاصل کر کے اسے برا سمجھے۔ اس تمام معاملے میں نرمی کا برتاؤ اختیار کرے تاکہ مقصد کو حاصل کرنے کے لئے صحیح ترین راستے پر چل سکے۔ اور حلم اور بردباری کا مظاہرہ اس لئے ہوتا ہے تاکہ اس میدان میں پیش آنے والی مشکلات پر صبر کر سکے۔ کیونکہ اس میدان اکثر و بیشتر مشکلات کا سامنا ہی کرنا پڑتا ہے۔ (فتاوی ابن تیمیہ:١٥/١٦٧)

طائفہ منصورہ کی اس صفت کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے تاکہ قاری کو اس بات کا ادراک ہو جائے کہ طائفہ منصورہ کی ذمہ داریوں میں علم کا حصول بھی شامل ہے۔ خاص طور پر ایسا علم جس کا تعلق شہادت توحید کلمہ لا الہ الا اللہ، اس کے مطالبات اور نواقض سے ہے وہ مطلق طور پر تمام علوم سے افضل ترین علم ہے۔ اور حصول علم کی ابتداء ہمیشہ اس علم کے حصول سے کرنی چاہیئے۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (محمد ۱۹) لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا علم اس کے معانی کو سمجھنے اور اس کے لوازمات اور نواقض کو جاننے کے ذریعے حاصل ہوگا۔ تاکہ لوازم اور شروط پر اعتقاد، قول اور عمل کے ذریعے عمل کیا جائے اور نواقض اور سے رکا بھی جائے اور ان کا انکار بھی کیا جائے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولاً أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾ (النحل ۳۶)

اور فرمایا:

﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انفِصَامَ لَهَا﴾ (البقرۃ ۲۵۶)

صحیح مسلم میں حدیث ہے:

جس نے اللہ تعالی کی وحدانیت کا اقرار کیا، اور معبودان باطلہ کا انکار کیا، اس کا مال اور خون حرام ہو گیا اور اس کا حساب اللہ تعالی پر ہے۔ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے اللہ تعالی کی توحید کا اقرار کیا یا کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا اقرار کیا لیکن اس نے معبودان باطلہ کا انکار نہیں کیا اس کا مال اور خون حرام نہیں ہوگا۔ (اس کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ وہ صرف کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے اقرار سے اسلام میں داخل نہیں ہوگا، اور لوازمات اور شروط کے پورا کئے بغیر گواہی کسی کام نہیں آئے گی یہ معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ کلمہء توحید کی گواہی انسان کو اسلام میں داخل کر دے گی، اس کے لئے نفع مند بھی ہوگی، اس کی حفاظت بھی کرے گی اور اس کی حرمات کا دفاع بھی کرے گی۔ لیکن اگر اس کے بعد اس نے بغیر کسی شرعی عذر کے نواقض ایمان میں سے کسی ناقض کا ارتکاب کر لیا تو ایک چیز اور اس کی ضد کو ایک ہی دفعہ ایک ہی جگہ اکٹھا کرنے کا باعث ہوگا۔ ایسی صورت میں کلمہء توحید کی گواہی اس کے کسی کام نہیں آسکتی۔ الا یہ کہ وہ اپنے

اس عمل پر نظر ثانی کرتے ہوئے توبہ کرے اور اس برائی کو چھوڑ دے جو اسے دائرہ اسلام سے خارج کرنے کا باعث ہے۔ اس مسئلہ کو مکمل تفصیل اور دلائل کے ساتھ ہم نے اپنی کتاب ''قواعد فی التکفیر'' اور ''شروط لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ'' میں ذکر کیا ہے۔)

اس عظیم علم کی افضلیت پر جو دلائل ثابت ہیں ان میں نبی کریم ﷺ سے ثابت صحیح حدیث ہے: آپ ﷺ نے جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا:

تم ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو کہ اہل کتاب ہیں۔ تم سب سے پہلے انہیں اللہ تعالی کی عبادت کی طرف دعوت دینا، اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ لَا إِلَـهَ إِلَّا اللّٰـهُ کی طرف بلانا۔ جب وہ اللہ تعالی کی پہچان حاصل کرلیں تو پھر انہیں بتانا کہ اللہ تعالی نے ان پر ایک دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔

سیدنا جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہوتے تھے اور اس وقت ہم ابھی نوجوان ہی تھے۔ ہم نے قرآن سیکھنے سے پہلے ایمان کی تعلیم حاصل کی تھی، پھر ہم نے قرآن سیکھا تھا جس سے ہمارا ایمان اور زیادہ بڑھ گیا۔ (صحیح سنن ابن ماجہ: ۱۷۰)

اس دلیل سے اس شخص کو غلطی ثابت ہوتی ہے جو اس علم سے بے رغبتی برتتا ہے اور اسے سب سے آخری درجے پر رکھتا ہے۔ اس علم سے بے رغبتی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایسا شخص صحابہ کرام اور تابعین جیسا ایمان کا درجہ پیدا کرنے کے لئے محنت کرنے کی بجائے ایمان کے کمزور درجے پر رہنے کو ترجیح دیتا ہے۔

اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری اور جہاد فی سبیل اللہ کی ذمہ داری یہ تمام امور طائفہ منصورہ سے اس بات کے متقاضی ہیں کہ وہ علم کی طلب اور حصول کا خاص اہتمام کریں۔ تا کہ وہ اپنے کاندھوں پر پڑی ہوئی ان شرعی ذمہ داریوں کو احسن اور مکمل طریقے سے نبھا سکیں۔

خلاصہ کلام: علم کا حصول طائفہ منصورہ کی خصوصیات میں شامل ہے، خاص طور پر توحید اور اس کے لوازمات کا مکمل طور پر علم ہونا ضروری ہے۔ اس بات کا احتمال ہے کہ طائفہ منصورہ دین کے کسی مسئلے سے بے خبر ہو، لیکن اس بات کا تو تصور بھی محال ہے کہ طائفہ منصورہ میں سے کوئی ایک شخص بھی لا

لا الہ الا اللہ کے مفہوم اور شروط سے بے خبر ہو، اور اس کے باوجود بھی ہم اسے یہ کہتے رہیں کہ یہ طائفہ منصورہ سے تعلق رکھنے والا ہے۔

⑦ ساتویں صفت: صبر اور ثابت قدمی:

طائفہ منصورہ کے کندھوں پر ڈالی گئی بڑی بڑی ذمہ داریوں کے پیش نظر یہ کڑی آزمائش کی بھٹی میں ڈالی گئی جماعت ہے۔

طائفہ منصورہ اور آزمائش ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں جنہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ جب کبھی طائفہ منصورہ کا ذکر ہوگا آزمائش، بلاء، زخموں اور دکھوں کا بھی ساتھ ہی ذکر ہوگا۔

آزمائش اور سختی کے لئے لازمی امر ہے کہ باطل کے طعن وتشنیع کے تیر جسقدر زیادہ ہی کیوں نہ ہوں صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ حق پر ڈٹ جایا جائے۔

ہر وہ آزمائش جس کا مقابلہ بے صبری، کم حوصلگی اور تزلزل کے ساتھ کیا جائے اس کا لازمی نتیجہ اللہ تعالی کی ناراضگی اور دین سے ارتداد کی صورت میں نکلتا ہے۔ ایسی آزمائش اپنے صاحب کے لئے دنیا اور آخرت میں رسوائی کا باعث ہوتی ہے۔ یہ قابل مذمت آزمائش ہے کیونکہ یہ اپنے صاحب کے لئے بدبختی اور ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ جبکہ طائفہ منصورہ اس قسم کی بری عادات سے سب سے زیادہ دور رہنے والی ہوتی ہے۔

ایسی طائفہ منصورہ جس کا آزمائش، زخم، تکلیف، درد، خون، صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو یہ وہ پسندیدہ طائفہ منصورہ نہیں ہوگی کہ جس کی احادیث میں بہت سی خصوصیات ذکر کی گئی ہیں، اور اسے ایک عظیم ستارے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

ایسے دھوکا کا شکار شخص کی شخصیت کتنی مضحکہ خیز ہوتی ہے جو اپنا نام سلفی اور اثری رکھتا ہے لیکن دوسری طرف وہ ظالم طاغوتوں کا حمایتی ہے، اللہ تعالی کے راستے میں اسے کبھی بھی کسی آزمائش کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ لیکن اس کے باوجود بھی وہ اپنے بارے میں بڑے واضح انداز سے یہ کہتا ہے: ہم ہی طائفہ منصورہ ہیں۔ اگر ہم طائفہ منصورہ نہیں ہیں تو پھر کون ہے جو طائفہ منصورہ کہلوانے کا حقدار ہو؟

یہ جھوٹی خواہشات ہیں......جھوٹے خواب وخیال ہیں......شیطانی پھندے ہیں......کاش انہیں اس بات کا علم ہوتا۔

طائفہ منصورہ نیکی اور سخاوت کے ہر میدان کا ہراول دستہ ہیں۔ جہاد وقتال کرنا،کلمہء حق کہنا اور اپنے مخالفین پر غلبہ حاصل کرنا ان کی پہچان ہے۔وہ اللہ کے دین کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے خوفزدہ نہیں ہوتے۔ یہ سب خصوصیات آزمائش کی بھٹی میں پکنے اور صبر وثابت قدمی کا مظاہرہ کرنے کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتیں،اس کے لئے خواہ کتنی عظیم قربانیاں ہی کیوں نہ دینی پڑیں۔ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ﴾(المؤمنون:۱۱۱)

میں نے آج انہیں ان کے اس صبر کا بدلہ دے دیا ہے کہ وہ خاطر خواہ اپنی مراد کو پہنچ چکے ہیں۔

اور فرمایا:

﴿أُوْلَئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا﴾(القصص:۵۴)

''یہ اپنے کئے ہوئے صبر کے بدلے دوہرا دوہرا اجر دیئے جائیں گے۔

اور فرمایا:

﴿وَجَزَاهُم بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيراً﴾(الدھر:۱۲)

''اور انہیں ان کے صبر کے بدلے جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے۔

اور فرمایا:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوفْ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الأَمَوَالِ وَالأنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ﴾(البقرہ:۱۵۵)

اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آمائش ضرور کریں گے،دشمن کے ڈر سے،بھوک پیاس سے،مال وجان اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبر دے دیجئے۔

اللہ تعالی نے صبر،صبر کرنے والوں اور صبر کی تلقین کرنے والوں کی تعریف بیان فرمائی ہے۔ارشاد ربانی

ہے:

﴿وَالْعَصْرِ ☆ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ☆ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ☆﴾ (سورۃ العصر:۱-۳)

زمانے کی قسم☆ بیشک (بالیقین) انسان سرتا سر نقصان میں ہے☆ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور (جنہوں نے) آپس میں حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی۔

اور فرمایا:

﴿وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ﴾ (الأحزاب:۳۵)

''اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں، اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں۔

اور فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ﴾ (آل عمران:۱۴۶)

''اور صبر کرنے والوں کو (ہی) چاہتا ہے''۔

اور فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (البقرۃ:۲۴۹)

''اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

اور جسے اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہو جائے اسے ضائع ہونے کا خطرہ نہیں ہے اور نہ ہی اس پر کسی قسم کا کوئی خوف ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد نازل ہوتی ہے۔ فراخی تکلیف کے ساتھ ہے اور تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ مکہ میں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر آزمائشوں کے پہاڑ توڑ دیئے گئے تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر دشمن کی طرف سے پیش آنے والی مشکلات اور

تکلیفوں کی شکایت کی ، اور مطالبہ کیا کہ وہ اللہ تعالی سے ان کے لئے مدد اور نصرت کی دعا فرمائیں۔تو نبی کریم ﷺ نے انہیں صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:تم سے پہلے اہل ایمان کی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ کسی شخص کو پکڑ لیا جاتا اور زمین میں گڑھا کھود کر اسے اس میں گاڑ دیا جاتا اور سر پر آرا رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے ۔لوہے کی کنگھیوں کے ذریعے اس کے گوشت کو اس کی ہڈیوں سے جدا کر دیا جاتا۔لیکن یہ سب آزمائشیں اسے اس کے دین سے نہ روک سکتیں۔اللہ کی قسم !اللہ تعالی اس دین کو ضرور غلبہ نصیب فرمائیں گے۔جس کے نتیجے میں اسقدر امن ہوجائے گا کہ ایک سوار صنعاء سے حضرموت تک اکیلا سفر کرے گا لیکن اسے اللہ تعالی کے علاوہ کسی کا خوف نہیں ہوگا۔بھیڑیئے بکریوں کی رکھوالی کریں گے۔لیکن تم اس مدد کا بہت جلدی مطالبہ کر رہے ہو۔(متفق علیہ)

گذشتہ حدیث کو اس جگہ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص طائفہ منصورہ میں شامل ہونا ، اور فتح ونصرت اور غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے آپ کو صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ مزین کرے ۔اور اس ثابت قدمی کے انجام کو برداشت کرنے کے لئے بھی اپنے آپ کو تیار کرے خواہ اس کی تکلیف بہت بڑی ہی کیوں نہ ہو۔

طائفہ منصورہ انبیاء کی وارث ہے ۔ یہ بات لازمی ہے کہ انبیاء کی دعوت کے دشمن بھی موجود ہوتے ہیں۔اس لئے یہ ضروری امر ہے کہ انبیاء کی دعوت کے وارث کو انبیاء کی دعوت کے دشمنوں کا سامنا کا بھی کرنا پڑے گا اور انبیاء کے دشمنوں کی طرف سے اس کے ساتھ دشمنی کا اظہار بھی کیا جائے گا۔ورقہ بن نوفل نے نبی کریم ﷺ سے کہا تھا:

جس کسی نے تیری اس دعوت جیسی دعوت پیش کی ہے اس کے ساتھ دشمنی ہی کی گئی ہے۔

(بخاری)

جو انبیاء کا وارث ہوگا اور انبیاء کے منہج پر چلنے والا ہوگا لازمی بات ہے کہ اسے بھی تمام باطل اقوام کی طرف سے ان آزمائشوں اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا جو مشکلات انبیاء نے برداشت کیں تھیں۔

(اکثر لوگ نبی کریم ﷺ کے فرمان: ''علماء انبیاء کے وارث ہیں'' سے غلط مفہوم لیتے ہیں، کیونکہ اس حدیث سے وہ صرف علم کی وراثت مراد لیتے ہیں، قرآن وحدیث کی عبارات کو یاد کرنے پر زور دیتے ہیں اور عمل کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتے۔ جبکہ درست بات یہ ہے کہ علماء، علم اور عمل دونوں چیزوں میں انبیاء کے وارث ہیں۔ علماء جہاد اور قربانی میں بھی انبیاء کے وارث ہیں، حق کی دعوت دینے میں بھی انبیاء کے وارث ہیں، مصیبتوں پر صبر کرنے، تقوی اور خشیت الٰہی میں بھی انبیاء کے وارث ہیں، انبیاء کے اخلاق اور ان کی طرف سے جاری ہونے والے ہر عمل کے وارث ہیں۔ یہی اصل اور حقیقی وراثت ہے۔ حدیث کو اسی طرح سمجھنا اور اسے اسی معنی پر محمول کرنا چاہیئے۔)

جو شخص انبیاء کے منہج پر چلنا چاہتا ہے اور اپنے اس دعوی میں سچا ہو اور درست راہ پر بھی گامزن ہو، اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی نہ چاہتا ہو اسے کسی آزمائش میں ڈالا جائے یا کوئی اس کا دشمن ہو، یہ ایک مشکل اور ناممکن سا خیال ہے۔ یہ ویسا ہی ہے جیسے کوئی شخص دو متضاد چیزوں کو ایک جگہ اکٹھا کرنا چاہتا ہو۔

> جب مدینہ والوں نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھوں پر بیعت عقبی ثانیہ کرنا چاہی تو اچانک سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے انہیں روک دیا، تاکہ وہ انہیں ان کے اس اقدام کے خطرناک پہلوؤں سے آگاہ کر دیں۔ وہ فرمانے لگے: آج ان کو نکالنے کا فیصلہ تمام عرب نے کرلیا ہے۔ ان کی حمایت کی صورت میں تمہارے بہترین لوگوں کو قتل کر دیا جائے گا، اور تلواریں تمہیں کاٹ کھائیں گی۔ اگر تو تم اس پر صبر کرنے والے ہو تو انہیں اپنے ساتھ ملا لو اور اس کا اللہ تعالی تمہیں اجر عطا فرمائیں گے۔ اگر تمہیں ان کی مدد کی صورت میں اپنی جان کا خطرہ ہے اور جان زیادہ پیاری ہے تو انہیں آج ہی چھوڑ دو اور انہیں کھل کر بتا دو۔ اللہ تعالی کے ہاں یہ تمہارا قابل قبول عذر ہوگا۔ (أحمد، بیہقی)

دین حق کا ساتھ دینے کی صورت میں اس قسم کے مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ امت کے بہترین لوگ قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ اہل حق اور اہل ایمان کے لئے کفار کی تلواریں بے نیام ہو جاتی ہیں۔ اس لئے جو صحیح معنوں میں انبیاء کا وارث ہے اسے اس بات کے لئے ذہنی طور پر تیار رہنا چاہیئے کہ دعوت الی اللہ اور نبوی منہج پر چلنے کی صورت میں اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اور اللہ تعالی کے دشمنوں کی طرف سے اس کے لئے بہت زیادہ مکر وفریب کا ظہور متوقع ہے۔

یہ بڑی قابل تعجب بات ہے کہ جس بات سے سعد بن زرارہ اور ان کے ساتھی نبی کریم ﷺ کی بیعت کرنے سے پہلے اپنے اسلام لانے کے ابتدائی ایام میں واقف تھے، ہمارے دور کے بڑے بڑے نامور دکتور اور علم کے چشمہ سے سیراب ہونے والے بہت سے ایسے افراد جو ایک لمبے عرصے سے مختلف یونیورسٹیوں میں دینی علوم پڑھا رہے ہیں، وہ اس بارے میں نا صرف شک میں مبتلا ہیں اور اس بارے میں مناظرے کر رہے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر تو اس سے واقف ہی نہیں ہیں۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا﴾ (البقرۃ:۲۱۷)

یہ لوگ تم سے لڑائی بھڑائی کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کر دیں۔

لیکن:

﴿إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ﴾ (النساء:۱۰۴)

اگر تمہیں بے آرامی ہوتی ہے تو انہیں بھی تمہاری طرح بے آرامی ہوتی ہے اور تم اللہ تعالی سے وہ امیدیں رکھتے ہو، جو امیدیں انہیں نہیں۔

ہمارے قتل ہونے والے جنتی ہیں اور ان کے مقتولین دوزخی ہیں۔ اللہ تعالی ہمارا والی ہے اور ان کا کوئی بھی والی نہیں۔

نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا:

اے اللہ کے رسول اللہ کی قسم! میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اسے ارشاد فرمایا: جو مجھ سے محبت کرتا ہے اس پر سیلاب سے بھی زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ آزمائشیں نازل ہوتی ہیں۔ (ابن حبان، السلسلۃ الصحیحۃ:۱۵۸۶)

یعنی آزمائشوں کو برداشت کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرلو۔ اگر تو اپنے دعوی محبت میں سچا ہے تو

اس کے ثبوت کے لئے کسی دلیل کی ضرورت ہے۔اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مصیبتیں نازل ہوں تو ان پر صبر کیا جائے۔ورنہ زبانی تو ہر شخص ہی محبت کا دعوی کرسکتا ہے اور یہ بہت آسان بھی ہے۔

اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے لئے محبت کرنے والوں، رسول اللہ ﷺ کی سنت، سیرت اور طریقے کی پیروی کرنے والوں کو سب سے زیادہ آزمائشوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّهُ﴾ (آل عمران:۳۱)

کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالی سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالی تم سے محبت کرے گا۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

لوگوں میں سب سے زیادہ آزمائش انبیاء پر نازل ہوتی ہے۔پھر ان کے بعد درجہ بدرجہ لوگوں پر آزمائش نازل ہوتی ہے۔ہر آدمی کی آزمائش اس کے دین کے اعتبار سے ہی ہوتی ہے۔اگر وہ اپنے دین میں سخت ہے تو اس کی آزمائش بھی سخت ہوگی، اگر کوئی اپنے دین میں نرم اور سست ہے تو اس کی اسی قدر آزمائش ہوگی۔مومن پر اس وقت تک آزمائش نازل ہوتی رہتی ہے حتی کہ اس کی یہ کیفیت ہوجاتی ہے کہ وہ زمین پر چلتا ہے اور گناہوں سے بالکل صاف ہوچکا ہوتا ہے۔(ترمذی، السلسلۃ الصحیحۃ:۱۴۳)

اور فرمایا:

سب سے سخت آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے، پھر نیک لوگوں کی۔ان کی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ وہ آمائش سے اس طرح خوش ہوتے تھے جس طرح تم فراخی اور فراوانی سے خوش ہوتے ہو۔ (ترمذی، السلسلۃ الصحیحۃ:۱۴۴)

نبی کریم ﷺ نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا:

اللہ تعالی کے لئے جسقدر تکلیف مجھے دی گئی ہے کسی کو بھی نہیں دی گئی۔(السلسلۃ الصحیحۃ:۲۲۲۲)

اور فرمایا:

جس طرح ہمارے لئے اجر کئی گنا بڑھا دیا گیا ہے اسی طرح ہمارے لئے آزمائش بھی کئی گنا بڑھا دی گئی ہے۔(لسلسلۃ الصحیحۃ:۲۰۴۷)

اور فرمایا:

نیک لوگوں پر آزمائشیں نازل ہوتی رہتی ہیں، مومن کو اگر کوئی کانٹا بھی تو اس کے عوض اس کا ایک گناہ معاف کر دیا جاتا ہے اور اس کا ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے۔(طبرانی، السلسلۃ الصحیحۃ ۱۶۱۰)

اور فرمایا:

جسقدر آزمائشیں زیادہ ہونگی اجر وثواب بھی اسی قدر بڑھتا جاتا ہے۔ اللہ تعالی جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اسے آزمائش میں ڈالتا ہے۔ جو اس آزمائش سے خوش ہوا اللہ تعالی بھی اس سے خوش ہوتا ہے، اور جو اس سے ناخوش ہوا اللہ تعالی اس سے ناخوش ہوتا ہے۔(ترمذی، ابن ماجہ، السلسلۃ الصحیحۃ:۱۴۶)

اصحاب الاخدود کے قصہ میں ہے:

جب اس ظالم نے دیکھا کہ تمام لوگ اللہ رب العالمین پر ایمان لے آئے ہیں، اور جس چیز کو وہ ناپسند سمجھتا تھا اور جس سے ڈرتا تھا وہی صورت حال پیش آ گئی ہے تو اس نے خندقیں کھودنے کا حکم دیا۔ جب وہ کھود دی گئیں تو ان میں زبردست قسم کی آگ بھڑکائی گئی۔ بادشاہ نے حکم دیا: جو شخص اپنے دین سے واپس نہ لوٹے اسے آگ میں ڈالتے جاؤ یا اسے کہو کہ وہ خود ہی آگ میں کود جائے۔ انہوں نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی حتی کہ ایک عورت آئی اس کے ساتھ اس کا ایک چھوٹا سا بچہ بھی تھا، اس نے آگ میں کودنے سے ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا تو بچہ بول اٹھا: اے ماں! صبر کر کیونکہ تو حق پر ہے۔(مسلم)

جو لوگ ایک کنارے پر رہ کر اللہ تعالی کی عبادت کرتے ہیں، اور لوگوں کی طرف سے پیش آنے والی

آزمائش کو بھی اللہ تعالی کے عذاب کی طرح سمجھتے ہیں، اگر ان پر کوئی چھوٹی سی مصیبت اور آزمائش بھی نازل ہو جائے تو وہ بڑے غصے اور نفرت سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاتے ہیں۔ کثرت کے ساتھ چیخ و پکار کرتے ہیں اور حیل و حجب کرتے ہیں کہ اگر یوں ہوتا تو یوں نہ ہوتا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو بھلائی اور ہدایت پر نہیں سمجھتے۔

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انقَلَبَ عَلَى وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ﴾ (الحج:۱۱)

بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ ایک کنارے پر (کھڑے) ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اگر کوئی نفع مل گیا تو وہ دلچسپی لینے لگتے ہیں اور اگر کوئی آفت آ گئی تو اسی وقت منہ پھیر لیتے ہیں، انہوں نے دونوں جہان کا نقصان اٹھالیا۔ واقعی یہ کھلا نقصان ہے۔

سیدنا جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں:

ایک دفعہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے اس طرح اپنے سامنے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا: یہ اللہ تعالی کا راستہ ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک لکیر اس لکیر کے دائیں طرف کھینچی اور ایک لکیر بائیں طرف کھینچی اور فرمایا: یہ شیطان کے راستے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے درمیانی لکیر پر اپنا دست مبارک رکھا اور یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

﴿وَأَنَّ هَـٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (الأنعام:۱۵۳)

(اسے ابن ابی عاصم نے السنۃ میں ذکر کیا ہے، اور شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔)

ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا﴾ (فصلت:۳۰)

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

اس سے ذرہ برابر بھی دائیں بائیں متوجہ نہیں ہوئے۔(فتاوی ابن تیمیہ:۲۸/۳۲)

انبیاء میں بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے اپنی دعوت میں کئی سال گذار دیئے لیکن چند لوگوں کے سوا ان پر کوئی ایمان نہیں لایا۔اللہ تعالی نے نوح علیہ السلام کا واقعہ ذکر فرمایا جو تقریباً ساڑھے نوسو سال تک اپنی قوم کو تبلیغ کرتے رہے لیکن اس کا نتیجہ یہی نکلا جیسا کہ اللہ تعالی نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:﴿وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ﴾(ھود:۴۰)

اس کے ساتھ ایمان لانے والے بہت ہی کم تھے۔

بعض انبیاء ایسے بھی تھے جن پر صرف ایک شخص ہی ایمان لایا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انبیاء میں کچھ نبی ایسے بھی تھے جن کی تصدیق ان کی امت میں سے صرف ایک شخص نے ہی کی ۔(مسلم،صحیح الجامع:۱۴۵۸)

لیکن اس سب کے باوجود ان کی کیفیت ہرگز یہ نہیں ہوئی کو وہ اللہ تعالی سے جلدی مدد کے طلبگار ہوں، یا صراط مستقیم سے ہٹ جائیں، یا لوگوں کو اپنی دعوت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے کوئی غلط راستہ اختیار کریں۔((معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک ایسا فتنہ ہوگا جب لوگوں کے پاس مال بکثرت ہوگا اور قرآن کی بکثرت تلاوت ہوگی۔حتی کہ ہر مومن اور منافق، مرد وعورت، بڑا اور چھوٹا سبھی اسے پڑھیں گے۔آدمی اسے آہستگی سے پڑھے گا لیکن اس کی اتباع نہیں کی جائے گی۔تو وہ کہے گا: لوگوں نے تو اس کی اتباع نہیں کی اس لئے میں اسے جہری آواز کے ساتھ پڑھتا ہوں۔وہ جہری آواز سے پڑھے گا لیکن پھر بھی اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔اس کے بعد وہ مسجد کو اپنا ٹھکانا بنالے گا وہاں بیٹھ کر ایسی کلام ایجاد کرے گا جو نہ تو کتاب اللہ میں ہوگی اور نہ ہی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوگی۔تم اس بات سے خود کو بچا کر رکھو کیونکہ یہ بدعت اور گمراہی ہے۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں: عنقریب ایسا ہونے والا ہے کہ ایک کہنے والا کہے گا: لوگوں کو کیا ہے کہ میں انہیں قرآن پڑھ کر سنا رہا ہو لیکن یہ میری بات ہی نہیں مان رہے؟ میرا خیال ہے کہ یہ میری اس طرح بات نہیں سنیں گے اس لئے میں ان کے لئے کوئی نئی بات ایجاد کرتا ہوں۔تم ایسے شخص اور اس کی بدعات سے خود کو بچا کر رکھو۔کیونکہ بدعت گمراہی ہوتی ہے۔اس روایت کو ابن ابی وضاح نے اپنی سند کے ساتھ اپنی کتاب ''البدع والنھی عنھا''میں ذکر کیا ہے۔)وہ ان تمام باتوں سے قطعی طور پر دور تھے۔ بلکہ قربانیوں اور نتیجے کی پرواہ کئے بغیر حق پر جم کر

انہوں نے ایک عمدہ ترین مثال قائم کردی۔ وہ اللہ تعالی کی عبادت اور اس کی توحید کی طرف بلانے والے، اور اللہ کے سوا ہر جھوٹے معبود سے اجتناب کرنے کی دعوت دینے والے تھے۔ اللہ تعالی نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولاً أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾ النحل: ۳۶۔ بندوں کو طاغوت کی بندگی سے چھٹکارا دلا کر انہیں اللہ واحد کی بندگی کی طرف لے کر آنا تمام انبیاء کی بنیادی ذمہ داری تھی، انبیاء کے بعد ہر دور میں آنے والے دین کی داعیوں کی بھی یہی ذمہ داری ہے۔ (شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنے فتاوی میں ''طاغوت'' کا مفہوم ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: طاغوت طغیان مصدر سے فعلوت کے وزن پر ہے۔ اس کا معنی ہے حد سے تجاوز کرنا اور یہ ظلم اور زیادتی کا کام ہے۔ ہر وہ معبود جس کی اللہ تعالی کے علاوہ عبادت کی جا رہی ہو اور وہ اس عبادت پر ناپسندیدگی کا اظہار نہ کرے تو وہ طاغوت ہوگا۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے بتوں کو بھی طاغوت ہی کہا ہے۔ صحیح حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: بتوں کے پجاریوں کی اتباع کرنے والے بھی طاغوت ہوتے ہیں۔ اللہ تعالی کی نافرمانی میں جس کی بات مانی جاتی ہو، ہدایت اور دین حقہ کے راستے سے ہٹ کر جس کی اتباع کی جاتی ہو خواہ کتاب اللہ کے خلاف اس کا کوئی فیصلہ چلتا ہو یا اللہ تعالی کے حکم کے خلاف اس کی بات مانی جاتی ہو وہ طاغوت ہے۔ اسی لئے اسے بھی طاغوت کہا گیا ہے جس سے فیصلہ کروانے کے لئے لے جایا گیا لیکن اس نے کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کیا۔ فرعون اور قوم عاد کو بھی طاغوت کہا گیا ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ہر وہ شخصیت کی جس کی عبادت کر کے، یا اس کی بات مان کر، یا اس کی اطاعت کر کے اللہ تعالی کی حدود سے تجاوز کر جائے وہ طاغوت ہوگا۔ ہر قوم میں جس شخص سے اللہ تعالی اور اس کے رسول کو چھوڑ کر فیصلہ کروایا جائے، یا اللہ کے علاوہ اس کی عبادت کی جائے، یا اللہ تعالی کی طرف سے عطا کردہ فہم وفراست کے بغیر اس کی اتباع کی جائے وہ اس قوم کا طاغوت ہوگا۔ اگر آپ بین الاقوامی طواغیت اور ان کے ساتھ لوگوں کے تعلق کو پرکھ کر دیکھ لیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اکثر لوگ اللہ تعالی کی بندگی کو چھوڑ کر طاغوت کے عبادت گذار بن چکے ہیں، اور اللہ تعالی اور اس کے رسول سے اپنا فیصلہ کروانے کی بجائے طاغوت کو اپنا فیصل مان چکے ہیں، اللہ تعالی اور اس کے رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری کی بجائے طاغوت کے تابع فرمان ہو چکے ہیں۔

ہم نے طاغوت اور اس کے ساتھ متعلقہ مسائل کے بارے میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جو کہ انٹرنیٹ پر ہماری ویب سائٹ پر نشر کی جا چکی ہے، جو چاہے اس کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔)

حقیقی معبود کون ہے؟ یہ ایک ایسا قضیہ ہے جو کہ امت کے تمام قضایا سے بڑھ کر اہمیت کا حامل ہے۔ تمام

علماء کو مکمل خلوص اور محنت کے ساتھ اس قضیہ کو لے کر کھڑا ہونا چاہیئے۔ اس قضیہ کو نپٹائے بغیر اور لوگوں کو اس سوال کا درست جواب دیئے بغیر کسی دوسرے قضیہ کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہیئے۔

ہمارے سلف صالحین اس اہم ترین قضیہ کے بارے میں کسی قسم کی سستی روا نہیں رکھتے تھے۔ اسی کی بنیاد پر دوستی اور دشمنی قائم ہوتی تھی۔ اور اسی کی وجہ سے تلواریں بے نیام ہو جاتی تھیں۔ اسی کے لئے لشکر تیار کئے جاتے تھے اور اسی کی بنا پر صلح اور جنگ کے معاہدے طے کئے جاتے تھے۔ لیکن موجودہ دور میں صورت حال یہ ہے کہ بہت سے ایسے لوگ جو اپنے آپ کو دین حق کے داعی کہتے ہیں بدقسمتی سے وہ اس قضیہ کے بارے میں کوئی اہتمام نہیں کر رہے۔ وہ ظالم طاغوتوں سے نپٹنے سے پہلے دوسرے معاملات میں ہی الجھے ہوئے ہیں۔ قبل اس کے کہ وہ طاغوت سے یہ فیصلہ کروالیں اور اسے اس بات پر متفق کروالیں کہ کون حقیقی معبود ہے، وہ طاغوت کی طرف سے ملنے قلیل والے قلیل راتب پر راضی ہو جاتے ہیں۔ اس بنا پر طاغوت کو مبارک اور قابل تعریف سمجھتے ہیں اور اسے دعوت و تبلیغ کے مشن میں فتح اور کامیابی سمجھتے ہیں۔ (دعوت و تبلیغ میں مگن ان نام نہاد داعیوں کے سامنے مسلمانوں کی ان مصائب اور مشکلات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو وہ ظالم، سرکش اور بے دین کافروں کی طرف سے جھیل رہے ہوتے ہیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ یہ کفار کے خلاف بیان دے کر مسلمانوں کا حوصلہ بڑھاتے لیکن ان لوگوں کا جواب مسلمانوں ہی کے خلاف ہوتا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں: کیا انہوں نے مسلمانوں کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دے رکھی؟ انہیں جواب دیا جاتا ہے: ہاں۔ وہ پھر پوچھتے ہیں: کیا انہوں نے ہمیں روزے رکھنے کی اجازت نہیں دے رکھی؟ انہیں ہاں میں جواب دیا جاتا ہے۔ وہ پھر پوچھتے ہیں: کیا انہوں نے ہمیں اپنی عورتوں کو پردہ کرنے کی اجازت نہیں دے رکھی؟ تو اس کا جواب بھی ہاں میں ہی ہوگا۔ وہ کہتے ہیں: اگر یہ سب کچھ ٹھیک ٹھیک چل رہا ہے تو ہم کس بنا پر ان سے دشمنی مول لیں، اور ان سے ان کے معبودوں سے براءت کا اظہار کریں، جس کا نتیجہ یہ نکلے یہ کہ وہ ہمیں نماز پڑھنے سے، روزہ رکھنے سے، ہماری عورتوں کو پردہ کرنے سے اور ہمیں ہر نیکی کا کام کرنے سے روک دیں۔

مجھے یاد ہے کہ میں نے ان دن شیخ سے یہ پوچھا تھا: کیا تمام انبیاء اور رسولوں اور قیامت تک احسان کے ساتھ ان اتباع کرنے والوں کی یہی دعوت نہیں رہی کہ وہ لوگوں کو اللہ واحد کی عبادت اور طاغوت کا انکار کرنے کی دعوت دیں؟ تو ان کا جواب ہاں میں تھا۔ تو میں نے ان سے پوچھا کہ موجودہ دور میں اکثر لوگوں کا معبود کون ہے؟ اللہ تعالیٰ یا طاغوت؟ کس کی اطاعت کی جاتی ہے؟ اللہ کی یا طاغوت کی؟ بندوں کے لئے احکام کون وضع کرتا ہے؟ اللہ یا طاغوت؟ کس کے

لئے دوستی اور دشمنی روا رکھی جاتی ہے؟ اللہ کے لئے یا طاغوت کے لئے؟ کس کے لئے محبت کی جاتی ہے؟ اللہ کے لئے یا طاغوت کے لئے؟ لوگ اپنے قوانین اور دستور کس سے لیتے ہیں؟ اللہ تعالی سے یا طاغوت سے؟ لوگوں کے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات اور جھگڑے حل کے لئے کس کے پاس لے جائے جاتے ہیں؟ اللہ تعالی یا طاغوت کے پاس؟

اگر تو جواب طاغوت ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہی ہوگا، تو اے شیخ صاحب آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ موجودہ دور میں اکثر لوگ اللہ تعالی کی عبادت سے ہٹ طاغوت کی عبادت کی طرف رخ موڑ چکے ہیں۔

اگر تو دین صرف اس چیز کا نام ہے کہ نماز روزہ اور اس قسم کی دوسری عبادات اللہ تعالی کے لئے ہوں اور اس کے علاوہ ہر چیز طاغوت کے لئے ہوگی، تو یہ بالکل غلط نظریہ ہے۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو حق اور باطل کے درمیان جاری یہ معرکہ کبھی برپا نہ ہوتا جو کہ تاریخ انسانی کے ساتھ ہی شروع ہو چکا تھا، موجودہ دور میں بھی جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ ہر دور میں انبیاء اور رسولوں کا اپنے وقت کے طاغوتوں کے ساتھ مقابلہ حق اور باطل کے درمیان جاری اس کشمکش کے لئے بہترین دلیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ کشمکش نہ ہوتی تو روئے زمین پر کبھی بھی اللہ واحد کی عبادت نہ کی جاسکتی۔

ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَـٰكِنَّ اللّٰهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ (البقرہ:۲۵۱)

اور اگر اللہ تعالی بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا، لیکن اللہ تعالی دنیا والوں پر بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے۔

اور فرمایا: ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيراً وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ﴾ (الحج:۴۰)

اگر اللہ تعالی لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو عبادت خانے اور گرجے اور مسجدیں اور یہودیوں کے معبد اور وہ مسجدیں بھی ڈھادی جاتیں جہاں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے۔ جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا۔

شرک اور مشرکین سے بیزاری اور اللہ واحد پر ایمان لانے تک ان سے دشمنی اور عداوت رکھنا، اس بارے میں ہمارے لئے ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں ایک بہترین نمونہ ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءاؤا مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاء أَبَداً حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ﴾ (الممتحنۃ:۴)

(مسلمانو!) تمہارے لئے حضرت ابراہیم میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جبکہ ان سب نے اپنی قوم

سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں۔ ہم (تمہارے عقائد کے) منکر ہیں جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کے لئے بغض وعداوت ظاہر ہوگئی۔

اور فرمایا:﴿قَالَ أَفَرَأَيْتُم مَّا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ☆ أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ ☆ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ﴾(الشعراء:۷۵-۷۷)

آپ نے فرمایا کچھ خبر بھی ہے جنہیں تم پوج رہے ہو؟ ☆ تم اور تمہارے اگلے باپ دادا ☆ وہ سب میرے دشمن ہیں بجز سچے اللہ تعالی کے وہ تمام جہان کا پالنہار ہے ☆

اور فرمایا:﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ☆ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ﴾(الزخرف:۲۶-۲۷)

اور جبکہ ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے والد سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو ☆ بجز اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی مجھے ہدایت بھی کرے گا۔

اور فرمایا:﴿أُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾(الأنبیاء:٦٧)

تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کے علاوہ عبادت کرتے ہو۔ کیا تمہیں اتنی سی عقل بھی نہیں؟

ابراہیم علیہ السلام کا یہ طریقہ تھا جس کی اتباع کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:﴿قُلْ صَدَقَ اللّهُ فَاتَّبِعُواْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفاً وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾(آل عمران:۹۵)

کہہ دیجئے کہ اللہ تعالی سچا ہے تم سب ابراہیم حنیف کے ملت کی پیروی کرو، جو مشرک نہ تھے۔

بے وقوف انسان ہی ابراہیم علیہ السلام کے طریقے سے بے رغبتی اختیار کرسکتا ہے۔ ایسا انسان جس نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈالنے کا ارادہ کرلیا ہو۔

ارشاد باری تعالی ہے:﴿وَمَن يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ﴾(البقرہ:۱۳۰)

دین ابراہیمی سے وہی بے رغبتی کرے گا جو محض بے وقوف ہو، ہم نے تو اسے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ نیکوکاروں میں سے ہے۔)

موضوع بحث کے ساتھ تعلق رکھنے والے متفرق مسائل:

① پہلا مسئلہ: کیا فرقہ ناجیہ ہی طائفہ منصورہ ہے یا ان دونوں کے درمیان بعض وجوہات کی بنا پر کوئی فرق پایا جاتا ہے؟

جواب ہر قسم کی تعریفات اللہ تعالیٰ کے ہیں، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔اس مسئلہ کے بارے میں بہت کچھ کہا جا چکا ہے۔کچھ تحقیق کاروں نے تو اس مسئلہ کے بارے میں اپنی ذاتی اغراض کی خاطر بغیر علم کے ہی فتاویٰ جاری کئے ہیں، جس کی بنا پر وہ خود بھی گمراہ ہو گئے اور انہوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔اس وجہ سے اس مسئلہ کا جواب کچھ وضاحت کا طلبگار ہے۔ و اللہ المستعان ،،،

طائفہ منصورہ کا ہر فرد فرقہ ناجیہ سے تعلق رکھتا ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ فرقہ ناجیہ کا ہر فرد طائفہ منصورہ سے تعلق رکھنے والا ہو۔اس بات کا ثبوت دو چیزوں سے ملتا ہے:

پہلی چیز: نصوص شریعت جو کہ طائفہ منصورہ اور فرقہ ناجیہ کے درمیان فرق پر دلالت کرتی ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (آل عمران:۱۰۴)

تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو بھلائی کی طرف لائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے، اور یہی لوگ فلاح ونجات پانے والے ہیں۔

یہ خطاب پوری امت کو ہے جو کہ فرقہ ناجیہ کی نمائندہ ہے کہ ان میں سے ایک ایسی جماعت مخصوص ہونی چاہیئے جو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینے کے لئے کھڑی ہو۔

نص قرآنی نے فرقہ ناجیہ جو کہ مجموعی طور پر تمام امت ہے اور طائفہ منصورہ جو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینے والا ایک گروہ ہے ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: تم میں ایک ایسی جماعت موجود رہنی چاہیئے جو نیکی کی دعوت دینے اور برائی سے روکنے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے دین کے قیام کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے، یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے: اس سے اکابر صحابہ اور اکابر رواۃ یعنی مجاہدین اور علماء مراد ہیں۔اس آیت کریمہ سے یہ مراد ہے کہ اس امت میں ایک جماعت ہمیشہ اس مقصد کے لئے تیار رہنی چاہیئے۔

یہ خاص الخاص لوگ ہیں۔ یہ بات محال ہے کہ طائفہ منصورہ کی صفات فرقہ ناجیہ کے تمام افراد میں پائی جائیں، کیونکہ فرقہ ناجیہ میں تمام امت توحید شامل ہے اور پوری امت میں مجبور لوگ بھی ہوتے ہیں اور فاسق ونافرمان بھی ہوتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ﴾ (آل عمران:۱۴۶)

بہت سے نبیوں کے ہم رکاب ہوکر، بہت سے اللہ والے جہاد کر چکے ہیں، انہیں بھی اللہ کی راہ میں تکلیفیں پہنچیں لیکن نہ تو انہوں نے ہمت ہاری نہ سست رہے اور نہ دبے، اور صبر کرنے والوں کو (ہی) چاہتا ہے۔

یہاں "ربیــــون" سے مراد طائفہ منصورہ کے وہ افضل ترین لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے خوفزدہ نہیں ہوتے۔

جو یہ کہے کہ مذکورہ آیت میں بیان ہونے والے "ربیــــون" سے مراد فرقہ ناجیہ ہے جس میں ہر وہ شخص شامل ہے جو مسلمان ہو خواہ وہ عورتیں اور بوڑھے لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔ ایسا کہنے والا ایک صریح غلطی کا مرتکب ہوا ہے اور ایسی غلطی کی توقع ایک مبتدی طالب علم سے بھی نہیں کی جا سکتی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَّا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا﴾

(النساء:۹۵)

اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مومن اور بغیر عذر کے بیٹھ رہنے والے مومن برابر نہیں، اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر

اللہ تعالیٰ نے درجوں میں بہت فضیلت دے رکھی ہے اور یوں تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو خوبی اور اچھائی کا وعدہ دیا ہے، لیکن مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر بہت بڑے اجر کی فضیلت دے رکھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بغیر عذر کے بیٹھ رہنے والے مسلمانوں جو کہ فرقہ ناجیہ میں داخل ہیں کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے جان و مال سے جہاد کرنے والوں جو کہ طائفہ منصورہ میں شامل ہیں کے درمیان فرق رکھا ہے۔ یہ دونوں گروہ جس طرح قیامت کے دن اجر اور درجات میں متفاوت ہونگے اسی طرح اس دنیا میں صفات اور ذمہ داریوں کے لحاظ سے بھی متفاوت ہیں۔ اگر چہ یہ دونوں گروہ عذاب الٰہی سے نجات کی صفت میں مشترک ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنَى﴾ لیکن ﴿فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ أَجْراً عَظِيْماً﴾

اس معنی کی حامل بہت سی احادیث پہلے گذر چکی ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔ اور فرمایا: میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ لوگوں پر غالب رہے گی۔ اور فرمایا: یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا۔ اس کے دفاع کے لئے مسلمانوں کی ایک جماعت قتال کرتی رہے گی۔ میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ غالب رہے گی۔ ان کا کوئی مخالف انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اس قسم کے اور بہت سے دلائل ہیں جن سے کتب احادیث بھری ہوئی ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے فرمان: ''من أمتی'' میں من تبعیض یعنی کسی چیز کے بعض حصے کی دلالت کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اس سے مراد طائفہ منصورہ ہے جو کہ فرقہ ناجیہ کا ایک حصہ ہے اور فرقہ ناجیہ میں تمام امت توحید شامل ہے۔

دوسری چیز: طائفہ منصورہ اور فرقہ ناجیہ میں سے اگر ہر دو کی صفات کو دیکھا جائے تو نصوص شریعت نے طائفہ منصورہ کی صفات کو فرقہ ناجیہ کی صفات سے ممیّز رکھا ہے جو ہمیں اس بات کے کہنے پر آمادہ کرتی ہیں کہ طائفہ منصورہ ایک علیحدہ جماعت ہے جو کہ فرقہ ناجیہ سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔

فرقہ ناجیہ درست عقیدہ اور اللہ اور اس کے رسول کی اتباع کی حامل جماعت ہے۔اسی وجہ سے جب نبی کریم ﷺ سے اس جماعت کے تعارف اور اس کی صفات کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

ایسی جماعت جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر گامزن ہو۔

جبکہ ابھی ذکر ہونے والی نصوص کے مطابق طائفہ منصورہ میں درست عقیدہ اور اللہ اور اس کے رسول کی اتباع سے زائد بھی کچھ صفات ہوتی ہیں۔وہ اللہ تعالی کے راستے میں جہاد کرتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، اپنے مخالفین پر غالب رہیں گے، حق کو لے کھڑے ہونگے اور اللہ تعالی کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے خوفزدہ نہیں ہونگے۔اس طرح کی اور بھی بہت سی صفات ہیں جن کا اس مقالہ میں تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے۔

فرقہ ناجیہ کے تمام افراد میں ان تمام صفات کا پایا جانا بہت محال ہے، کیونکہ ان میں مختلف عمر، طاقت و قوت اور سوچ وفکر کے حامل لوگ مثلا بوڑھے،عورتیں، بچے اور عام لوگ بھی ہوتے ہیں۔

خلاصہء کلام:

طائفہ منصورہ کا ہر فرد فرقہ ناجیہ میں شمار ہوگا جبکہ فرقہ ناجیہ کا ہر فرد طائفہ منصورہ میں شمار نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ طائفہ منصورہ کی صفات کا فرقہ ناجیہ کے تمام افراد میں پایا جانا محال ہے۔اس لئے دونوں گروہوں کے درمیان فرق کیا جانا ضروری ہے۔

اگر دیکھا جائے تو فرقہ ناجیہ میں طائفہ منصورہ کی حیثیت ایک ہراول دستے کی سی ہے جو کہ اس امت کے اہم ترین امور کو سنبھالے ہوئے ہے۔اور امت کی حرمتوں اور حقوق کا دفاع کرنے والی ہے۔

جبکہ طائفہ منصورہ کے حوالے سے فرقہ ناجیہ کی حیثیت ایک عظیم لشکر کی سی ہے جو کہ اس ہراول دستے کے لئے پختہ کار افراد مہیا کرتا ہے۔

طائفہ منصورہ اور فرقہ ناجیہ عقیدے کی درستگی اور اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع کی صفات میں مشترک ہوتی ہیں جبکہ باقی تمام صفات میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔جیسا کہ پہلے اس کا

ذکر ہو چکا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امت کی اس تقسیم اور ان گروہوں کی صفات کو تفصیل سے بیان کرنے کا آخر کیا مقصد ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے:

پہلی بات یہ کہ: یہ وہی فرق ہے جو نصوص شریعت نے ایک عالم اور جاہل کے درمیان رکھا ہے، اور ایک مجاہد اور پیچھے بیٹھ رہنے والے کے درمیان بیان کیا ہے، اور ان کا جدا جدا اجر و ثواب بیان کیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے: تا کہ ہر شخص کی صفات ظاہر ہونے کے بعد اس کی حیثیت کے بارے میں آگاہی حاصل ہو جائے۔ طائفہ منصورہ کی صفات سے خالی شخص جس میں درحقیقت فرقہ ناجیہ کی صفات بھی نہ ہوں اپنے آپ کو طائفہ منصورہ میں شامل نہ کر سکے۔

② دوسرا مسئلہ: طائفہ منصورہ کہاں پائی جاتی ہے؟ کیا کوئی مخصوص جگہ ہے جہاں اس کا ٹھکانا ہو؟

جواب تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ طائفہ منصورہ کا کوئی مخصوص ٹھکانا نہیں ہے کہ اس کے علاوہ یہ کسی اور جگہ پائی ہی نہ جاتی ہو۔ بلکہ جہاں کہیں اس کی صفات موجود ہوں گیں وہیں طائفہ منصورہ کا وجود بھی مل جائے گا۔ اس بات کے لئے میں اطراف عالم میں بکھری ہوئی صحابہ کرامؓ کی قبروں سے دلیل نہیں لوں گا جو کہ فریضہ جہاد کی تکمیل کے لئے ان علاقوں میں گئے تھے۔

بلکہ جس بات کا کہنا مقصود ہے وہ یہ کہ شام (شام سے مراد شام کبری ہے جس میں موجودہ شام، فلسطین، لبنان، اردن اور سعودی عرب کے تبوک تک کے علاقے شامل ہیں۔) طائفہ منصورہ کے وجود سے کبھی خالی نہیں ہوگا۔ یہ ان صحیح احادیث اور آثار صحابہ کی وجہ سے ہے جو شام اور اہل شام کی فضیلت میں وارد ہوئے ہیں۔ جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ شام کبھی بھی طائفہ منصورہ کے وجود سے خالی نہیں ہوگا۔

ان میں کچھ دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یہ امت جہاں کہیں چلی جائے ہمیشہ غالب رہے گی۔ قیامت آنے تک ان کا کوئی دشمن انہیں

نقصان نہیں پہنچا سکے گا، وہ شام میں موجود ہوں گے۔

اور فرمایا:

جب اہل شام بگڑ گئے تو تم میں کوئی خیر باقی نہیں رہے گی۔ میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا، قیامت قائم ہونے تک ان کا کوئی مخالف انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

اور فرمایا:

اہل مغرب ہمیشہ غالب رہیں گے۔ قیامت قائم ہونے تک ان کا کوئی مخالف انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے: اہل مغرب سے اہل شام مراد ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مومنین کا بہترین ٹھکانہ شام میں ہوگا۔

اور فرمایا:

جب جنگیں عام ہو جائیں گی تو اللہ تعالی دمشق سے ایک لشکر بھیجے گا جو عرب کے بہترین شہہ سواروں پر مشتمل ہوگا جن کا اسلحہ سب سے بہترین ہوگا۔ اللہ تعالی ان کے ذریعہ دین کو تقویت پہنچائیں گے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ارشاد فرمایا: میں نے نیند میں فرشتوں کو دیکھا کہ وہ کتاب کے وسط سے اسے اٹھا کر شام لے گئے ہیں۔ جب فتنے عام ہو جائیں گے تو شام میں ایمان موجود ہوگا۔

سیدنا عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ایک دفعہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! میرے لئے کسی علاقے کے بارے میں لکھ دیجئے جہاں میں رہائش اختیار کروں۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ رہیں گے تو میں آپ کے قرب پر کسی چیز کو ترجیح نہ دیتا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: شام کو لازم پکڑ لو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب

شام کی طرف سے ان کی ناپسندیدگی کا مشاہدہ کیا تو فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالی کیا فرمارہے ہیں؟ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: تو مجھے تمام علاقوں سے زیادہ پسندیدہ ہے اور میں تجھ میں اپنے بہترین بندوں کو داخل کروں گا۔ معراج کی رات میں نے سفید رنگ کا ایک ستون دیکھا جو کہ موتیوں کا بنا ہوا معلوم ہوتا تھا اسے فرشتوں نے اٹھا رکھا تھا۔ میں نے پوچھا تم نے کیا اٹھا رکھا ہے؟ تو فرشتوں نے کہا: ہم نے اسلام کا ستون اٹھا رکھا ہے۔ اور ہمیں شام میں اس کو گاڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

شام کو لازم پکڑ لو۔ کیونکہ اللہ تعالی نے اسے اپنی تمام زمین میں سے پسند فرما رکھا ہے۔ اللہ تعالی اس کے لئے اپنے بہترین بندوں کو پسند فرمائیں گے۔

عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عنقریب تم بہت سے لشکر دیکھو گے۔ ایک شام کا لشکر ہوگا، ایک عراق کا لشکر ہوگا، اور ایک یمن کا لشکر ہوگا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کھڑے ہوکر عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے لئے ان میں سے ایک پسند فرمادیجئے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شام کو لازم پکڑو، اگر اسے اختیار نہ کرنا چاہو تو یمن کو اختیار کرو۔ اور ان کو دھوکا دینے والوں سے بچ کر رہو۔ کیونکہ اللہ تعالی نے مجھے شام اور اہل شام کے بارے میں ضمانت دی ہے۔

ربیعہ کہتے ہیں: میں نے ابو إدریس کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالی جس کی ضمانت دے اس کے ضائع ہونے کا کوئی خطرہ نہیں۔ (شام اور اہل شام کے فضائل کے بارے میں جس قدر دلائل ذکر کئے گئے ہیں وہ سبھی امام ربعی کی کتاب ''فضائل الشام'' سے اخذ کئے ہیں۔ ناصر الدین اُلبانی نے اس کتاب کی تحقیق کی ہے۔ الحمدللہ مذکورہ تمام احادیث یا تو صحیح کے درجہ کی ہیں یا حسن کے درجہ تک پہنچتی ہیں۔)

یہ اور اس قسم کی تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ شام میں طائفہ منصورہ کا وجود ہمیشہ موجود

رہے گا۔اس جماعت کے اثرات اور تعداد شام میں اگر چہ بہت کم ہی کیوں نہ ہوجائیں لیکن یہ کلی طور پر معدوم نہیں ہوگی۔ظالم طاغوت لاکھ براچاہیں لیکن شام میں خیر کا وجود ہمیشہ باقی رہے گا۔

ان احادیث میں تمام مسلمانوں بالخصوص اہل شام کے لئے ایک بہت بڑی خوشخبری ہے کہ شام میں ظلم و فساد کے سائے جسقدر گہرے ہی کیوں نہ ہوجائیں اور طاغوت جسقدر شدت سے چاہے اپنے ظالمانہ پنجے جمالے اس کی شان وعظمت اسے ضرور واپس ملے گی۔فتح اور نصرت کے حصول اور امت اسلام کو بندوں کی غلامی سے آزاد کر کے اللہ واحد کی غلامی میں دینے کے لئے امت کی قیادت ضرور اس کے ہاتھ میں آئے گی۔یہ بات ان شاءاللہ زیادہ دور نہیں۔

﴿وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ قُلْ عَسَى أَن يَكُونَ قَرِيبًا﴾ (الإسراء:۵۱)

آپ سے دریافت کریں گے کہ اچھا یہ ہے کب؟ تو آپ جواب دے دیں کہ کیا عجب کہ وہ (ساعت) قریب ہی آن لگی ہو۔

۳ تیسرا مسئلہ: کیا یہ ضروری ہے کہ طائفہ منصورہ ایک ہی جماعت پر مشتمل ہوگی اور اس کی یہ حیثیت ہو کہ جو اس جماعت سے باہر ہوگا اس کا طائفہ منصورہ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا؟

جواب تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔یہ بات درست ہے کہ طائفہ منصورہ ایک منظّم گروہ کی صورت میں کام کرتی ہے،لیکن یہ ضروری نہیں کہ طائفہ منصورہ کے تمام افراد اس حیثیت میں ایک ہی جماعت اور ایک ہی علاقہ میں جمع ہوجائیں کہ اس جماعت اور علاقہ سے باہر ہر فرد کے بارے میں یہ تصور کیا جائے کہ اس کا تعلق طائفہ منصورہ سے نہیں ہے۔

اس کا ثبوت جس بات سے ملتا ہے وہ یہ ہے طائفہ منصورہ کی پہچان کے لئے کچھ صفات مقرر کی گئی ہیں ان کے علاوہ ان کی پہچان کا کوئی ذریعہ نہیں۔جس کسی میں یہ صفات موجود ہونگی اس کا تعلق طائفہ منصورہ سے ہوگا اور طائفہ منصورہ کا تعلق اس سے ہوگا۔وہ لوگ اپنا نام طائفہ منصورہ رکھیں یا نہ رکھیں اور کسی بھی جگہ کے رہنے والے ہوں ان کا تعلق طائفہ منصورہ سے ہی ہوگا۔

امام نووی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: اس بات کا احتمال ہے کہ یہ جماعت مختلف اقسام کے مؤمنین کے درمیان

بکھری ہوئی ہے، ان میں کچھ بہادر اللہ کے راستے میں قتال کرنے والے ہیں، کچھ فقہاء ہیں اور کچھ محدثین ہیں، اور کچھ نیکو کار نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ ایک ہی جگہ اکٹھے ہوں بلکہ اس بات کا امکان ہے کہ وہ اطراف عالم میں بکھرے ہوئے ہوں۔ (شرح صحیح مسلم: ۱۳/ ٦٧)

④ چوتھا مسئلہ: کیا یہ ضروری ہے کہ طائفہ منصورہ کا ہر فرد ہمیشہ اسی جماعت کا فرد رہے گا یا اس بات کا امکان موجود ہے کہ وہ اس جماعت سے نکل بھی سکتا ہے؟

جواب تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ انبیاء کے علاوہ کوئی شخص معصوم عن الخطاء نہیں ہوسکتا۔ اس بات کا امکان ہے کوئی شخص آج طائفہ منصورہ کی صفات سے متصف ہونے کی وجہ سے طائفہ منصورہ میں شامل ہو اور کل اس پر ایسے حالات طاری ہو جائیں یا اس میں ایسا انقلاب واقع ہو جائے جو اسے طائفہ منصورہ کی صفات اور ان کی صفوں سے خارج کردے۔ معصوم وہی ہے جسے اللہ تعالی محفوظ اور ثابت قدم رکھے۔ اس لئے ہم اللہ تعالی سے ثابت قدمی اور حسن خاتمہ کے طلب گار ہیں۔

اسی وجہ سے ہم کہیں گے کہ: جس طرح اطاعت اور نافرمانی کرنے کی وجہ سے انسان کا ایمان کم اور زیادہ ہوتا رہتا ہے، اسی طرح وہ اپنے اندر واقع ہونے والی سوچ اور فکر اور صفات کی مختلف تبدیلیوں کی وجہ سے طائفہ منصورہ سے دور نزدیک ہوتا رہتا ہے، اور انسان کی یہ کیفیت ہمیشہ جاری رہتی ہے۔

⑤ پانچواں مسئلہ: موجود دور کی جماعتوں میں کون سی جماعت طائفہ منصورہ کے زیادہ قریب ہے؟ یا کس جماعت پر طائفہ منصورہ کے نام کا اطلاق ہوتا ہے؟

جواب تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ موجودہ دور کی وہ جماعت طائفہ منصورہ کے زیادہ قریب ہوگی اور اس پر طائفہ منصورہ کے نام کا اطلاق ہوسکتا ہے جو طائفہ منصورہ کی مذکورہ بالا صفات سے متصف ہونے کا سب سے زیادہ اہتمام کرنے والی ہوگی۔ اس طرح ہم نے اپنے قاری کے ہاتھ میں ایک بہت ہی باریک بین پیمانہ دے دیا ہے جس کے ذریعے وہ

مختلف جماعتوں، افراد اور گروہوں کو پرکھ سکتا ہے، اور طائفہ منصورہ سے ان کے قریب یا دور ہونے کا اندازہ کر سکتا ہے۔ اور یہ اس مقالہ میں ذکر ہونے والی صفات کو پہچاننے کے ذریعے ممکن ہو سکے گا۔

میرا یہ نظریہ ہے کہ جو جماعت چیچنیا اور افغانستان میں جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ سرانجام دے رہی ہے اس کا تعلق طائفہ منصورہ سے ہے۔ ان شاء اللہ۔

⑥ چھٹا مسئلہ: طائفہ منصورہ کے ہمیشہ غالب اور کامیاب رہنے اور موجودہ دور میں مسلمانوں کی پسپائی کے حالات کے درمیان ہم کس طرح موافقت پیدا کریں گے؟

جواب تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ جو یہ سوال اٹھائے گا ہم اسے یہ جواب دیں گے: ممالک اسلامیہ میں رونما ہونے والے واقعات کا عقل کی گہرائی سے ادراک کیجئے آپ کو موجودہ زمانے میں بلکہ ہر زمانے میں طائفہ منصورہ کے وجود کا ادراک ہو جائے گا۔ اگر تیری نگاہ تجھے دھوکا دے اور تو صرف مسلمانوں کے حالات کا سیاہ چہرہ ہی دیکھنا چاہے تو ہم یہ کہتے ہوئے تجھے معذور سمجھیں گے: تیری نظر جھوٹی ہے اور تیرے گمان نے تجھے دھوکا دیا ہے جبکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان بالکل سچا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا: میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر قتال کرتی رہے گی اور قیامت تک غالب رہے گی۔

اصل بات جو یہاں کہنی چاہیئے وہ یہ ہے کہ: غلبہ اپنی مختلف انواع اور حجم اور وسعت کے اعتبار سے مختلف ادوار میں اور مختلف مقامات میں کم زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ جس سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ طائفہ منصورہ کا کوئی وجود یا اثر ہی نہیں ہے۔ جبکہ درحقیقت ایسا شخص تفصیلی طور پر مسلمانوں کے حالات اور دنیا میں رونما ہونے والے واقعات سے بے خبر ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی زبان اقدس سے دی جانے والی بشارات جو کہ طائفہ منصورہ کے ہاتھوں پوری ہونگی:

① اٹلی کے دارالحکومت روم کی فتح:

ابو قبیل بیان کرتے ہیں: ہم ایک دفعہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سے سوال کیا گیا کہ قسطنطنیہ اور روم میں سے کون سا شہر پہلے فتح ہوگا؟ تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ایک

سر بمہر صندوق منگوایا اور اس میں سے ایک کتاب نکالی۔ کہنے لگے: ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کے ارد گرد بیٹھے لکھ رہے تھے، اچانک رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ قسطنطنیہ اور روم میں سے کون سا شہر پہلے فتح کیا جائے گا؟ تو نبی کریم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ہرقل کا شہر یعنی قسطنطنیہ پہلے فتح کیا جائے گا۔ (أحمد، دارمی، حاکم، السلسلۃ الصحیحۃ: ۴)

ناصر الدین الألبانی رقمطراز ہیں: رومیہ سے مراد روما ہے، معجم البلدان میں اسی طرح مذکور ہے۔ اس سے مراد وہی شہر ہے جو آج کل اٹلی کا دارالحکومت ہے۔

جیسا کہ مشہور ہے کہ اول الذکر شہر کی فتح سلطان محمد الفاتح العثمانی کے ہاتھوں نبی کریم ﷺ کی زبان اقدس سے فتح کی یہ بشارت ملنے کے آٹھ سو سال بعد واقع ہوئی تھی۔ اللہ تعالی کے فضل وکرم سے دوسری فتح بھی ضرور واقع ہو کر رہے گی، آپ عنقریب اس کی فتح کی بشارت سنیں گے۔ (السلسلۃ الصحیحۃ: ۱/ ۸)

② قسطنطنیہ کی دوسری مرتبہ فتح:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ رومیوں کا لشکر اعماق یا دابق کے مقام پر پڑاؤ ڈالے گا۔ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے مدینہ کا لشکر نکلے گا جو کہ اس وقت اہل زمین میں سب سے بہترین لشکر ہوگا۔ جب وہ ان کے سامنے صفیں باندھ لیں گے تو رومی کہیں گے کہ تم ہمارے اور ہمیں برا بھلا کہنے والوں کے درمیان سے ہٹ جاؤ ہم ان سے لڑائی کریں گے۔ تو مسلمان کہیں گے: اللہ کی قسم! ہم تمہارے اور اپنے بھائیوں کے درمیان سے نہیں ہٹیں گے۔ وہ ان سے قتال کریں گے مسلمانوں کے لشکر کا ایک تہائی حصہ بھاگ جائے گا اللہ تعالی کبھی ان کی توبہ قبول نہیں فرمائیں گے۔ ایک تہائی حصہ شہید ہو جائے گا جو کہ اللہ تعالی کے ہاں افضل ترین شہداء ہونگے۔ ایک تہائی حصہ فتح یاب ہوگا یہ کبھی بھی فتنہ میں مبتلا نہیں ہونگے۔ یہ لوگ قسطنطنیہ کو فتح کریں گے اور مال غنیمت آپس میں تقسیم کرلیں گے۔ انہوں نے آرام کی غرض

سے اپنی تلواریں زیتون کے درخت پر لٹکائی ہوئی ہونگی کہ اچانک ان کے درمیان شیطان منادی کرے گا: دجال نے تمہارے پیچھے تمہارے گھروں پر حملہ کردیا ہے۔ وہ وہاں سے نکل کھڑے ہونگے حالانکہ یہ جھوٹی خبر ہوگی۔ جب وہ شام کے علاقہ میں پہنچیں گے تو اس وقت دجال کا خروج ہوگا۔ وہ اس کے ساتھ قتال کرنے کی تیاری کررہے ہونگے اور صفیں درست کررہے ہونگے کہ نماز کا وقت ہوجائے گا۔ اس وقت عیسی علیہ السلام کا نزول ہوگا وہ ان لوگوں کی امامت کروائیں گے۔ جب اللہ کا دشمن انہیں دیکھے گا تو اس طرح پگھل جائے گا جس طرح پانی میں نمک پگھل جاتا ہے۔ اگر وہ اسے چھوڑ دیں گے تو وہ ان کے سامنے ہی پگھل کر ہلاک ہوجائے گا لیکن وہ اسے اپنے ہاتھوں سے قتل کریں گے اور اہل لشکر کو اپنے نیزے پر دجال کا خون لگا ہوا دکھائیں گے۔

حدیث سے مستنبط ہونے والے بعض مسائل:

① مذکورہ حدیث میں قسطنطنیہ کی جس فتح کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس فتح کے علاوہ ایک دوسری فتح ہے جو سلطان محمد فاتح کے ہاتھوں رونما ہوئی تھی۔ مذکورہ فتح کے حالات، واقعات اور نتائج کے اعتبار سے یہ ایک دوسری فتح ہے کیونکہ سلطان محمد فاتح کے ہاتھوں واقع ہونے والی فتح میں اس قسم حالات و واقعات پیش نہیں آئے تھے اور نہ ہی اس کے نتائج کچھ اس قسم کے تھے۔

② اس حدیث سے لازمی طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قسطنطنیہ سلطان محمد فاتح کے ہاتھوں فتح ہونے کے بعد ایک مرتبہ پھر دارالاسلام سے دارالکفر میں تبدیل ہوجائے گا۔ اتاترک کی زیر قیادت ترکی میں واقع ہونے والے سیکولر انقلاب کے بعد ایسا ہو بھی چکا ہے۔ کیونکہ اس انقلاب کے ذریعے اتاترک کی پوری کوشش تھی کہ ترکی کو اسلامی ریاست سے ہٹا کر ایک سیکولر ریاست بنادیا جائے جو کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے والی ہو۔ آج تک وہ اپنی کوششوں میں کامیاب جارہے ہیں۔

③ روم کے لشکر کا دابق کے مقام پر پہنچنا جو کہ حلب کے قریب ایک مقام ہے۔ رومیوں کے لشکر

کے لئے اس مقام تک پہنچنے کا راستہ ترکی سے ہو کر جاتا ہے اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا راستہ نہیں کیونکہ حلب ترکی کے قریب واقع ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکی ان دنوں روم کا حلیف ہوگا اور امت اسلامیہ کے خلاف مسلمانوں کے دشمنوں کا ساتھی ہوگا۔ موجودہ دور میں ترکی کی یہی حالت ہے۔

④ مذکورہ حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جزیرہ عرب بالعموم اور مدینہ منورہ بالخصوص مسلمانوں کی دشمن کسی سلطنت یا حکومت کے زیر تسلط نہیں آئے گا۔

⑤ یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ امریکہ اور اس کے حلیف مغربی ممالک اللہ تعالی کے حکم سے عنقریب ضعف اور انتشار کا شکار ہونے والے ہیں، اگرچہ اس میں کچھ عرصہ کے لئے دیر ہی کیوں نہ ہو لیکن ایسا ضرور ہو کر رہے گا۔ یہ ضعف اور انتشار اس قدر شدید نوعیت کا ہوگا کہ یہ ممالک مدینہ کو اپنے شامی بھائیوں کی حمایت سے باز نہیں رکھ سکیں گے۔ جس کے نتیجے میں قسطنطنیہ نئے سرے سے فتح ہوگا اور مسلمانوں کے ہاتھوں اس کا سقوط ہوگا۔

⑥ اس حدیث سے یہ بات بھی اخذ ہوتی ہے کہ جزیرہ عرب میں امریکی اور مغربی افواج کا اجتماع اور تسلط عنقریب ختم ہونے والا ہے۔ اگرچہ اس میں کچھ عرصہ لگے لیکن ایسا ضرور ہو کر رہے گا اور اب یہ اللہ تعالی کے فضل سے زیادہ دور بھی نہیں ہے۔

⑦ تمام مسلمان بالعموم اور جزیرہ عرب اور شام کے مسلمان بالخصوص عقیدہ اور دین کی بنیاد پر اکٹھے ہونے والے ہیں۔ یہ باہمی گروہ بندیاں اور جغرافیائی حدود عنقریب اس کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہے گی۔ اس سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ مدینہ کے مسلمان اپنے شامی بھائیوں کے ساتھ مل کر لڑائی کریں گے۔ اور یہ مشرک اور کافر رومیوں کے خلاف ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر قتال کریں گے۔

⑧ شام عیسی علیہ السلام کا مقام نزول ہے، اہل شام فتح اور آزادی کے حصول اور کفار کے خلاف جنگ میں ان کے ساتھی ہونگے۔ اس کا یہ مطلب یہ ہے کہ شام کی شان وشوکت اور عظمت اور اس دین کی مدد کے لئے قائدانہ صلاحیت ضرور واپس لوٹے گی۔ شام میں موجودہ دور کا یہ ظالمانہ نظام صرف ایک سیاہ

بادل ہے جس نے وقتی طور پر شام کی فضا کو ڈھانپا ہوا ہے، یہ عنقریب چھٹنے والا ہے اگر چہ کچھ عرصے بعد ہی کیوں نہ ہو۔

⑨ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان:

انہوں نے اپنی تلواریں زیتون کے ساتھ لٹکائی ہوئی ہونگی۔ کیا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ موجودہ دور کا ایٹمی اسلحہ اور جنگی ہتھیار ختم ہو جائیں گے اور لوگ دوبارہ سے تیر و تلوار کے دور میں واپس لوٹ جائیں گے یا پھر تلوار سے مطلقاً اسلحہ مراد لیا گیا ہے؟ اللہ أعلم

یہ بعض استنباطات اور خوشخبریاں ہیں جو اس حدیث مبارکہ سے اخذ ہوتے ہیں۔

③ یہودیوں سے لڑائی اور ان پر غلبہ کا حصول:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ مسلمان یہودیوں سے قتال کریں گے۔ مسلمان جب انہیں قتل کریں گے تو کوئی کسی پتھر اور درخت کے پیچھے چھپ جائے گا تو پتھر یا درخت پکار کر کہے گا: اے مسلمان! (وہ عربی، ترکی یا کردی کہہ کر نہیں پکارے گا بلکہ صرف مسلم اور موحد کہہ کر پکارے گا۔ حدیث میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں کہ: یہ آزادی موحد مؤمنین کے ہاتھوں پایۂ تکمیل تک پہنچے گی نہ کہ بے دین اور زندیق لوگوں کے ہاتھوں۔) اے اللہ کے بندے! یہ میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے ادھر آ اور اسے قتل کر۔ صرف ببول کا درخت (یہی وجہ ہے کہ یہودی آج کل فلسطین کے علاقہ میں اس قسم کے درخت کو کثرت سے کاشت کر رہے ہیں۔) ایسا نہیں کہے گا کیونکہ وہ یہودیوں کا درخت ہے۔ (مسلم)

④ غزوۂ ہند:

ثوبان مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری امت کی دو جماعتوں کو اللہ تعالی نے جہنم کی آگ سے بچا لیا ہے۔ ایک وہ جماعت جو ہند سے جہاد کرے گی اور دوسری وہ جماعت جو عیسی علیہ السلام کے ساتھ ہوگی۔ (أحمد، النسائی، السلسلة

الصحیحۃ:۱۹۳۴)

مذکورہ حدیث میں کشمیر میں جہاد کرنے والے ہمارے بھائیوں کے لئے ایک عظیم خوشخبری ہے۔ہم اللہ تعالی سے ان کے لئے فتح اور ثابت قدمی کے طلبگار ہیں۔

⑤ نبوی منہج پر خلافت راشدہ کا قیام:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جب تک اللہ تعالی چاہیں گے تم میں نبوت باقی رہے گی۔ پھر جب اللہ تعالی چاہیں گے تو اسے اٹھالیں گے۔ پھر نبوی منہج پر خلافت قائم ہوگی۔اللہ تعالی جب تک چاہیں گے وہ قائم رہے گی، پھر جب اللہ چاہیں گے اسے اٹھالیں گے۔ پھر ایک بدخلق اور سخت ملوکیت ہوگی وہ بھی اس وقت تک قائم رہے گی جب تک اللہ تعالی چاہیں گے۔ پھر جب اللہ تعالی چاہیں گے اسے اٹھالیں گے۔ پھر ایک جابر قسم کی بادشاہت ہوگی وہ بھی اس وقت تک قائم رہے گی جب تک اللہ تعالی چاہیں گے پھر اللہ تعالی اسے اٹھالیں گے۔ پھر اس کے بعد دوبارہ نبوی منہج پر خلافت راشدہ کا نظام قائم ہوگا۔اتنا فرما کر آپ ﷺ خاموش ہوگئے۔(أحمد،السلسلۃ الصحیحۃ:۵)

بدخلق اور سخت ملوکیت کا دور گذر چکا ہے یہ بنوعباس اوران کے بعد عثمانیوں کا دور تھا۔موجودہ دور میں ہم جابر وقاہر بادشاہت کا سامنا کررہے ہیں۔ یہ بھی اپنی زندگی کے آخری لمحات میں ہے۔اس کے بعد دوبارہ سے نبوی منہج پر خلافت کا نظام شروع ہونے والا ہے۔اللہ تعالی کے فضل وکرم سے یہ عرصہ کچھ زیادہ دور نہیں۔

⑥ دنیا میں موجود ہر گھر میں اسلام کا داخل ہونا:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالی نے میرے لئے تمام زمین کو سمیٹ دیا تو میں اس کے مشرق ومغرب کا مشاہدہ کیا۔ میری امت کی سلطنت وہاں تک پہنچے گی جس قدر اللہ تعالی نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا تھا۔(مسلم،السلسلۃ الصحیحۃ:۲)

اور فرمایا:

یہ دین وہاں تک پہنچے گا جہاں جہاں دن اور رات طلوع ہوتے ہیں۔ اللہ تعالی کسی گھر کو نہیں چھوڑے گا خواہ وہ مٹی کا بنا ہوا ہو یا پتھر کا مگر اس میں اس دین کو ضرور داخل فرمائیں گے۔ اللہ تعالی عزت والے کو عزت عطا کریں گے اور ذلت والے ذلیل و رسوا کریں گے۔ اللہ تعالی اسلام کو عزت عطا فرمائیں گے اور کفر کو ذلیل و رسوا کریں گے۔ (صحیح ابن حبان، السلسلۃ الصحیحۃ: ۳)

دین کی اس قدر وسعت اور پھیلاؤ ابھی تک ممکن تو نہیں ہوا لیکن ان شاء اللہ جلد ہی یہ کام پورا ہونے والا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مجھے جوامع الکلم عطا کئے گئے ہیں، اور رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے۔ ایک دفعہ میں سویا ہوا تھا کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی چابیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھوں پر رکھ دی گئیں۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں اور ان خزانوں کو جلد از جلد کھینچ رہے ہو۔ (متفق علیہ)

⑦ زمین پر عیسی علیہ السلام کا نزول:

وہ صلیب کو توڑ دیں گے، جزیہ ختم کر دیں گے، اللہ تعالی ان کے دور میں تمام ادیان اور ملل اور ختم کر دیں گے صرف دین اسلام اور توحید ہی باقی رہے گی۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے اور عیسی علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ وہ عنقریب نازل ہونے والے ہیں، جب تم اسے دیکھو تو ان کے نشانات کے ذریعے انہیں پہچان لینا۔ وہ درمیانے قد و قامت کے جوان ہونگے، سرخی مائل سفید رنگ ہوگا، خفیف سے زرد رنگ کے اثرات والا کرتہ زیب تن کئے

ہونگے۔ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپکتے ہوئے محسوس ہونگے اگرچہ اسے تری نہ بھی پہنچی ہو۔ وہ اسلام پر لوگوں سے قتال کریں گے ،صلیب کو توڑ دیں گے ،خنزیر کو قتل کردیں گے اور جزیہ ختم کردیں گے۔(وہ کافروں سے جزیہ قبول نہیں کریں گے، یا تو وہ اسلام قبول کرلیں گے یا ان سے لڑائی کی جائے گی۔)

اللہ تعالی ان کے دور میں تمام ادیان کو ختم کردیں گے صرف دین اسلام ہی باقی رہے گا۔وہ دجال کو قتل کردیں گے۔زمین میں چالیس سال کا عرصہ زندہ رہیں گے پھر فوت ہونگے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔(صحیح سنن ابوداؤد:۳۶۳۵)

خاتمہ

اکثر لوگ مجھ سے سوال کرتے ہیں کہ میرا تعلق کس جماعت یا گروہ سے ہے اور میں کس جماعت کی تعداد کو بڑھا رہا ہوں؟

یہ کتاب اس سوال کا جواب ہے۔ جس جماعت کے ساتھ میرا تعلق ہے اور اس کا میرے ساتھ تعلق ہے ،جس کے ساتھ محبت کرنے والوں سے میں محبت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ دشمنی رکھنے والوں سے میں دشمنی رکھتا ہوں ، وہ جماعت طائفہ منصورہ ہے جس کی صفات اس کتاب میں ذکر کی گئی ہیں۔ وہ جماعت جہاں بھی ہو اور وہ جو بھی لوگ ہوں ، اگر چہ ان کے ساتھ میرا رابطہ اور جان پہچان نہ بھی ہو پھر بھی میں ان کا حمایتی ہوں۔ ہر گروہ یا جماعت جس قدر طائفہ منصورہ کی صفات اور عادات سے متصف ہے میں اسی قدر اس سے محبت کرتا ہوں اور جو جماعت ان صفات سے جس قدر دور ہے میں اسی قدر دور ہوتا ہوں۔ وہ جماعت کوئی بھی ہو اور اس کا کوئی بھی نام ہو۔ جب سے میں اس جماعت کے ساتھ ملا ہوں میرا یہی طریقہ اور منہج ہے ، مجھے معلوم نہیں کہ میں کتنے عرصے سے اس جماعت کے ساتھ تعلق قائم کئے ہوئے ہوں۔ یہ سب اللہ تعالی کا فضل و کرم ہے۔

میں اپنے آپ کو اتنا پاکباز نہیں سمجھتا کہ میں اس بات کا دعوی کروں کہ میں طائفہ منصورہ میں سے ہوں کیونکہ یہ ایک بہت بڑا مقام اور مرتبہ ہے اور میں اس کا دعوی کرنے کی اپنے اندر جرأت نہیں پاتا۔ لیکن میں اس خوش فہمی میں ضرور مبتلا ہوں کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں ، اور ان کے دوستوں سے محبت کرتا ہوں اور ان کے مخالفین سے دشمنی رکھتا ہوں۔ ان کی ذات اور عزت کا دفاع کرتا ہوں اور ان کے طریقے اور منہج کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اللہ تعالی سے امید وار ہوں کہ وہ اپنے فضل و رحمت کے ساتھ ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل کر دے۔ اور قیامت کے دن ہمیں بھی انہیں لوگوں کے گروہ میں اٹھائے۔

اے میرے مسلمان بھائی! طائفہ منصورہ کی صفات تمہارے سامنے ہیں ،تمہارے لئے اس کی تعداد کو

بڑھانا ضروری ہے۔اس جماعت میں شامل ہونے کی کوشش کرو۔اگر کسی کوتاہی کا شکار ہوجاؤ اور بلند و بالا مقاصد کے حصول سے ہمتیں جواب دے جائیں تو ان کے لئے حسب استطاعت خلوص کے ساتھ دعا کرنے سے کبھی بھی پیچھے نہ ہٹو۔

ان کے خلاف ظالم طاغوتوں کی حمایت کرنے سے اپنے آپ کو سختی کے ساتھ بچا کر رکھو۔کہیں ایسا نہ ہو کہ دانستہ یا نادانستہ طور پر تمہارے اعمال ضائع ہوجائیں اور تمہاری دنیا اور آخرت برباد ہوجائے۔

قرآن کریم میں بلعام نامی شخص کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے وہ اللہ تعالی کی آیات سے نکل گیا جبکہ اللہ تعالی نے اسے علم کی نعمت سے نواز رکھا تھا۔اس واقعہ میں عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے بہت سی عبرتیں ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالی نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ☆ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَث ذَّلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُواْ بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾(الأعراف ۱۷۵-۱۷۶)

اوران لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنایئے کہ جس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں پھر وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا، پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا سو وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہوگیا ☆ اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیتوں کی بدولت بلند مرتبہ کر دیتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہوگیا اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے لگا سو اس کی حالت کتے کی سی ہوگئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے یا اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے، یہی حالت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔سو آپ اس حال کو بیان کر دیجئے شاید وہ لوگ کچھ سوچیں۔

اے میرے مسلمان بھائی ! میں تمہیں موجودہ دور کے گمراہ کن فرقوں ، خواہشات نفسانی کی پیروی اور بدعات کی ترویج سے روکتا ہوں ، ایسا آج کل بہت عام ہے۔اس لئے ایسا نہ ہو کہ تو ان کے جال میں پھنس کر،قول وفعل سے ان کا حمایتی بن کر، ان کا دفاع کر کے اور ان کے جھنڈے کے نیچے کھڑا ہو کر

خود بھی ہلاک اور گمراہ ہو جائے اور اپنے بعد آنے والی اپنی نسلوں، اپنے ارادت مندوں اور اپنے چاہنے والوں کو بھی ہلاکت اور گمراہی کے گڑھے میں پھینک دے۔

اگر کبھی تجھ سے کسی جماعت یا گروہ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا مطالبہ کیا جائے تو طائفہ منصورہ کی صفات تمہارے سامنے ہونی چاہئیں جو کہ ایک کسوٹی اور پیمانے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کے ذریعے سے امور کی حقیقت کا ادراک کیا جا سکے گا اور یہ معلوم ہو سکے گا کہ کون سی جماعت طائفہ منصورہ کے کتنا قریب ہے اور آپ کی طرف سے کس قدر تعاون کی مستحق ہے۔ اگر آپ کو اس جماعت میں کوئی بھلائی یا خیر ملے تو وہ آپ کی دوستی، مدد اور تعاون کی مستحق ہے۔ اگر آپ کو اس جماعت میں کوئی خوبی نہ ملے تو آپ کے لئے ضروری ہے کہ اس جماعت سے دشمنی رکھیں اور براءت کا اظہار کر دیں۔ جو چاہے اسے مان لے اور جو اس کا انکار کر دے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں تمام امور میں درست طریقے اور اخلاص سے نوازے۔ اور اپنے فضل اور رحمت سے ہمیں اپنے پسندیدہ اور کامیاب بندوں میں شامل کرے۔ بے شک وہ دعاؤں کا سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان